

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں  
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان



۷۸۶  
۹۷۱۱۶

پاسخ الیوم الدینی



# لیک یا حسین

نقد و تحریف  
نقد و تحریف

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری

SABIL-E-SAKINA

United,

Karachi, Hyderabad

Sindh, Pakistan

[www.sabeelsakinah.org](http://www.sabeelsakinah.org)

[sabeelsakinah@gmail.com](mailto:sabeelsakinah@gmail.com)

www.ziaaraat.com

NOT FOR COMMERCIAL

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں  
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

زیر نظر  
استاد محقق آیت اللہ العظمی ناصر مکارم شیرازی

# تفسیر نمونہ جلد ۳

ترجمہ

حضرت مولانا سید صفدر حسین نجفیؒ

زیر سرپرستی

حضرت آیت اللہ العظمی الحاج سید علی رضا سید تانی مدظلہ



# فہرست مضامین

| صفحہ نمبر | مضمون   | صفحہ نمبر | مضمون                             |
|-----------|---|-----------|-----------------------------------|
| ۳۲        | کلی کے دشمن اور آج کے دوست                          | ۲۵        | سورہ آل عمران                     |
| ۳۴        | قوموں کی بقا کے لیے اتحاد کی اہمیت                  | ۲۵        | آیت ۹۲                            |
| ۳۵        | آیت ۱۰۲، ۱۰۵  | ۲۶        | ایمان کی ایک نشانی                |
| ۳۶        | حق کی دعوت اور فساد کا مقابلہ                       | ۲۶        | آیات قرآنی کا سلسلہ کے اوّل پرچار |
| ۳۶        | ایک اہم سوال اور اس کا جواب                         | ۲۷        | آیت ۹۲، ۹۴، ۹۵                    |
| ۳۷        | چند اہم نکات  | ۲۸        | شان نزول                          |
| ۳۷        | ۱۔ معروف اور منکر                                   | ۲۹        | موجودہ تورات اور گوشت کی حرمت     |
| ۳۷        | ۲۔ کیا امر بالمعروف ایک عقل حکم ہے                  | ۳۰        | آیت ۹۶، ۹۷                        |
| ۳۸        | ۳۔ امر بالمعروف اور نہی المنکر کی اہمیت             | ۳۱        | لوگوں کے لیے پہلا گھر             |
| ۵۰        | ۴۔ کیا امر بالمعروف طلب آزادی کا سبب ہے؟            | ۳۲        | ”بکرت“ سے کیا مراد ہے             |
| ۵۰        | ۵۔ کیا امر بالمعروف سے کوئی حرج تو پیدا نہیں ہوتا؟  | ۳۳        | مسجد الحرام کی توسیع              |
| ۵۰        | ۶۔ امر بالمعروف عقلی اور فطری نہیں                  | ۳۴        | غارت گری کی خصوصیات               |
| ۵۲        | آیت ۱۰۶، ۱۰۷  | ۳۵        | حج کی اہمیت                       |
| ۵۲        | نورانی اور تاریک چہرے                               | ۳۶        | آیت ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱              |
| ۵۳        | آیت ۱۰۸، ۱۰۹  | ۳۷        | شان نزول                          |
| ۵۴        | آیت ۱۱۰   | ۳۸        | نفاق ڈھلے دسے                     |
| ۵۵        | فتنہ و فساد کا مقابلہ کرنے اور دعوت حق کی یاد دہانی | ۳۹        | آیت ۱۰۲، ۱۰۳                      |
| ۵۶        | آیت ۱۱۳، ۱۱۴  | ۴۰        | شان نزول                          |
| ۵۶        | شان نزول  | ۴۱        | تقریبی اور پرہیزگاری کی دعوت      |
| ۵۸        | یہودیوں کی عبرت ناک داستان                          | ۴۱        | اتحاد کی دعوت                     |
| ۵۹        | آیت ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷                                   | ۴۲        | ”مبل اللہ“ کی تعبیر کا مقصد       |



| صفحہ نمبر | مضمون                                       | صفحہ نمبر | مضمون                               |
|-----------|---|-----------|-------------------------------------|
| ۸۶        | آیت ۱۳۷، ۱۳۸                                | ۵۹        | شان نزول                            |
| ۸۷        | گذشتہ لوگوں کی تاریخ کا مطالعہ              | ۶۱        | آیت ۱۱۶، ۱۱۷                        |
| ۸۷        | جہاں گردی                                   | ۶۳        | آیت ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰                   |
| ۸۹        | آیت ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳                 | ۶۴        | شان نزول                            |
| ۹۰        | شان نزول                                    | ۶۴        | اختیار کو راز دال نہ بناؤ           |
| ۹۰        | جنگ اُحد کے نتائج                           | ۶۶        | مسلمانوں کے لیے تنبیہ               |
| ۹۲        | پرورش و تربیت کا میدان                      | ۶۶        | آیت ۱۲۱، ۱۲۲                        |
| ۹۳        | کھوکھلی باتیں                               | ۶۸        | جنگ اُحد                            |
| ۹۳        | جنگ اُحد میں شکست کے اسباب کا مختصر جائزہ   | ۶۸        | اسباب جنگ                           |
| ۹۴        | آیت ۱۴۴، ۱۴۵                                | ۶۸        | جناب عباس کی بروقت اطلاع            |
| ۹۵        | شان نزول                                    | ۶۹        | مسلمانوں کی دفاعی تیاریاں           |
| ۹۵        | شخصیت پرستی کی ممانعت                       | ۷۰        | آغاز جنگ                            |
| ۹۷        | آیت ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸                           | ۷۱        | کون پکارا کہ اُحد قتل ہو گئے ہیں    |
| ۹۸        | گذشتہ زمانے کے مجاہدین                      | ۷۱        | آیت ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷         |
| ۱۰۰       | آیت ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱                           | ۷۱        | جنگ کا خطرناک مرحلہ                 |
| ۱۰۰       | بار بار خطرے سے آگاہی                       | ۷۴        | آیت ۱۲۸                             |
| ۱۰۱       | دشمن کا خوفزدہ ہونا کامیابی کا ایک راستہ ہے | ۷۵        | ایک اشتباہ اور اس کا ازالہ          |
| ۱۰۲       | آیت ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴                           | ۷۶        | آیت ۱۲۹                             |
| ۱۰۴       | کامیابی کے بعد شکست                         | ۷۶        | آیت ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲                   |
| ۱۰۶       | زمانہ جاہلیت کے دوسرے                       | ۷۷        | قرآنی آیات کا ایک دوسرے کے ساتھ ربط |
| ۱۰۷       | آیت ۱۵۵                                     | ۷۸        | سود غوری کی حرمت کے چند مراحل       |
| ۱۰۷       | ایک گناہ دوسرے گناہ کا سرچشمہ ہے            | ۷۹        | آیت ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶              |
| ۱۰۸       | آیت ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸                           | ۸۰        | سعادت کی راہ میں ایک دوسرے پر سماعت |
| ۱۰۹       | منافقیں کی مفاد پرستی                       | ۸۱        | کیا جنت و دوزخ اس وقت موجود ہیں     |
| ۱۱۰       | آیت ۱۵۹، ۱۶۰                                | ۸۲        | جنت اور دوزخ کہاں ہیں               |
| ۱۱۱       | عام معافی کا حکم                            | ۸۳        | پرہیزگاروں کی نشانیاں               |



| صفحہ نمبر | مضمون                         | صفحہ نمبر | مضمون                                     |
|-----------|-------------------------------|-----------|---|
| ۱۳۷       | پیغمبر کے لیے قتل             | ۱۱۲       | مشورہ کرنے کا حکم                         |
| ۱۳۸       | آیت ۱۷۸                       | ۱۱۳       | اسلام میں مشورہ کی اہمیت                  |
| ۱۳۸       | جن پر بھاری بوجھ ہے           | ۱۱۴       | بس سے مشورہ کیا جائے اس کی ذمہ داری       |
| ۱۳۹       | ایک سوال اور اس کا جواب       | ۱۱۵       | حضرت عمر کی مجلس شوریٰ                    |
| ۱۴۰       | ایک اور نکتہ                  | ۱۱۶       | ذکر کا نتیجہ                              |
| ۱۴۱       | آیت ۱۷۹                       | ۱۱۷       | آیت ۱۷۱                                   |
| ۱۴۱       | مسلمانوں کی تطہیر             | ۱۱۹       | آیت ۱۷۲، ۱۷۳                              |
| ۱۴۲       | آیت ۱۸۰                       | ۱۲۰       | جہاد میں شرکت نہ کرنے والے                |
| ۱۴۲       | قید و بند کا بھاری طوق        | ۱۲۱       | ایک مؤثر طریقہ تربیت                      |
| ۱۴۴       | آیت ۱۸۱، ۱۸۲                  | ۱۲۱       | آیت ۱۷۴                                   |
| ۱۴۵       | شان نزول                      | ۱۲۲       | خدا کی بہت بڑی نعمت                       |
| ۱۴۷       | آیت ۱۸۳، ۱۸۴                  | ۱۲۳       | آیت ۱۷۵                                   |
| ۱۴۸       | شان نزول                      | ۱۲۴       | جنگ اُحد پر ایک نگر                       |
| ۱۴۸       | یہودیوں کی بے وفائی           | ۱۲۵       | آیت ۱۷۶، ۱۷۷                              |
| ۱۴۹       | آیت ۱۸۵                       | ۱۲۵       | مختلف گروہوں کو الگ الگ پہچانا جانا چاہیے |
| ۱۵۰       | موت کا اعلیٰ قانون            | ۱۲۷       | آیت ۱۷۸                                   |
| ۱۵۱       | آیت ۱۸۶                       | ۱۲۷       | منافقین کی بے بنیاد باتیں                 |
| ۱۵۲       | شان نزول                      | ۱۲۸       | آیت ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱                         |
| ۱۵۲       | مناجیے اللہ پامردی سے شک دہاؤ | ۱۲۹       | زندہ ہاؤید                                |
| ۱۵۳       | آیت ۱۸۷                       | ۱۳۱       | روح کی بقا کا شاہد                        |
| ۱۵۴       | علاء کی عظیم ذمہ داری         | ۱۳۱       | شہیدوں کا اجر                             |
| ۱۵۵       | آیت ۱۸۸، ۱۸۹                  | ۱۳۲       | آیت ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴                         |
| ۱۵۶       | شان نزول                      | ۱۳۳       | غزوہ حمراد الاسد                          |
| ۱۵۶       | خود پسندی                     | ۱۳۵       | تربیت الہی کی فوری تاثیر                  |
| ۱۵۷       | آیت ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳        | ۱۳۵       | آیت ۱۸۵                                   |
| ۱۵۸       | آیات کی اہمیت                 | ۱۳۶       | آیت ۱۸۶، ۱۸۷                              |





| صفحہ نمبر | مضمون                                   | صفحہ نمبر | مضمون                                    |
|-----------|---|-----------|--|
| ۱۸۸       | ٹٹی و غلات دربار                        | ۱۹۰       | خدا شناسی کا روشن ترین راستہ             |
| ۱۸۹       | بیویوں سے عدالت کا مفہوم                | ۱۹۳       | آیت ۱۹۵                                  |
| ۱۹۰       | تعدد ازواج ایک اجتماعی ضرورت            | ۱۹۴       | شان نزول                                 |
| ۱۹۲       | ایک بھول اور اس کا جواب                 | ۱۹۵       | اہل خرد کے اعمال کا نتیجہ                |
| ۱۹۳       | آیت ۴                                   | ۱۹۶       | مرد اور عورت کی روحانی قدر و قیمت        |
| ۱۹۴       | حق مہر عورت کے لیے ایک معاشرتی سہارا ہے | ۱۹۶       | آیت ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸                        |
| ۱۹۶       | آیت ۶، ۷                                | ۱۹۶       | شان نزول                                 |
| ۱۹۷       | سفیہ کے کہتے ہیں                        | ۱۹۸       | ایک تکلیف دہ سوال                        |
| ۱۹۹       | چند اہم نکات                            | ۱۹۹       | قوت اور ضعف کے پہلو                      |
| ۲۰۰       | آیت ۷                                   | ۲۰۰       | آیت ۱۹۹                                  |
| ۲۰۱       | شان نزول                                | ۲۰۱       | شان نزول                                 |
| ۲۰۲       | عورت کی حفاظت کے لیے ایک اور قدم        | ۲۰۱       | سب اہل کتاب ایک جیسے نہیں                |
| ۲۰۳       | آیت ۸                                   | ۲۰۲       | آیت ۲۰۰                                  |
| ۲۰۳       | ایک اخلاقی حکم                          | ۲۰۳       | ایک سوال اور اس کا جواب                  |
| ۲۰۴       | آیت ۹                                   | ۲۰۴       | سورۃ نساء                                |
| ۲۰۴       | یتیموں پر لطف و کرم کی بارش             | ۲۰۴       | چند اہم نکات                             |
| ۲۰۵       | ایک ضروری وضاحت                         | ۲۰۵       | ۱۔ سورہ نساء کا محل نزول                 |
| ۲۰۶       | آیت ۱۰                                  | ۲۰۶       | ۲۔ اسی سورہ کے اہم موضوعات               |
| ۲۰۶       | ہمارے اعمال کا باطنی چہرہ               | ۲۰۶       | ۳۔ اسی سورہ کی تلاوت کی فضیلت            |
| ۲۰۸       | آیت ۱۱، ۱۲                              | ۲۰۸       | آیت ۱                                    |
| ۲۰۹       | شان نزول                                | ۲۰۸       | طبقاتی تقسیم اور گروہ بندی کے خلاف جہاد  |
| ۲۱۰       | میراث ایک فخری حق ہے                    | ۲۰۹       | حضرت آدمؑ کے بھول کی شادیاں کس طرح ہوئیں |
| ۲۱۱       | میراث گدہ مشدہ اقوام عالم میں           | ۲۱۰       | آیت ۲                                    |
| ۲۱۳       | ایک سوال اور اس کا جواب                 | ۲۱۱       | شان نزول                                 |
| ۲۱۴       | مرد کی میراث عورت سے دو گنی کیوں        | ۲۱۳       | آیت ۳                                    |
| ۲۱۴       | مال باپ کی میراث                        | ۲۱۴       | شان نزول                                 |





| صفحہ نمبر | مضمون   | صفحہ نمبر | مضمون  |
|-----------|---|-----------|--|
| ۲۲۷       | نکاح موقت ایک اجتماعی ضرورت                         | ۲۱۵       | ایک سوال اور اس کا جواب                        |
| ۲۲۸       | نکاح موقت پر کیے اعترافات کا جواب                   | ۲۱۶       | میراث وصیت اور قرض کے بعد ہے                   |
| ۲۲۹       | رسل اور نکاح موقت                                   | ۲۱۷       | میراث میں میاں بیوی کا ایک دوسرے سے حصہ        |
| ۲۵۰       | آیت ۲۵  | ۲۱۷       | بھائیوں اور بہنوں کی میراث                     |
| ۲۵۱       | کینزوں سے نکاح                                      | ۲۱۸       | چند اہم نکات                                   |
| ۲۵۲       | حصہ سے یہاں کیا مراد ہے                             | ۲۱۹       | آیت ۱۳، ۱۴                                     |
| ۲۵۲       | آیت ۲۸، ۲۷، ۲۶                                      | ۲۲۱       | اسلامی قانون میراث کی خصوصیات                  |
| ۲۵۵       | یہ پابندیاں کس بنا پر ہیں                           | ۲۲۲       | مول اور تعصیب کے کہتے ہیں                      |
| ۲۵۶       | آیت ۲۹، ۳۰  | ۲۲۳       | آیت ۱۵، ۱۶                                     |
| ۲۵۷       | معاشرے کی سلامتی کا دار و مدار اقتصادی سلامتی پر ہے | ۲۲۶       | اسلام کے تعزیری قوانین کا سہل اور مستقیم طریقہ |
| ۲۵۹       | آیت ۳۱  | ۲۲۷       | آیت ۱۷، ۱۸                                     |
| ۲۵۹       | گناہان کبیرہ و صغیرہ                                | ۲۲۸       | قبولیت تو بہ کے لیے شرطیں                      |
| ۲۶۰       | ایک اشکال اور اس کی وضاحت                           | ۲۳۱       | آیت ۱۹   |
| ۲۶۱       | گناہ صغیرہ کس طرح گناہ کبیرہ میں تبدیل ہو جاتا ہے   | ۲۳۲       | شان نزول                                       |
| ۲۶۲       | آیت ۳۲  | ۲۳۲       | حقوق نسواں کا دوبارہ دفاع                      |
| ۲۶۲       | شان نزول  | ۲۳۳       | آیت ۲۰، ۲۱                                     |
| ۲۶۲       | یہ تفاوت و اختلاف کیوں ہے                           | ۲۳۴       | شان نزول                                       |
| ۲۶۵       | آیت ۳۳  | ۲۳۵       | آیت ۲۲   |
| ۲۶۷       | آیت ۳۴  | ۲۳۶       | شان نزول                                       |
| ۲۶۸       | گھر و نظام میں سرپرستی                              | ۲۳۷       | آیت ۲۳   |
| ۲۶۹       | نافران عورتیں                                       | ۲۳۸       | محرم سے نکاح کی حرمت                           |
| ۲۷۰       | ایک اشکال اور اس کا جواب                            | ۲۳۹       | محرم رضائی کی حرمت کا غلط                      |
| ۲۷۱       | آیت ۳۵  | ۲۴۱       | پارہ پنجم                                      |
| ۲۷۱       | قائدان کی معافی عدالت                               | ۲۴۱       | آیت ۲۴   |
| ۲۷۲       | آیت ۳۶  | ۲۴۲       | اسلام میں وقتی شادی                            |
| ۲۷۷       | آیت ۳۷، ۳۸، ۳۹                                      | ۲۴۲       | کیچم نسوخت ہو چکا ہے                           |



| صفحہ نمبر | مضمون                              | صفحہ نمبر | مضمون                            |
|-----------|------------------------------------|-----------|----------------------------------|
| ۳۰۳       | عائدان جہانم                       | ۲۷۸       | دکھلا دیا اور رضائے الہی         |
| ۳۰۶       | آیت ۵۷، ۵۸                         | ۲۸۰       | آیت ۴۰                           |
| ۳۰۷       | ایک سوال اور اس کا جواب            | ۲۸۰       | دور کیا چیز ہے                   |
| ۳۰۸       | آیت ۵۸                             | ۲۸۱       | آیت ۴۱، ۴۲                       |
| ۳۰۹       | شان نزول                           | ۲۸۲       | آیت ۴۳                           |
| ۳۰۹       | دواہم اسلامی قانون                 | ۲۸۵       | چند فقہی احکام                   |
| ۳۱۱       | اسلام میں امانت اور وراثت کی اہمیت | ۲۸۵       | نیشہ کی حالت میں نماز کی حرمت    |
| ۳۱۲       | آیت ۵۹                             | ۲۸۶       | حالت جنابت میں نماز کا باطل ہونا |
| ۳۱۲       | ادولہ امر کرن ہی                   | ۲۸۷       | چند اہم نکات                     |
| ۳۱۵       | ایک قابلِ توجہ بات                 | ۲۸۸       | تیمم کا فلسفہ                    |
| ۳۱۶       | چند سوالات کا جواب                 | ۲۸۹       | آیت ۴۴، ۴۵                       |
| ۳۱۷       | امادیت کی گواہی                    | ۲۹۰       | آیت ۴۶                           |
| ۳۱۹       | آیت ۶۰                             | ۲۹۱       | یہودیوں کے کردار کا ایک رخ       |
| ۳۱۹       | شان نزول                           | ۲۹۲       | آیت ۴۷                           |
| ۳۲۰       | طاہریت کا فیصلہ                    | ۲۹۲       | ہمس دھرم افراد کی سرفروخت        |
| ۳۲۰       | آیت ۶۱، ۶۲، ۶۳                     | ۲۹۳       | آیت ۴۸                           |
| ۳۲۱       | طاہریت کے فیصلے کا نتیجہ           | ۲۹۴       | اُمیہ سے معصومیت                 |
| ۳۲۲       | آیت ۶۴                             | ۲۹۵       | گنہگاروں کی بخشش کے اسباب        |
| ۳۲۵       | آیت ۶۵                             | ۲۹۶       | آیت ۴۹، ۵۰                       |
| ۳۲۵       | شان نزول                           | ۲۹۷       | شان نزول                         |
| ۳۲۶       | حق کے سامنے تسلیم کرنا             | ۲۹۸       | خود ستائی                        |
| ۳۲۷       | آیت ۶۶، ۶۷، ۶۸                     | ۲۹۹       | آیت ۵۱، ۵۲                       |
| ۳۲۹       | آیت ۶۹، ۷۰                         | ۳۰۰       | شان نزول                         |
| ۳۲۹       | شان نزول                           | ۳۰۱       | سارشی لوگ                        |
| ۳۳۰       | جنت کے ساتھی                       | ۳۰۲       | جنت و طاہریت                     |
|           |                                    |           | آیت ۵۳، ۵۴، ۵۵                   |



۹۲ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝

ترجمہ

۹۲۔ تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہوگا۔

تفسیر

ایمان کی ایک نشانی

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ فقہ ہر عربی زبان میں وصت کا ہم معنی ہے یہی وسیع صراحت ہے کہ ہر ایک شے کے ساتھ کہا جاتا ہے اور اسی مناسبت سے ان ایک کاموں کو ہر باقی چیز کے ساتھ کہتے ہیں جن کا ثمرہ و نتیجہ عام اور وسیع ہو اور ہر ایک ایک چیز پر اور غیرہ کے درمیان نفرت و حرب کے لحاظ سے بے فرق ہے کہ ہر وہ نیک کام ہوتا ہے جو توجہ اور قصد اختیار کے ساتھ ہو لیکن تنزیہ ہر قسم کی نیکی کے لیے استعمال ہوتا ہے خواہ وہ کسی توجہ اور اعتدات کے بغیر کی گئی ہو۔

مندرجہ بالا آیت میں فرمایا گیا ہے تم لوگ اس وقت تک ”برہ“ اور نیکی کی حقیقت کو نہیں پاسکتے جب تک اس چیز میں سے ماہ خدا میں خرچ نہ کرو جس سے تم بہت کہتے ہو۔

اس آیت میں فقہ ہرہ کے تحتی مغربی حضرات نے تفصیلی نظر کی ہے جس نے اس کا معنی بہت بتایا ہے اور بعض کے نزدیک یہ تقویٰ اور پرہیزگاری کا ہم معنی ہے جب کہ ایک خمر مغربی نے اس سے نیک بڑا مراد لی ہے۔ لیکن قرآنی آیات سے جو مفہوم ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک وسیع معنی میں ہے جس میں تمام نیکیاں خواہ ایمان ہو یا پاک عمل شامل ہیں، جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۷ سے معلوم ہوتا ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَآلِ الْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَهَامَ الْفَسْلُوةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالْفِتْرَاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

یعنی — نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق و مغرب کی طرف پھیرو۔ نیک نہ تو وہ ہیں جو اللہ اور آدم خرت، بلکہ کتاب و راہیاد پر ایمان لائے اور اہل نعل کی محبت میں رشتہ داروں، یتیموں اور یتیموں کو (اپنا) مال دیا اور اسی طرح مسافروں کے لیے، سوال کرنے والوں کے لیے اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے اپنا مال خرچ کیا، غارت خانوں کی لڑائی اور جنگ کی اور جب وہ عہد کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں اور وہ فقر و بیماری اور جنگ



میں مہر کہنے والے ہیں۔ یہی لوگ راستہ باز اور پرہیزگار ہیں۔

مذکورہ بالا آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پروردگار عالم روز جزاء اور انبیاء و مرسلین پر ایمان لانا، عاجز مندوں کی مدد کرنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، عہد پر اکرنا اور مشکلات و حوادث کا استقامت اور پامردی سے مقابلہ کرنا یہ سب بڑے شے شملہ ہوتے ہیں۔  
 بنا برائیں حقیقی نیک لوگوں کا مقام حاصل کرنے کے لیے بہت سی شرائط ہیں ان میں سے ایک شر جان اصول میں سے راہ خدا میں غریب کرنا ہے جن سے انسان کا دلی لگاؤ ہو کیونکہ خدا کے ساتھ حقیقی مشق و محبت اور اصول انسانیت و اخلاق کا احترام اس وقت ہی ہوتا ہے جب انسان ایک ایسے دور رہے پر کھڑا ہو جہاں ایک طرف مل و ثروت یا مقام و منصب ہو جو کہ انسان کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور اس کے مقابلے میں دوسری طرف خدا حقیقت و انسانی ہمدردی اور نیکو کاری ہو۔ اگر اس نے پہلی جانب سے صرف نظر کرتے ہوئے دوسری جانب کو اختیار کیا تو اس سے اس کے مشق اور لگاؤ کا علم ہو سکتا ہے۔

### آیات قرآنی کا مسلمانوں کے دلوں پر اثر

قرآن کریم کی آیات کا مسلمانوں کے دلوں پر اتنا گہرا اثر ہوتا تھا کہ آیات کے نازل ہوتے ہی ان کے اثرات ظاہر ہو جاتے تھے۔ اسی ضمن میں مذکورہ آیت کے متعلق تفسیر و تفسیروں میں یہ واقعات لکھے گئے ہیں:

۱۔ ایک صحابی رسول ابو طلحہ انصاری کے متعلق کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں اس کا گھروں کا ایک بہت ہی صاف ستھرا اور خوبصورت باغ تھا۔ پوسے مدینہ میں اس کا چرچا تھا۔ اس باغ میں صاف و شفاف پانی کا ایک پٹر بھی تھا۔ جس وقت پیغمبر اکرمؐ اس باغ میں تشریف لاتے تو وہ پانی نوش فرماتے اور اس سے چوبھرتے۔ ان تمام خبریں آیات کے علاوہ ابو طلحہ اس سے بہت زیادہ آمدنی حاصل کرتا تھا۔  
 آیت بر کے نازل کے بعد وہ آنحضرتؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ میرے احوال میں سے میرے نزدیک زیادہ محبوب صرف یہ باغ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے راہ خدا میں خرچ کر دوں تاکہ یہ میرے لیے خوشخامت بنے لیکن کوئی نے ارشاد فرمایا:

بِیْخِ بَيْخٍ ذَلِكُ مَا لَكَ ابْخٍ لَكَ ۔

آخرین۔ آخرین تجھ پر یہی ثروت ہے کہ جو تیرے لیے نفع مند ہوگی۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا میرا مشورہ ہے کہ اسے اپنے رشتہ داروں کو دے دو۔ ابو طلحہ نے آپؐ کے حکم کی تعمیل کی اور اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا۔

۲۔ ایک ابن ابوزر کے ہاں ایک مہمان آیا ابو ذر اتھابی سا وہ زندگانی بسر کرتے تھے۔ انہوں نے مہمان سے معذرت طلب کی کہ میں اپنی بہن کی وجہ سے خود تیری پذیرائی نہیں کر سکتا میرے چند اونٹ غلام مقام پر موجود ہیں مذمت کر کے ان میں سے ایک بہترین اونٹ لے آؤ تاکہ اسے تمہارے لیے ٹھکر کروں۔ وہ ایک کمزور اونٹ لے آیا۔ جناب ابو ذر نے اس سے کہا کہ تو نے میرے ساتھ خیانت کی، یہ اونٹ کس لیے لے کر آئے ہو؟ اس نے جواب دیا میں نے یہ سوچا کہ دوسرے اونٹوں کی بھی آپؐ کو ضرورت پڑے گی۔ تو ابو ذر نے کہا کہ مجھے



ان کی اس وقت کے لیے ضرورت ہے جب میری آنکھیں اس جہان غالی سے بند ہوں گی، کیا ہی اچھا ہے کہ اس دن کے لیے سامان کمال۔  
خدا فرماتا ہے کہ،

لَنْ تَمْلُوكَ الْبَرَحَ تَنْفَقُوا مَقَاتِلَ حَتَّوْنَ

۳ ہاں ان شیعہ کی مذہب پریدہ کے پاس قرآن مجید کا ایک بہترین تفسیر تھا جو زرد و جواہرات سے مزین و مزیع تھا اور وہ اس کو بہت پسند کرتی تھی۔ ایک مذہب پر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے جب آیت "لَنْ تَمْلُوكَ الْبَرَحَ" پر پہنچی تو آیت پڑھتے ہی وہ درطبع میرٹ میں پڑ گئی اور پٹنہ میں نیل کرنے لگی کہ اس قرآن مجید سے میرے نزدیک کوئی چیز بہتر نہیں ہے لہذا اسے راہِ خدا میں خرچ کرنا چاہیے اس نے جواہرِ ثمن کو بولا کہ اس کی زیب و زینت کی چیزیں اور جواہرات فروخت کر دینے اس کی قیمت سے مجاہد کے بیابانوں میں بادیشینوں کے لیے پانی پیدا کیا۔

کہا جاتا ہے کہ آج بھی ان میں سے کچھ کنوئیں موجود ہیں اور اسی کے نام سے منسوب ہیں۔

۴۳ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَآئِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآئِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَةُ قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ○

۴۴ فَمَنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكُذْبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○

۴۵ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَآهِمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○

ترجمہ

۴۳ تمام (پاک) غذائیں بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں سوائے ان کے جنہیں اسرائیل (یعقوب) نے تورات کے نزول سے پہلے اپنے لیے حرام قرار دیا تھا (مثل کے طور پر اونٹ کا گوشت جو ان کے لیے ضرور حرام تھا) ان سے کہو اگر تم اپنے اعتراض میں، سچے ہو تو لاؤ تورات اور اسے پڑھو اور غلط باتیں جو تم گذشتہ انبیاء کی طرف منسوب کرتے ہو تمہاری تحریف شدہ تورات میں بھی نہیں ہیں۔



۹۴ اس کے بعد بھی جو لوگ اپنی گھڑی ہوئی جھوٹی باتیں خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں (اور وہ جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں) وہی درحقیقت ظالم ہیں۔

۹۵ کہہ دو، اللہ نے پہنچ فرمایا (اور یہ ابراہیم کے پاک دین میں نہیں تھا) لہذا تم کیٹو ہو کر ابراہیم کے آئین کی پیروی کرو جو حق پسند تھے اور یقیناً ابراہیم شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔

### شان نزول

- ۱ مفسرین کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودیوں نے پیغمبر اکرمؐ پر خصوصیت کے ساتھ دو اعتراض کیے تھے، پیغمبر اسلامؐ نے اونٹ کے گوشت اور دودھ کو حرام کیوں قرار نہیں دیا جبکہ یہ نہ صرف ابراہیمؑ بلکہ حضرت نوحؑ کے دین میں بھی حرام تھے اور ان کی پیروی کرتے ہوئے یہودی بھی اسے حرام سمجھتے تھے۔
- ۲ رسول اسلامؐ کیونکر گدشتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیمؑ کے وفادار ہو سکتے ہیں حالانکہ تمام پیغمبریت المقدس کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ لیکن نئی مرتبت نے اس کی ہائے کہہ کر قبول کر لیا۔
- مندرجہ بالا آیات میں ان کی پہلی بات کا جواب دیا گیا ہے اور متحدہ آیات ان کے دوسرے اعتراض کا جواب دیں گی۔

### تفسیر

کل الطعام کلن حلالا لیسى اسرائیل الا ما حرم اسرائیل من قبل ان تنزل التوراة  
مندرجہ بالا آیت مکمل وضاحت کے ساتھ یہودیوں کے ان خیالات کو رد کرتی ہے جو وہ کھانے کی پاک اور حلال اشیاء (مثلاً اونٹ کا دودھ اور گوشت) کے متعلق رکھتے تھے۔

یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ابتداء میں یہ تمام اشیاء بنی اسرائیل کے لیے حلال و جائز تھیں مگر ان اشیاء کے بن کر اسرائیل (یہ حضرت یعقوبؑ کا دوسرا نام تھا) نے اپنے اوپر حرام قرار دی تھیں۔ اس آیت میں اس بات کی نشاندہی نہیں کی گئی کہ حضرت یعقوبؑ نے کونسی غذا کس سبب سے حرام قرار دی تھی لیکن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ اونٹ کا گوشت کھاتے تو آپ پر عرق انشاء کا شدید حملہ ہوتا۔ لہذا انہوں نے اس غذا سے ہمیشہ کے لیے اجتناب کرنے کا ارادہ کر لیا اور آپ کی اتباع میں آپ کے پیروکاروں نے بھی اس سے اجتناب کیا اور یہ بات ان کے افغان میں پہنچنے ہو گئی لہذا انہوں نے اسے حرام سمجھا اور اسے ایک دینی حکم کی طرح خدا کی طرف منسوب کیا۔ قرآن کریم کی مذکورہ آیت نے ان کے اس خیال کو غلط قرار دیا اور یہ واضح کیا کہ یہ صرف ان کی تہمت ہے۔

لے مرق انشاء ایک اجمالی مرض ہے اس کی وجہ سے کمر اور پاؤں کے مصاب میں تکلیف ہوتی ہے جس سے بعض اوقات انسان ہل پھر نہیں سکتا۔





اس آیت کے دوسرے حصہ من قبل انت متخذ التوراة سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ تورات سے پہلے کوئی پاکیزہ غذائی اسرائیل پر حرام نہ تھی۔ البتہ تورات کے نازل ہونے اور حضرت موسیٰ کی آمد کے بعد یہودیوں کے نظم و ستم کے نتیجہ میں کچھ پاک چیزیں ان پر حرام کر دی گئیں۔

قل هنا متوا بالتوراة فانتو هان كنتم صدقین

اس جملے میں خداوند عالم نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ وہ یہودیوں کو دعوت دیں کہ وہ اسی موجودہ تورات کو لے آئیں اور اسے کھول کر پڑھیں تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ان اشیاء کی حرمت کے بارے میں ان کا دعویٰ غلط ہے۔ لیکن وہ اس بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اس لیے کہ انہیں یقین تھا کہ تورات میں اس قسم کی کوئی بات موجود نہیں ہے اور یہ صرف ان کی تہمت ہے۔

فمن افترى على الله الكذب من بعد ذلك فلنكونن من الظالمين

جب وہ لوگ تورات کو لانے پر آمادہ نہ ہوئے اور خدا پر ان کا پستان باندھنا مسلم ہو گیا تو اس آیت میں انہیں خبردار کیا گیا کہ جو لوگ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ ظالم و فاجر ہیں۔ ایک حرف وہ اپنے آپ کو خدا کی سزا اور عذاب میں گرفتار کر کے اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ جھوٹ اور کفر و فریب سے اور لوگوں کو بھی سیدھی راہ سے بھٹکا کر دوسروں پر ظلم کرتے ہیں۔

### موجودہ تورات اور گوشت کی حرمت

موجودہ تورات سفرہ لادیان میں رومیٰ فصل میں طلال و حرام گوشت کے بارے میں اس طرح کا حکم موجود ہے:

جنگالی کرنے والے اور پھٹے ہوئے نم والے جانوروں کو نہ کھاؤ اور اونٹ، باجوہ و دیگر وہ جنگالی کتاب ہے مگر اس کا ٹھپٹا ہوا نہیں ہے، وہ تمہارے لیے حرام ہے۔

مذکورہ جملوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودی اونٹ کا گوشت اور باقی پھٹے ہوئے نم والے جانوروں کو حرام مانتے تھے۔ لیکن دین ابراہیم اور نوح میں ان کی حرمت پر کسی قسم کی دلیل نہیں تھی۔ لیکن یہ چیزیں ان مذاہب میں سے ہوں جو یہودیوں پر سزا کے طور پر حرام کی گئی ہوں۔

قل صدق الله فاتبعوا حلف ابراهيم حنيفا وما كان من المشركين

جب تم نے دیکھ لیا کہ میں اپنی دعوت میں سچا اور درست گو ہوں تو تم میرے دین کی پیروی کرو جو کہ ابراہیم کا پاک ادب و آلائش دین ہے۔ کیونکہ وہ ضعیف تھا یعنی باطل ادیان کو چھوڑ کر حق کی طرف مائل تھا اور اس کے احکام میں پاک غذاؤں کے متعلق ایک حکم بھی انحرافی اور بے دلیل نہیں تھا اور وہ سب گمراہی میں سے نہیں تھا اور یہ جو مشرکین عرب اپنے آپ کو دین ابراہیم کا پیرو سمجھتے ہیں بالکل لغو اور بے معنی ہے۔ بت پرست کہاں اور بت شکن کہاں۔

توجہ طلب امر یہ ہے کہ قرآن میں متعدد مقامات پر اس جملہ کو دہرایا گیا ہے کہ ابراہیم مشرکین میں سے نہیں تھے۔ کیونکہ پہلے ہی اشارہ کیا گیا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے بت پرست اپنے آپ کو دین ابراہیم کا پیرو سمجھتے تھے اور وہ اس دعویٰ میں اتنے سخت تھے کہ دوسرے لوگ خفاہ و ابراہیم کے پیرو کھرا کے طور پر ان کا تعارف کر لیتے تھے۔ اس لیے قرآن بابر اس بات کی نفی کرتا ہے۔





۹۶ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى  
لِّلْعَالَمِيْنَ ۝

۹۷ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ؕ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَ لِلّٰهِ  
عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ  
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفِيْرٌ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝

ترجمہ

۹۶ پہلا گھر جو لوگوں کا اور خدا سے تضرع و خضوع کے لیے مقدر کیا گیا ہے وہ سرزمینِ مکہ میں ہے جو بابرکت ہے اور دنیا کے لیے ہدایت  
رہبر کی سبب ہے۔

۹۷ اس میں واضح و آشکار نشانیاں ہیں۔ ان میں سے مقامِ ابراہیم ہے اور جو شخص اس میں داخل ہو وہ امان میں ہے اور جو لوگ اس کی  
طرف جانے کی قدرت رکھتے ہیں ان پر واجب ہے کہ وہ خدا کے لیے اس کے گھر کی زیارت کریں اور جو کوئی کفر کرے (حج  
ترک کرے)۔ اس نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا، تو پھر خدا تو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

تفسیر

لوگوں کے لیے پہلا گھر

ان اول بیت وضع للناس للذي ببكة مبارکاً

جیسا کہ گذشتہ آیات کے ضمن میں کہا جا چکا ہے کہ یہودیوں کو پیغمبرِ اسلام پر دو اعتراض تھے جن میں سے پہلے کا جواب ان آیات میں  
دیا گیا ہے۔ دوسرا اعتراض ان کو یہ تھا کہ بیت المقدس کو خانہ کعبہ پر برتری حاصل ہے۔ اس کا جواب مندرجہ بالا آیات میں دیا جا رہا ہے  
آیت بتلا رہی ہے کہ اگر کعبہ کو مسلمانوں کے قبل کی حیثیت سے منتخب کیا گیا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ چونکہ وہ نئے  
پروردگار نے دالا یہ خدا کا پہلا گھر اور سب سے پہلی عبادت گاہ ہے۔ اس سے قبل دعا اور پروردگارِ عالم کی عبادت کا کوئی مرکز نہیں  
تھا۔ صرف یہی ایسا گھر ہے جو انسانی معاشرہ کے لیے ایسے نقطہ پر وجود میں لایا گیا ہے جو اجماعیت کا مرکز ہے اور بابرکت مقام ہے۔  
اسلامی تاریخ کے معاصر بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ خانہ کعبہ حضرت آدم کے ہاتھ کا بنا ہوا ہے۔ جب طوفانِ نوح



میں اسے کچھ نقصان پہنچا تو حضرت ابراہیمؑ نے اسے از سر نو تعمیر کیا۔ بنا بریں قبل کی حیثیت سے اس پہلے خانہ توحید کا انتخاب دوسرے ہر مقام سے زیادہ مناسب ہے۔ البتہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس آیت میں خانہ کعبہ بس کا دوسرا نام بیت اللہ ہے کا تعارف لوگوں کے گھر کے طور پر کر دیا گیا ہے۔ اس تفسیر سے یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ جو کچھ خدا کے نام پر ہے اور اس کے لیے ہے اسے لوگوں اور ان کے بندوں کی خدمت کے لیے استعمال کرنا چاہیے اور جو کچھ بندگان خدا کی خدمت کے لیے ہے وہ خدا کے لیے ہے۔

اس آیت سے طبعی طور پر خدا کے اسلامی پروگراموں میں سبقت کھانے کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ اسی لیے تو آیت بالا میں خانہ کعبہ کی پہلی فضیلت اس کا سب سے پہلا ہونے کو قرار دیا گیا ہے۔ یہیں سے جبرائیلؑ کے احترام کے بارے میں جوہنے والے اعتراض کا جواب بھی واضح ہو جاتا ہے کیونکہ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس پتھر کے کونے کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے کہ مارا سال کی لاکھ انسان اس کا بوسہ لینے اور اسے مس کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت دے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کام کو ایک تاکید بنی سبقت کے طور پر کیوں خانہ کعبہ کی زیارت کے پروگرام میں شامل کیا گیا، لیکن اس پتھر کی مختصر تاریخ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اس میں ایک ایسی خصوصیت ہے جو پوری دنیا کے کسی پتھر میں پیدا نہیں ہو سکتی اور وہ یہ کہ یہ ایک انتہائی مابقی ترین چیز ہے جو عبادتی مصالح کے طور پر عبادت میں نصب کی گئی ہے۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ منورستی کی تمام عبادت گاہوں میں یہاں تک کہ خانہ کعبہ کی بھی بار بار از سر نو تعمیر ہوتی ہے اور جو مصالح ان کی تعمیر میں لگائے گئے وہ تبدیل ہو گئے صرف یہی پتھر کا ٹکڑا ہے جو ہزار ہا سالوں کے گزرنے کے باوجود ابھی تک اس قدیم ترین عبادت گاہ میں اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اس لیے دراصل اس کی اہمیت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ خدا کی ماہ میں اور لوگوں کی خدمت میں سب سے قدیم ہے۔

علامہ ابن عربیؒ یہ پتھر مختلف زبانوں کے عربیوں کی بے شمار سنوں کی ایک خاموش تاریخ ہے۔ یہ پتھر عظیم انبیاء اور خدا کے خاص بندوں سے وابستگی کی یاد کو زندہ کرتا ہے جنہوں نے اس کے پاس کھڑے ہو کر خدا کی بارگاہ میں دعا اور تضرع و زاری کی۔

اس مقام پر ایک اور قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ گذشتہ آیت یہ بتلا رہی ہے کہ یہ سب سے پہلا گھر ہے جو لوگوں کے لیے بنایا گیا۔ یہ واضح ہے کہ اس سے مقصود عبادت پرستش کا پہلا گھر ہے۔ لہذا اس آیت سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ اس سے پہلے ہائش کے کچھ گھر زمین میں موجود ہوں اور یہ تعمیر ان لوگوں کا واضح جواب ہے جو تفسیر انسان کے نوعیت کی طرح ایتھتے ہیں کہ خانہ کعبہ سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں بنا ہے اور وہ حضرت آدمؑ کے ہاتھ سے بننے کو ایک افسانہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سلسلہ ہے کہ ابراہیمؑ سے قبل بھی عبادت گاہ اور پرستش کی جگہ موجود تھی اور ان سے پہلے حضرت نوحؑ کی طرح دیگر انبیاء اس سے استفادہ کرتے تھے۔ اس بنا پر یہ کیسے ممکن ہے کہ خانہ کعبہ جو کہ دنیا کا سب سے پہلا عبادت خانہ ہے حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں سب سے پہلے بنا ہو۔

نکتہ سے کیا مراد ہے ؟

بکہ اصل میں "بک" (بروزن) ملک کے مادہ سے اڑھام اور اجتماع کے معنی میں ہے اور خانہ کعبہ یا وہ زمین جس میں خانہ کعبہ موجود ہے اسے "بکہ" یہاں لوگوں کے اڑھام اور اجتماع کی وجہ سے کہا جاتا ہے یہ بھی بعید نہیں کہ پہلے اس کا یہ نام نہ ہو لیکن جب یہ عبادت کے لیے قائم ہو چکا ہو اسے یہ نام دیا گیا ہو۔ حضرت امام صادق علیہ السلام سے ایک روایت میں منقول ہے کہ کمر پور سے شہر کا نام ہے اور کہ اس مقام کو کہا جاتا ہے جہاں خانہ کعبہ بنا ہوا ہے۔



بعض مفسرین نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ بکر و راسل مکربہ ہے اور اس کی جیم، یہاں، بادہ سے بدل گئی ہے جیسے "لازم" اور "لا نایب" دونوں عربی زبان میں ایک ہی تہی میں استعمال ہوتے ہیں۔

خانہ کعبہ اور اس کی زمین کو بکر کے ساتھ موسوم کرنے کے سلسلہ میں ایک اور وجہ بھی بیان کی جاتی ہے اور وہ یہ کہ اس لفظ کا معنی ہے نخوت و مغرور کو اور کرنا۔ چونکہ اس عظیم مرکز میں ہر قسم کے امتیازات یکسر ختم ہو جاتے ہیں اور سرکش و مغرور لوگوں کو بھی یہاں عام لوگوں کی طرح تضرع و زاری کے لیے کھڑا ہونا چاہیے اسی طرح ان کا تکبر و مغرور ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لیے اس مقام کو بکر کہا جاتا ہے۔

### مسجد الحرام کی توسیع

پندرہ اسلام کے زمانے سے نئے کربس قدر سلمان جڑتے گئے تو غزری طور پر خانہ کعبہ کے زائرین کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ لہذا حکام وقت کی طرف سے مسجد الحرام کی بھی توسیع ہوتی رہی۔

تفسیر میاشی میں منقول ہے کہ عباسی خلیفہ منصور کے زمانے میں حجاج کی کثرت کی بنا پر پروگرام بنایا گیا کہ ایک دفعہ پھر مسجد الحرام کو وسیع کیا جائے۔ خلیفہ نے ان لوگوں کو بلایا جن کے گھر کعبہ کے ارد گرد تھے تاکہ ان کے گھر خرید لیے جائیں لیکن وہ کسی قیمت پر بھی نہیں بیچنے کے لیے تیار نہ ہوئے منصور بڑی شکل میں گردن ہما کیونکہ ایک طرف وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ طاقت کے زور سے ان کے گھر خراب کرے کیونکہ اس کا اچھا اثر نہ ہوتا اور دوسری طرف وہ لوگ اپنے گھر بیچنے کے لیے تیار بھی نہ تھے ماں بیٹے میں اس نے حضرت امام صادق سے استفسار کیا آپ نے فرمایا کہ اس بارے میں چنداں فکر کی ضرورت نہیں اس ضمن میں واضح دلیل موجود ہے جس سے تم استدلال کر سکتے ہو۔ اس نے پوچھا وہ کونسی دلیل ہے۔ فرمایا کام خدا۔ پوچھنے لگا کلام الہی میں کہاں سے استدلال لایا جاسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ آیت "ان اول بیت وضع للناس للذي ببكة" سے استدلال کیا جاسکتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ خانہ کعبہ ہے۔ اس لیے اگر خانہ کعبہ سے پہلے ان کے گھر یہاں موجود ہوتے تو خانہ کعبہ کے اطراف ان کی ملکیت میں ہوتے لیکن اگر خانہ کعبہ ان سے پہلے ہے تو یہ حریم (جہاں تک خانہ کعبہ کے زائرین کی ضرورت ہے) کعبہ سے تعلق رکھتا ہے۔ منصور نے ان لوگوں کو بلوا کر ان کے سامنے اسی انداز سے استدلال کیا وہ یقین کر و جواب ہو گئے اور کہنے لگے جس طرح آپ کی مرضی ہو ہم آپ کی موافقت کریں گے۔

اسی تفسیر میں یہ بھی منقول ہے کہ اس قسم کا واقعہ مجددی عباسی کے دور میں پیش آیا۔ اس نے اسی دور کے خلیفہ جبریل بن سب نے کہا کہ اگر گھروں کے مالک اس پر راضی نہ ہوں تو خصب شدہ جگہ کو مسجد الحرام میں داخل کرنا مناسب نہیں۔ علی بن یقطین نے اس مسئلہ کو حضرت امام موسیٰ بن جعفر سے حل کرانے کے لیے اجازت چاہی۔ مجددی نے دلی مدینہ کو کھاکر وہ اس مشکل کا حل امام موسیٰ کاظم سے طلب کرے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا لکھو۔

"ہم افتد الرحمن الرحیم اگر خانہ کعبہ پہلے بنا ہے اور لوگ مجددی اس کے اطراف و کنارے میں سکونت پذیر ہوئے ہیں تو اس کے اطراف کی فضا کا تعلق خانہ کعبہ سے ہے اور اگر لوگوں کی سکونت وہاں خانہ کعبہ سے پہلے تھی تو وہ اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ جب یہ جواب مجددی عباسی کو موصول ہوا تو اس کو اتنی مسرت ہوئی کہ اس نے وہ پروانہ لے کر اسے جو سردیا اور حکم دیا کہ ان گھروں



کو سمجھایا جاتے۔ گھروں کے مالک براہ فرشتہ ہو کر امام موسیٰ بن جعفر کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ بعدی کو خط نصیب کر دے گھروں کی قیمت انہیں واپس کر دے۔ حضرت نے ان کی خواہش پوری کر دی اور بعدی نے بھی انہیں راضی کیا۔ یہ دو روایات ایک باریک استدلال پر مشتمل ہیں جو حقیق کے بارے میں مرد و برقاہین سے بھی مطابقت رکھتا ہے۔ اور یہ کو غافلہ جیسا عبادت خانہ جب ایک نئی زمین میں بنا تو اس کی مزوریات کے پیدا و تک دو اس سرزمین پر اولیت رکھتا ہے۔ جب تک یہ امتیاج ضرورت کو پہلو پیدا نہیں کرتی دوسرے لوگ بھی اس کے جو اسے غافلہ و اشیا کہتے ہیں لیکن جب ضرورت ہو تو اس کے حق اولیت سے غافلہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

### خانہ کعبہ کی خصوصیات

ان دو آیات میں پہلی عبادت گاہ جو ہونے کے علاوہ نہایت کعبہ کی پار اور خصوصیات بیان ہوئی ہیں۔  
ہب رجا

مبارک کا معنی بابرکت اور غافلہ و مند سے کعبہ اس لحاظ سے مبارک ہے کہ وہ مادی اور روحانی دونوں طرح سے بہت ہی برکت والی زمین پر واقع ہے۔ اس مقدس سرزمین کی روحانی برکتیں، خدائی جذبات حرکت و جنبش اور خصوصیات کے موقع پر وحدت و اتحاد کی نشا کے آثار کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اور اگر صرف حج کی ظاہری رسومات اور شکل و صورت کے پہلو پر اکتفا نہ کی جائے بلکہ اس کی روح اور فلسفہ زندہ ہو تو اس کی حقیقی برکت مزید واضح اور روشن ہوگی۔ اگرچہ یہ سرزمین مادی لحاظ سے خشک اور بے آب دیکھا جاتا ہے اور مٹی غریب اور ایسی طرح بھی کو اعلیٰ زندگی سے مناسبت نہیں رکھتی پھر بھی طویل عرصے سے یہ ایک آباد اور متحرک شہر رہا ہے۔ خصوصاً تجارت کے لیے شروعات اس کی مرکزیت قائم ہے۔

### ہدایا للعالمین

کعبہ عالمین کے لیے رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے اور لوگ دور افتادہ ملاقوں سے نیکی کے اور دریائی راستوں کو روندتے ہوئے اس عظیم عبادت گاہ کی طرف پہنچنے پہلے آتے ہیں اور شان و شوکت سے ان مراسم حج میں شریک ہوتے ہیں جو حضرت ابراہیم کے زمانے سے مزاج ہیں۔ حتیٰ کہ زمانہ جاہلیت کے عرب بھی خانہ کعبہ کا احترام کرتے تھے اور مراسم حج کو دین ابراہیم سمجھ کر بھالاتے تھے اگرچہ اس میں انہوں نے اپنی طرف سے کچھ خرافات بھی شامل کر لی تھیں اور اپنے ان ناقص مراسم کے باوجود کافی حد تک اپنے غلط کاموں سے اپنی غور پر دست بردار رہتے تھے۔ اس طرح سب لوگ حج کو بہت پرست بھی اس عظیم گھر کی ہدایت سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ اس مقدس گھر کی روحانی اور مادی کشش سب کو بہرہ و امتیاز کرتی ہے۔

### فیہ آیات بیانات مقام براہیم

اس گھر میں خدا پرستی۔ توحید اور روحانیت و معنویت کی واضح نشانیاں نظر آتی ہیں۔ ان میں ایک اس کا دوام اور بقا ہے اُن نامور دشمنوں کے مقابلہ میں جو اسی کو نیست و نابود کرنے پر تگے ہوئے تھے۔ دوسری نشانی حضرت ابراہیم جیسے عظیم المرتبت پیغمبر کے وہ آثار ہیں جو اس کے قرب و جوار میں باقی رہ گئے ہیں۔ مثال کے طور پر زمزم، صفا و مروہ، کوثر، جعیم، بڑا سود و حرا سمائل مکان میں سے ہر ایک



گزشتہ زمانوں کی ایک مجسم تاریخ ہے جو ان کی عظیم اور دائمی یادوں کو زندہ رکھتی ہے۔

ان نشانیوں میں سے مقام ابراہیم کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ ایسی جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ تعمیر کعبہ اور مراسم حج کی انجام دہی یا عام لوگوں کو ان عظیم مراسم کے پورا کرنے کی دعوت دینے کے لیے کھڑے ہوتے تھے۔ بہر حال یہ ان اہم ترین قدیم نشانیوں میں سے ہے جو بے نظیر قرآنیوں کی یادوں اور ان کے اخص و جامعیت کو زندہ کرتی ہیں۔ مقام ابراہیم سے مراد خاص وہی جگہ ہے جہاں اسی وقت وہ مخصوص تہرہ جس میں حضرت ابراہیمؑ کے قدم کا نقش مبارک موجود ہے یا اس سے تمام حرم مکہ مراد ہے اور یا تمام مہاتف حج میں۔ اسی سلسلہ میں مفسرین حضرات کے نظریات مختلف ہیں۔ لیکن اصول کافی میں امام جعفر صادقؑ سے ایک روایت منقول ہے جو پہلے احتمال کی تائید کرتی ہے۔

### ومن دخلہ کان امناً

حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کعبہ کے بعد شہر مکہ کے لیے جائے امن بنانے کی خداوند عالم سے درخواست کی تھی اور یہ دعائیں اٹھی:   
خدا یا! اس سرزمین کو جائے امن و امان قرار دے۔ ابراہیم۔ ۱۳۵۔ خداوند عالم نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو مستجاب کیا اور اسے ایک مرکز امن قرار دیا۔ یہ جگہ روع کے آرام و اطمینان اور آن لوگوں کے امن و امان کا سبب ہے جو وہاں آتے ہیں اور اس سے روحانی تقویت حاصل کرتے ہیں اور مذہبی قوانین کے محافظ اس کی امنیت اس طرح قزم شمار ہوتی ہے کہ وہاں ہر قسم کی جنگ و جدال اور مقابلہ و مبارزہ ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

بالخصوص اسلامی نقطہ نظر سے کعبہ ایک جائے امن اور پناہ گاہ کے حوالہ سے پہچانا جاتا ہے یہاں تک حکم ہے کہ اس خطہ ارض میں رہنے والے جانور بھی امن و امان میں ہونے چاہئیں اور کسی کو ان سے سرد کار نہیں ہونا چاہیے اور جو انسان اس میں جا کر پناہ حاصل کریں وہ بھی امان میں ہیں۔ حتیٰ کہ قاتل اور جارج ہی کیوں نہ ہوں ان سے بھی یہاں تعزیر نہیں کیا جاسکتا مگر خانہ کعبہ کے احاطہ سے غلط فائدہ نہ اٹھایا جائے اور مظلوم لوگوں کے حقوق پامال نہ ہوں۔ اگر مجرم افراد وہاں جا کر پناہ لیں تو حکم یہ دیا گیا ہے کہ ان پر کھانے پینے میں سختی کی جائے تاکہ وہ مجبور ہو کر وہاں سے باہر نکلیں اور انہیں حدود حرم سے باہر پھرنے کی اجازت نہ دیا جائے۔

### واللہ علیٰ الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً

اس جیسے میں تمام لوگوں کو حج کی انجام دہی کا حکم دیا گیا ہے اور اسے لوگوں کے ذمہ خدائی قرض قرار دیا گیا ہے، چنانچہ اللہ علیہ السلام کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے لیے لوگوں کے ذمہ ہے۔ لفظ ”حج“ کے لغوی معنی ”تقصیر و ارادہ“ ہیں یہی مناسبت سے راستہ کو ”حجۃ“ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ انسان کو اپنے مقصد تک پہنچا دیتا ہے اور اہل و عیال کو جمعیت اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مقصود کو روشن کر دیتی ہے۔ باقی یہ بات کہ ان مخصوص رسومات کو حج سے کیوں تعبیر کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مراسم میں شرکت کے لیے چلتے وقت خانہ خدا کی زیارت کا قصد

ماشیہ مغرباً ہے۔ لہٰذا کعبہ کے چاروں کونوں کو رک کر کہتے ہیں۔

لے جبر اور خدا کعبہ کے دروازے کے درمیان کی جگہ کو طیم کہتے ہیں۔ طیم اس لیے کہتے ہیں کہ یہاں خدا کا بہت بڑا ہے اور یہ حضرت آدمؑ کی قبر کی جگہ بھی ہے۔

لے جبر ہما میں ایک مخصوص جگہ ہے جو شمال مغرب میں قدس کی شکل میں ہے۔







لفظ کفر کے اصلی معنی پھپھانے کے ہیں اور دینی اصطلاح میں اس کا ایک وسیع معنی ہے کہ جو حق سے ہر طرح کی مخالفت اس میں شامل ہے چاہے مرد یا عورتی احکام میں۔ اب اگرچہ اس کا استعمال اصول کی مخالفت میں ہونے لگا ہے مگر یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ ایسی ہی منحصر ہے چنانچہ آیت مذکورہ میں ترک حج کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ اسی بنا پر حضرت امام جعفر صادقؑ نے ایک روایت میں اس آیت میں کفر کا مفہوم ترک حج بیان فرمایا ہے۔

دوسرے مفسرین میں ایمان کی طرح کفر کے بھی کئی معنی و مراحل ہوتے ہیں جن میں ہر ایک مخصوص احکام کا حامل ہے۔ اس حقیقت کی وجہ متوجہ ہونے سے کفر و ایمان سے مربوط آیات و روایات کے بہت سے امتیازات دور ہو سکتے ہیں۔ لہذا اگر سود کھانے والوں کے بارے میں سورہ بقرہ کی آیت ۵، ۷ میں اور جادو گروں کے متعلق سورہ بقرہ کی آیت ۱۰۲ میں کفر کا لفظ آیا ہے تو اس سے بھی یہی مقصود ہے۔ ہر جہت اس آیت سے دو مطلب نکل سکتے ہیں:

پہلا یہ کہ حج بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے جس کے ترک کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مرحوم صدوقؑ نے کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں رسالتاً سے روایت بیان کی ہے کہ آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

یا علی تارک الحج وهو مستطیع حکمہ یقوز اللہ تبارک و تعالیٰ و اللہ علی الناس حج البيت من استطاع لیسہ مسلماً ومن کذب عن العلیلین یا علی! من سوف الحج حقه یعوب بعشہ اللہ یومہ الفیصلۃ یطوب و یضررہ

اے علی! جو شخص حج کو ترک کرے باوجودیکہ وہ استطاعت رکھتا ہو تو وہ کافر شمار ہوگا۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ استطاعت رکھنے والے لوگوں پر خدا کے لکھنے کی طرف حج بھالانے کے لیے جانا لازمی اور ضروری ہے اور جو کفر اختیار کرے (یعنی اسے چھوڑ دے) تو اس نے اپنا نقصان کیا ہے اور خدا ان سے بے نیاز ہے۔ اے علی! حج میں تاخیر کسے یہاں تک کہ دنیا سے ہلے بے تو خدا اسے قیامت کے دن یہودی یا نصرانی شمار کرے گا۔

دوسرا مطلب یہ کہ اس اجماع خدائی فریضہ کی انجام دہی تمام دینی پروگراموں کی طرح لوگوں کی تربیت اور نفع کے لیے ہے اور خدا ہر نما سے بے نیاز ہے یا اس کے لیے فائدہ مند نہیں ہے۔

۹۸ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ

۹۹ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مِمَّنْ آمَنَ تَبِغُونَهَا عِوَجًا وَ

أَنْتُمْ شُهَدَاءُ ۚ وَمَا اللَّهُ بِعَاذِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ

۱۰۰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ قَدْ يُؤْتِكُمُ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ

۱۰۱ تفسیر صافی: زیر نظر آیت کے ذیل میں ابوالفضل عذیب۔





۱۰۰ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُشْلِي عَالِيَتِ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ وَمَنْ يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

ترجمہ

۹۸ (اے پیغمبر! ان سے کہو: اے اہل کتاب! تم کیوں اویسے ہو؟ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کا شاہد حال ہے۔

۹۹ کہو: اے اہل کتاب! یہ کیا ہے کہ جو کوئی اللہ پر ایمان لاتا پابنتاب تم اسے اللہ کی رادے روکتے ہو اور اسے میسر ہی پال چلانا چاہتے ہو۔ حالانکہ تم حقیقت حال سے بے خبر نہیں ہو۔ یاد رکھو جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔

۱۰۰ اے ایماندارو! اگر تم اہل کتاب میں کسی گروہ (گروہ) کا کام نفاق اور تمنا سے درمیان لینے و عداوت کی آگ بھڑکانا ہے، کی باتوں پر کار بند ہو گئے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ تمہیں ایمان سے کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔

۱۰۱ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم (اب پھر) کفر کی راد اختیار کرو۔ جب کہ تمہارا حال یہ ہے کہ اللہ کی آیتیں تمہیں سنائی جا رہی ہیں اور اس (کارسول) (تعلیم و رہنمائی) کے لیے تم میں موجود ہے۔ (اللہ خدا سے تسک رکھو، اور یاد رکھو کہ جو کوئی مضبوطی سے اللہ کا ہو رہا تو بلاشبہ اس پر سیدھی راہ کھل گئی (نہ تو اس کے لیے مغزش ہے اور نہ تم ٹھٹھکی کا اندیشہ)۔

شان نزول

ان آیات کے شان نزول کے سلسلے میں جو کچھ شیعہ اور سنی تصنیفات میں نقل ہوا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ شامی بن قیس ایک یہودی تھوہ ضعیف العمر، تاہم ایک دل اور کفر و عناد میں کہ نظیر تھا ایک دن وہ مسلمانوں کے ایک جمع کے پاس سے گزرا تو اس نے دیکھا کہ اس دوزخ جو سالہا سال ایک دوسرے کے خلاف نہرو آ رہا ہے، جس (فرود تہائی صیغہ) و شتی اور بہت دغوس سے ایک دوسرے کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ جس کی فضا اس وجہ سے مضر ہے اور شدید اختلافات کی جو آگ نہ نہ باہت میں ان میں شعلہ زبانی تھی وہ یکسر بجھ چکی ہے۔

یہ حالت دیکھ کر وہ عہد کے ماسے جل اٹھا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر یہ لوگ حضرت محمد کی پیروی کر کے اتنے آگے بڑھتے ہیں تو یہودیت کے لیے بڑا خطرہ ہے۔ اسی دوران اس کے ذہن میں ایک ماہر شئی اور اس نے ایک یہودی نوجوان کو حکم دیا کہ وہ ان کے ایک گروہ سے میل جول رکھے اور اس دوزخ کے درمیان غریب واقعات کی یاد تازہ کرے اور ان کی نظروں کے سامنے ان واقعات کی تصویر کشی کرے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ رَيْبَ مِمَّنْ هَٰذَا الَّذِي يَرُدُّكُمْ مَعِدَٰةٌ مِّنكُمْ فَخَافُوا

اس کے بعد روئے سخن غافل مسلمانوں کی طرف کرتے ہوئے ان کو متنبہ کیا کہ اگر وہ دشمن کی زبردستی باتوں میں آگئے نہیں اپنے دریاں ریزہ اندازی کرنے کی اجازت دی اور ان کے دوسروں سے متاثر ہونے تو بعید نہیں کہ ان سے ایمان کا رشتہ ختم ہو جائے اور وہ کفر کی طرف پلٹ جائیں۔ کیونکہ دشمن اہل توبہ کو شیش کرتا ہے کہ ان کے درمیان دشمنی و عداوت کی آگ بجھ کر دے اور انہیں ایک دوسرے سے لڑوانے لیکن یہ سب کچھ صرف اسی پر امتحان نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے دوسروں کو جاری و ساری رکھتا ہے تاکہ انہیں اسلام سے کھل طور پر لگانا کرے۔ گذشتہ بیان سے عیاں ہوتا ہے کہ مذکورہ آیت میں کفر کی طرف پلٹ جانے سے مراد حقیقی کفر اور اسلام سے مطلق بیگانگی ہے اور کفر ہے کفر سے مراد زمانہ جاہلیت کی دشمنیاں اور عداوتیں ہوں جو کفری کا حصہ ہیں۔ کیونکہ ایمان بہت اور عداوت کا سرہنہ ہے اور کفر پرانگی اور عداوت کا منبع ہے۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ ۚ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۚ عَلِيمٌ ذُو الْعَرْشِ ۚ اللَّهُ وَفِيكُمْ رَسُولٌ ۚ

اس کے بعد مومنوں سے ایک تعجب خیز انداز میں سوال ہوتا ہے کہ کس طرح ممکن ہے کہ تم کفر کی راہ اختیار کرو مالا نکرہ بغیر مہم تہا سے درمیان موجود ہیں اور آیات خدا کی بھی مسلسل تلاوت ہوتی ہے اور باران وحی کے حیات بخش قطرات تہا سے دلوں پر پڑتے ہیں۔ حقیقت میں یہ جلد اسی طرف اشارہ ہے کہ اگر دوسرے لوگ گمراہ ہوں تو زیادہ تعجب نہیں۔ باعث تعجب تو یہ ہے کہ جو اہل توبہ کی محبت میں بیٹھے ہیں اور ہمیشہ عالم وحی سے ان کا تعلق رہتا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ گمراہ ہو جائیں اور اگر ایسے لوگ گمراہ ہوں تو یہ خود ہی کوتاہی کرنے والے ہیں اور اسی کا عذاب بہت دردناک ہوگا۔

ان آیات کے آخر میں مسلمانوں کو وصیت کی گئی ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کے دوسروں سے چھٹکارہ حاصل کریں اور صراطِ مستقیم کی بدلت کے لیے پروردگارِ عالم کے لطف کا دامن تمام میں اور اس کی پاک ذات اور قرآن مجید کی مقدس آیات سے تنگ رکھیں اور انہیں مراہمت کے ساتھ کہتا ہے کہ جو شخص خدا سے تنگ رکھے اسے راہِ راست کی ہدایت حاصل ہو جائے گی۔

یہ آیات کئی لطیف نکات سے معمور ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ پہلی آیات جہاں روئے سخن یہودیوں کی طرف ہے میں باواسطہ خطاب کیا گیا ہے کیونکہ پہلی حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان سے کہیں جس پر غصہ تھا۔ (دیکھو دو اولیات کتاب ہے لیکن آخری دو آیات جہاں خطاب مومنین سے ہے، میں خطاب بلا واسطہ ہے اسی وجہ سے اس کی ابتدا فقط تثنیٰ سے نہیں کی گئی اور اس سے صاحب ایمان لوگوں پر خدا کا لطف و کرم ظاہر ہوتا ہے۔

- ۱۰۲۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تَقٰۤاَتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝
- ۱۰۳۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءًا فَآلَفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاصْبِرْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا وَّكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝



## تفسیر

## تقویٰ اور پرہیزگاری کی دعوت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ

اس آیت میں پہلے تقویٰ کی دعوت دی گئی ہے تاکہ وہ ایمان کی دعوت کے لیے قہید بنے۔ درحقیقت تقویٰ کی دعوت کسی اخلاقی اور عقیدہ کی مدد سے بغیر بے اثر یا کم اثر ہوتی ہے۔ اسی بنا پر اس آیت میں کوشش کی گئی ہے کہ اختلاف اور پرانگی کے عوامل ایمان اور تقویٰ کے ذریعے کمزور کیے جائیں اور اسی لیے ایماندار افراد کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ سب کے سب خدا سے ڈرو اور تقویٰ اور پرہیزگاری کا حق ادا کرو۔

”حق تقویٰ“ سے کیا مراد ہے؟ اس ضمن میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ حق تقویٰ پرہیزگاری کا آخری درجہ ہے جس میں ہر قسم کے گنہگاروں اور حق سے انحراف کرنے سے پرہیز کرنا شامل ہے۔ اسی سے تفسیر ”وہ خور“ میں پیغمبر اکرمؐ اور تفسیر ”ماہی“ اور ”معانی الانبیا“ میں امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپؐ نے حق تقویٰ کی تفسیر میں فرمایا:

(ان يطاع هذا يعصى ويذكر هذا ينسى ويشكر هذا ينكر)

یعنی حق تقویٰ یہ ہے کہ ہمیشہ اس کے فرامین کی اطاعت کی جائے اور کبھی اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور ہمیشہ اسے یاد رکھو اور کبھی بھی اسے فراموش نہ کرو اور اس کی نعمتوں پر شکر گزار رہو اور کفرانِ نعمت نہ کرو۔

ظاہر اور واضح ہے کہ یہ حکم بآئی، کلامِ الہی کی طرح انسان کی سمیت و طاقت سے وابستہ ہے لہذا مندرجہ بالا آیت اور سورہ تلوٰہین کی آیت ۱۴ ”وَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ“ (جتنا ہو سکے پرہیزگاری اختیار کرو) ان دونوں آیات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لیے ان دو آیات کے تضاد کے بارے میں اور یہ کہ ان میں سے ایک دوسری کی تاسخ ہے، گفتگو بے بنیاد ہے البتہ دوسری آیت حقیقت میں اصطلاحی لحاظ سے پہلی آیت کی تخصیص ہے اور اسے انسان کی توانائی کی مقدار سے متعین کرتی ہے۔ چونکہ ظاہرِ اقدس کے ہاں لفظ نسخ تخصیص پر بھی ہر لاجب تھا۔ لہذا ممکن ہے ان لوگوں کی فہم سے مراد تخصیص ہی ہو۔

وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ

حقیقت میں یہ جملہ اس و غرض اور تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک تنبیہ ہے کہ وہ جو شہنشاہی سے رہیں۔ صرف اسلام قبول کرنا کافی نہیں ہے بلکہ اس سے اہم بات یہ ہے کہ ایمان و اسلام کو زندگی کے آخری لمحات تک محفوظ رکھیں اور زمانہ جاہلیت کے کینہ کی بھی بھائی لگ اور یہ وہ وہ غیر منقولی تعصبات کی پیروی میں اپنے ایمان اور پاک اعمال کو بربادی کی جھینٹ نہ چڑھا دیں تاکہ آخرت میں انجامِ بدبختی سے ہلکا نہ پہنچیں اس بات کی تاکید کی گئی کہ خیال رکھنا کہ دنیا سے ایمان و اسلام کے بغیر نہ جانا۔

## اتحاد کی دعوت

وَاسْتَعِينُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا



اس آیت میں مسئلہ اتحاد اور ہر قسم کے اختلاف اور تفرقہ بازی سے اجتناب کا تذکرہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے بھی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جاؤ۔

جمل اللہ اللہ کی رسی اسے مراد کیا ہے؟ مفسرین نے اس کے متعلق کئی احتمالات کا ذکر کیا ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد قرآن ہے اور بعض اس سے مراد اسلام کہتے ہیں۔ کچھ حضرات کے نزدیک خاندان رسالت اور ائمہ صحیحین مراد ہیں۔ جو روایات پیغمبر اکرم اور ائمہ اہل بیت سے نقل ہوئی ہیں ان میں بھی کئی تعبیرات نظر آتی ہیں جیسا کہ تفسیر و مفسرین میں پیغمبر اکرم اور معانی الاخبار میں حضرت امام صادق سے نقل ہوا ہے کہ جمل اللہ قرآن کریم ہے اور تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر سے منقول ہے کہ اللہ کی رسی سے مراد آل محمد ہیں اور لوگوں کو ان سے منسلک کرنے پر مامور کیا گیا ہے۔ لیکن ان احادیث اور ان تفاسیر میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ اللہ کی رسی سے مراد ہر قسم کا مذہب سے جو ذات پاک کے ساتھ ربط رکھتا ہے۔ چاہے وہ وسیع اسلام ہو یا قرآن یا پیغمبر اور ان کے اہل بیت۔ بالفاظ دیگر تمام وہ چیزیں جو ذکر ہو چکی ہیں ارتباط خدا کے وسیع مفہوم میں داخل ہیں۔

### جمل اللہ کی تعبیر کا مقصد

توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ ان امور کو جمل اللہ سے تعبیر کرنے سے ایک حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ انسان عام حالات میں جب کہ کوئی مزل یا اور دہنجان ہو طبیعت کے وقت، سرکش سرشت کی گہریخوں اور جبل و نادانی کے تاریک کنوئیں میں پڑا رہتا ہے۔ اس پستی سے نجات حاصل کرنے اور اس تاریک کنوئیں سے باہر نکلنے کے لیے ایک مضبوط رسی کی ضرورت ہے جسے وہ پکڑ سکے اور اس سے باہر نکلے۔ یہ مضبوط رسی وہ خدائی رابطہ ہے جو قرآن، اس کے دینے والے اور ان کے حقیقی جانشینوں تک پہنچاتا ہے اور یہ لوگوں کو مادیت کی پستی سے نکال کر معنویت اور روحانیت کے عروج تک پہنچا دیتا ہے۔

### کل کے دشمن اور آج کے دوست

اس کے بعد قرآن کریم اتحاد و اخوت کی عظیم نعمت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور مسلمانوں کو گزشتہ افسوس ناک مانت پر غور و فکر کرنے اور اس پر انگلی کا اس اتحاد اور وحدت کے ساتھ تھکیل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: اسیں نہیں جو بنا چاہے یہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے لیکن خداوند عالم نے اسلام و ایمان کی برکت سے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے انس پیدا کیا اور تم آج بھائی بھائی بن گئے۔ قابل توجہ یہ بات ہے کہ اس آیت میں نقطہ نعمت کو گزرا لیا گیا ہے اور اس طرح سے اتفاق و اخوت کی نعمت کی اہمیت ان کے گوش گزار کی گئی ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ خدا نے جو نہیں کی تائیفِ خوب کو اپنی طرف نسبت دیتے ہوئے کہا کہ خدا نے تمہارے دلوں میں الفت و محبت پیدا کر دی۔ اس تعبیر سے اسلام کے ایک اجتماعی جوہر کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اگر عربوں کی سابقہ عداوت پر غور کیا جائے تو کس طرح سالہا سال سے ان کے دلوں میں گہرے کینے بھرے ہوئے تھے اور کس طرح ایک معمولی سے مسئلے پر ان کے درمیان خونیں جنگ کی آگ بجھ گئی تھی، خصوصاً اس بات کی طرف توجہ کی جائے کہ عموماً نادان خان پڑھ و در نیم و مٹی افراد ہٹ و محرم ہوتے ہیں اور آسانی سے گزشتہ جھوٹے پھوٹے



مسئلے کو حلقہ نیاں پر رکھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اس صورت میں عظیم اسلام کے اجتماعی مہرہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عام اور روزمرہ کے طور طریقوں سے یہ ممکن نہیں تھا کہ اس قسم کی کینہ پرور نادان قوموں کی ایک ملت بنائی جائے اور انہیں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا جائے۔

مندرجہ بالا امر دیکھ کر پروردگار تعالیٰ کے درمیان وحدت اور بھائی چارہ کی اہمیت ملاد اور نورین حتیٰ کہ غیر مسلم نورین کی نظریے غلطی نہیں رہی اور سب نے جسے تعجب خیز انداز سے اس کا ذکر کیا ہے۔

جان ڈیون پورٹ، مشہور انگریز عالم و فطراز ہے،

..... مجھ سے ایک عالم عرب نے اپنے ایک چھوٹے منتشر مہرہ اور اخلاص مند و ملک کو ایک ٹکڑ اور منظم معاشرے میں تبدیل کر دیا اور روئے زمین کی اقوام کے درمیان انہیں نئے صفات اور تازہ اخلاق کے ساتھ متعارف کرایا اور میں اس سے کم عمر میں اسی طرز و روش نے عالم تہذیب کو مغلوب کر دیا اور سلاطین ایران کو نیست و نابود کر دیا، تمام زمین انہریں اور سر کو سڑک اور ان کی قومات اور قیامی افس سے لے کر رہائے خزا اور یون تک پہنچیں۔  
تو مال کارل لکھتا ہے:

”خداوند عالم نے اسلام کے ذریعے عربوں کو تاریکی سے روشنی کی طرف ہدایت کی۔ ایک بے حرکت اور بے قوم کہ جس کی نہ کوئی آواز تھی اور نہ حرکت موسیٰ ہوئی تھی سے ایک ایسی ملت پیدا کی جسے گناہی سے شہرت، بستی سے بیداری، پستی سے بلندی اور مجز و ناتوانی سے قوت و توانائی کی طرف لے گیا۔ ان کی روشنی چاروں ملک عالم میں ضیاء پاشی کرنے لگی۔ اعلان اسلام کو ابھی ایک صدی نہیں ہوئی تھی کہ مسلمانوں نے ایک قدم ہندوستان اور دوسرا سرزمین اندلس میں رکھا اور ہزاروں مسکری مدت میں اسلام نصف کرۂ ارض پر فزائشی کرنے لگا۔“  
”ڈاکٹر گوستاو ڈیون“ نے اس حقیقت کا احترام ان الفاظ میں کیا:

”اس حیرت انگیز مادہ یعنی اسلام سے قبل کہ جس نے عرب قوم کو جہا ظہری اور تہ صافی کے اخلاق کے روپ میں ہمارے سامنے پیش کیا عربستان کا ملاقہ نہ تاریخ و تمدن کی جڑ سمجھا جاتا تھا اور نہ ہی وہاں مسلم یا مذہب کا نام و نشان تھا۔“

ایک ہندو دانشمند اور سیاستدان نے اس بابے میں لکھا ہے:

”عربوں کی سرگزشت اور راستائی کہ وہ کسی تیز رفتاری سے ایشیاء و یورپ اور افریقہ پر چھانٹے اور مالی شان و عظیم تمدن اور ثقافت کو انہوں نے جنم دیا، انسانی تاریخ میں ایک عجیب و غریب چیز ہے۔“ — نئی توانائی اور جدید فکر کہ جس نے

۱۔ مذکورہ تفسیر، پیش گوئی و محمد و قرآن، جان ڈیون پورٹ، غازی ترجمہ، سید عالم رضا سعیدی، صفحہ ۷۷۔

۲۔ نقشہ ہائی متعارف از محمد محمود صوف، صفحہ ۳۸۔

۳۔ تاریخ تمدن اسلام و عرب از گوستاو ڈیون۔



اُن کو بیدار کیا اور انہیں ایمان بخش اور قدرت سے نوازا اور دین اسلام تھا۔  
وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُجْرَةٍ مِّنْ لَّنَا ۖ هَٰذَا نَقْدُ كُمْ ۖ مِّنْهَا

شفاکے لغوی معنی خندق یا کنوئیں کا کنوہ یا روہبہ اور شاید لب پر بھی "شفہ" کا — اطلاق اسی مناسبت سے ہوتا ہے۔ اسی طرح  
اس لفظ کا استعمال بیماری سے تندرست ہونے کے لیے بھی اسی مناسبت سے ہے کہ انسان سلامتی اور تندرستی کے کنارے پر پہنچتا۔  
مندرجہ بالا جملے میں خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تم گمراہ زمانے میں آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ ہر آن ممکن تھا کہ تم اس  
میں گر جاؤ اور تمہارا سب کچھ خاکستر ہو جائے لیکن خداوند عالم نے تمہیں نجات بخشی اور ہلاکت کے اس گڑھے سے امن و امان کے نقطہ کی  
طرف تمہاری رہنمائی کی جو آخرت و نبوت کا نقطہ تھا۔

آیت میں آگ سے مراد جہنم کی آگ ہے یا اس دنیا کی، اس بارے میں مفسرین میں اختلاف ہے لیکن پوری آیت پر تو یہ کہنے سے  
یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ جنگ و جدال اور لڑائی جھگڑوں سے کناریہ ہے جو ہر لحظہ زمانہ جاہلیت میں کسی نہ کسی پہاڑ عربوں میں بھڑک اٹھتی تھی۔  
قرآن مجید اس جگہ میں زمانہ جاہلیت کے خطرناک حالات کی حکایت کرتا ہے کہ ہر لحظہ جنگ اور خونریزی کا خطرہ ان کے سروں پر منڈلاتا رہتا  
تھا اور خداوند عالم نے نور اسلام کی برکت سے انہیں اس حالت سے نجات دی۔ یہ مسلم ہے کہ انہوں نے اس خطرناک حالت سے غلامی  
پاکر جہنم کی جلانے والی آگ سے بھی نجات پائی۔

كَذٰلِكَ يَهْدِي اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ

آیت کے آخر میں مزید تاکید کی گئی ہے کہ خدا اسی طرح اپنی آیات کی وسعت کرتا ہے تاکہ تمہاری ہدایت ہو جائے یاں بنا۔  
پرتاخری مقصد اور غرض تمہاری ہدایت و نجات ہے اور چونکہ یہ تمہارے منافع اور سرفروشت کا معاملہ ہے لہذا جو کچھ کہا گیا اسے زیادہ سے  
زیادہ اہمیت دو۔

## قوموں کی بقا کے لیے اتحاد کی اہمیت

ان تمام باتوں کے باوجود کہ جو اتحاد کے اعجاز و کمالات کے بارے میں اجتماعی مقاصد اور ماحشروں کی بلند نی کی طرف ہوش رفت کے  
سلسلے میں کہی گئی ہیں، کہنا جا سکتا ہے کہ ابھی تک اس کا واقعی اثر نہیں پہنچا گیا۔

حاضر میں دنیا کے مختلف حصوں میں بڑے بڑے بند باندھے گئے ہیں جو زیادہ صنعتی توانائیوں کی بدولت میں اور وسیع و  
عمیق زمینوں کی تیاری اور راشتہ کا سبب بنے ہیں۔ اگرچہ غور سے غور و فکر کیا جائے تو ہمیں نظر آئے گا کہ یہ اتنی بڑی قدرت صرف پیچیز  
بارش کے قطرات کے ایک دوسرے سے وابستہ ہونے کی قدرت کے تجربے کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھیں۔ ہم انسانوں کے اتحاد اور  
دل کر کشش کرنے کی اہمیت سے واقف ہو سکتے ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ اور دیگر بزرگ اسلامی رہنماؤں سے اکثر روایات میں مختلف عبارات کے ذریعے اس کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔



چنانچہ ایک مقام پر رسول اللہ فرماتے ہیں:

"المؤمن للمؤمن كالثمنين بفسيد حصة ستم"

مؤمنین ایک دوسرے کے لیے ایک عمارت کے اجزاء کی مانند ہیں کہ جن میں ہر ایک جزو دوسرے کی مضبوطی سے جھبائی کرتا ہے۔

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"المؤمنون كالنفس الواحدة"

مؤمنین ایک نفس و روح کی طرح ہیں۔

آپ نے مزید فرمایا:

مثل المؤمنين في توادهم وتراحمهم كمثل الجسد الواحد اذا اشتكى بعضه شاعى سائرته بالسهر والحمى.

صحابان ایمان افراد دوستی اور ایک دوسرے پر ہمدرد کرنے اور نیکی کرنے میں ایک جسم کے اعضاء کی طرح ہیں کہ جب ان میں ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو باقی اعضاء و اجزاء کو قرار دیا نہیں آتا ہے

وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ

عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ

وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○

ترجمہ

۱۰۴ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو بھلائی کی باتوں کی طرف دعوت دینے والی ہو۔ وہ نیکی کا حکم دے برائی سے روکے اور بلاشبہ ایسے ہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

۱۰۵ اور دیکھو! ان لوگوں کی سی پناں نہ چلنا جو خدا کے ایک ہی دین پر کھٹے رہنے کی بجائے) الگ الگ ہو گئے اور باوجود یہ کہ کتاب اللہ کی روشنی میں ان کے سامنے آپکی ہیں۔ باہم دیگر اختلافات میں پڑ گئے ہیں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

تفسیر القرآن مجلی، جلد ۱۰، صفحہ ۴۵۔



وانكی منكم امة يدعون الى النخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر واولئك هم المفلحون  
 اُمتِ اصل میں مادہ ۱۰۸ سے ہے جس کا معنی ہے ہر وہ چیز جس کا وہ سری چیزیں نہیں ہوں۔ اسی بنا پر اُمتِ ایسے گروہ کو کہا جاتا ہے جس کے درمیان وحدت کا پہلو ہو۔ اس میں فرق نہیں کہ وحدت زمانی ہو یا مکانی یا مقصد میں وحدت ہو۔ لہذا متفرق اور پرگانہ اُمتوں کو اُمت نہیں کہا جاسکتا۔

گذشتہ آیات اخوت و وحدت کے بارے میں ہیں۔ اب اس آیت میں امر بالمعروف اور نہی من المنکر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو حقیقت میں ایک اجتماعی ذرہ کے مانند ہے اور جو جمعیت کی حفاظت کرتی ہے۔ کیونکہ اگر امر بالمعروف اور نہی من المنکر ہو تو مختلف عوامل جو اجتماعی وحدت کی بنیاد کے دشمن ہیں، ایک کی طرح اندر سے معاشرے کی جڑوں کو کھاتے رہتے ہیں اور لوگوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتے ہیں۔ اسی لیے وحدت اجتماعی کی حفاظت عوام کی نگرانی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

آیت بالا میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہمیشہ مسلمانوں کے درمیان ایک ایسا گروہ ہونا چاہیے جو ان دو اجتماعی ظہور و ذریعوں کو انہماک سے لوگوں کو نیکی کی دعوت دے اور برائیوں سے منع کرے اور آیت کے آخری حصے میں باقاعدہ تصریح ہوئی ہے کہ خلاص و نہایت صرف اسی راستے سے ممکن ہے۔

### ایک اہم سوال اور اس کا جواب

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکم اُمت کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ یہ اُمت بعض مسلمانوں میں سے تشکیل پاتی ہے۔ ذکر سب کے سب یہ کام کریں تو اس طرح سے امر بالمعروف اور نہی من المنکر کی ذمہ داری عمومی پہلو کھو بیٹھے گی۔ بلکہ وہ صرف ایک خاص گروہ کی ذمہ داری ہوگی اگرچہ انتخاب اور جمعیت کو ترتیب دینا تمام لوگوں کا فرض ہے بالفاظ دیگر یہ واجب کفائی ہے نہ کہ واجب غنی۔ حالانکہ قرآن مجید کی دیگر آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں ذمہ داریاں عمومی پہلو رکھتی ہیں۔ یعنی واجب غنی میں ذکر کفائی، مثلاً بعد میں آنے والی آیات میں ارشاد ہوتا ہے:

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر  
 تم بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے نفع کے لیے پیدا کیا گیا ہے کیونکہ تم انہیں اچھی چیزوں کا حکم دیتے ہو اور بُری چیزوں سے روکتے ہو۔

اسی طرح سورہ صحر میں ارشاد ہوتا ہے:

تمام لوگ غصہ میں ہیں موائے ان کے جو ایلانی رکھنے کے ساتھ علاج مل کرتے ہیں اور حق و صبر کی وصیت کرتے ہیں۔



ان جیسی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ذمہ داریاں کسی خاص گروہ کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتیں بلکہ یہ عام ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے:

ان جیسی تمام آیات میں غور و خوض کر کے اس سوال کا جواب مل سکتا ہے۔ کیونکہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دو مرحلے ہیں: ایک انفرادی مرحلہ ہے، اس میں ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ تنہا دوسروں کے اعمال کی نگہداشت کرے اور دوسرے مرحلہ اجتماعی ہے اس کے لیے ایک گروہ کا فرض ہے کہ وہ معاشرتی فریدیوں کو ختم کرنے کے لیے متحد ہو کر مشترکہ کوشش کرے۔

پہلی قسم میں ہر شخص پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس طرح تمام لوگ ذمہ دار ہوں گے اور چونکہ اس میں انفرادی پہلو ہے لہذا اس کی تلقین فرد کی توانائی تک محدود ہے۔ لیکن دوسری قسم واجب کفائی ہے۔ یہ چونکہ ایک گروہ کی ذمہ داری ہے لہذا اس کا دائرہ اثر بھی وسیع ہے اور اس لیے فطری طور پر یہ کام حکومت اسلامی کی ذمہ داریوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ دوسری اخلاقی اور فساد کا مقابلہ کرنا اور حق کی طرف دعوت دینا اسلامی قوانین کا شاہکار شمار ہوتی ہیں۔ حکومت اسلامی کے نظام میں تقسیم کار کا معیار اجتماعی حالت اور حکومتی اداروں کی صورت حال ایک نگران گروہ کے وجود کو لازمی قرار دیتے ہیں۔

گذشتہ اداروں میں اسلامی ممالک میں اس آیت کی روشنی میں برائیوں کو روکنے اور اجتماعی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لیے ایسے ادارے تشکیل پاتے رہے ہیں۔ تنج کل بھی جائز و فیرو میں ایسے ادارے موجود ہیں۔ ایسے اداروں کو حسب اور ان کے مامورین کو حسب یا ”آخرین معروف“ کہتے ہیں۔ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ لوگوں میں بونے واسے ہر قسم کے بے کام کو روکیں اور حکومتی اداروں میں بونے واسے ہر قسم کے ظلم و فساد کی روک تھام کریں اور اسی طرح لوگوں میں نیک اور پسندیدہ کاموں کا شوق پیدا کریں۔

وسیع اختیارات کے حامل ان اداروں کا وجود محمد و قدرت کے حامل فرد کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرنے سے کوئی تضاد نہیں رکھتا۔

چونکہ یہ بحث قرآن مجید کی اہم مباحث میں سے ہے اور بہت سی آیات میں اس کا تذکرہ ہے لہذا ضروری ہے کہ یہاں اس کے بعض پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لیا جائے۔

## چند اہم نکات

- (۱) معروف اور منکر: معروف کے اعلیٰ حروف ع۔ د۔ ف۔ (عرف) میں اور اس کے فحوی معنی ہیں ”پہچانے ہوئے“ اور منکر کے معنی ہیں ”نہ پہچانے ہوئے“ یہ لفظ انکار سے ہے۔ گویا اس خاصیت سے نیک کاموں کا پہچانے ہوئے امور اور ناپسندیدہ کاموں کا نہ پہچانے ہوئے کاموں سے تعارف کرایا گیا ہے کیونکہ انسان کی پاک فطرت پہلی قسم سے آشنا و آگاہ ہے اور دوسری قسم سے نا آشنا ہے۔
- (۲) کیا امر بالمعروف ایک عقلی حکم ہے؟ اس میں علماء اسلام کا خیال ہے کہ ان دو ذمہ داریوں کا موجب نقل و میل سے ثابت ہے اور عقل سے

۱۵ ایسے ادارے عموماً برائے نام شرعی ہیں اور اکثر ان کی حالت حکومت کے مامور اداروں سے بھی بدتر ہے۔ مترجم



اس کا کوئی سروکار نہیں اور عقل اس بات کا حکم نہیں دیتی کہ انسان کسی دوسرے کو ایسے کام سے روکے جس کا نقصان صرف کرنے والے کو پہنچتا ہو۔ لیکن اجتماعی معاشرتی تعلقات اور اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ کوئی بڑا کام انسانی معاشرے میں کسی خاص نقطہ تک محدود نہیں رہتا بلکہ یہ آگے کے شعبوں کی طرح پورے عالم کو اپنی پیٹ میں سے لے جاتا ہے یہ عقل کا فیصلہ ہے کہ ان دو ذمہ داریوں کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

بالفاظ دیگر سوسائٹی میں کوئی چیز انفرادی ضرورت کی حامل نہیں۔ ہر انفرادی ضرورت میں یہ امکان ہے کہ وہ اجتماعی نقصان کی صورت اختیار کرے۔ اسی بناء پر عقل و منطق معاشرے کے افراد کو اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی کے گرد و پیش کی فضا کو پاک و صاف رکھنے کے لیے ہر قسم کی مستحکم اور کوشش کریں۔

اتفاق سے بعض احادیث مجھے اس بات کی غمازی کرتی ہیں جیسا کہ رسول اسلام نے ارشاد فرمایا:

ایک نیکو ہنگامہ دوسرے لوگوں کے درمیان اس شخص کی مانند ہے جو ایک کشتی میں کچھ لوگوں کے ساتھ سوار ہو جب وہ کشتی سمندر کے نیچے چلی جائے تو وہ کھابہ بنی سے اس جڈ سوراخ کسے ٹپے جہاں دو میٹھا ہوا ہے اور جب دوسرے لوگ اس کے اس فعل پر اعتراض کریں تو وہ یہ جواب دے کہ میں تو صرف اپنی جگہ پر یہ کام کر رہا ہوں۔ اس وقت اگر دوسرے لوگ اس کو اس خطرناک کام سے روکیں تو چند لمحوں میں سمندر کا پانی کشتی میں داخل ہو جائے گا اور ایک دم سب کے سب غرق ہو جائیں گے۔

پیغمبر اکرمؐ نے اس واضح مثال کے ذریعے امر بالمعروف و نہی منکر کے منطقی ہونے کی تصویر کشی کی ہے اور معاشرے کے لیے ہر فرد کی نگرانی کے حق کو ایک فطری حق قرار دیا ہے۔

(۳) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت: قرآن مجید کی آیات کے علاوہ بہت سی معتبر احادیث اور اسلامی مصادر میں بھی ان دو عظیم اجتماعی وظائف کی اہمیت بیان کی گئی ہے کہ جن میں ان خطرات اور بُرے نتائج کی نشاندہی کی گئی ہے جو ان دو ذمہ داریوں کے ترک کرنے کی صورت میں ہم سب پر پڑتے ہیں۔ جیسا کہ امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ:

ان الامور المعروف والنہی عن المنکر فریضة عظيمة بها تقام الفرائض وتأمين للذاهب وحمل المكاسب وترد العظالم وتعمر الارض وينتفعن الاعماء ويستقيم الامر.

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر عظیم فرائض فریضہ ہے۔ باقی فرائض انہی کی بدولت قائم ہوتے ہیں۔ ان کی وجہ سے راستے محفوظ رہتے ہیں، لوگوں کا کسب و کار حلال ہوتا ہے اور لوگوں کے حقوق انہی کی وجہ سے واپس ملتے ہیں اور ان کے سبب زمین آباد رہتی ہے، دشمنوں سے انتقام لیا جاتا ہے اور انہی کے مظلیم تمام کام چلتے رہتے ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ علی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ أَمَرَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَى عَنِ الْمُنْكَرِ فَلَهُ حَلِيفَةُ اللَّهِ فِي أَرْضِهِمْ وَحَلِيفَةُ رَسُولِ اللَّهِ وَحَلِيفَةُ كِتَابِهِ



جو نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے روکے وہ زمین پر خدا، اسی کے رسول اور اس کی کتاب کا پائین ہے۔  
اسی حدیث سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ یہ عظیم فریضہ ہر چیز سے پہلے ایک خدائی پروگرام ہے۔ انبیاء کی بعثت اور آسمانی کتب کا نازل سب کے سب اسی پروگرام کا حصہ ہیں۔

ایک شخص پیغمبر کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ منبر پر جلوہ افروز تھے اسی نے پوچھا: مَنْ خَيْرُ النَّاسِ بِمَقَامِ  
لَوْكُنْ مِنْهُمْ سَبَّحْتَ كُنْ هُوَ۔ آپ نے فرمایا:

أَمْرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاتَّقَاهُمْ لِقَدْ وَارَءَهُمُ

جو سب سے زیادہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا ہو اور جو زیادہ پرہیزگار ہو اور جو خوشنودی خدا کی راہ میں زیادہ قدم  
بڑھانے والا ہو۔

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو ورنہ خدا کسی قوم کو ظالم کو تم پر مسلط کرے گا۔  
جو دنیا سے بڑھ چلا ہو اس کا احترام کرے گا اور نہ بچوں پر رحم کرے گا۔ تمہارے نیک اور صالح لوگ دعا کریں گے۔ یہ سب  
مستجاب نہیں ہوگی۔ وہ خدا سے مدد طلب کریں گے لیکن خدا ان کی مدد نہیں کرے گا یہاں تک کہ اگر وہ لوگ توبہ کریں  
گے تو خدا ان کے گناہ معاف نہیں کرے گا۔

یہ سب کچھ اسی گروہ کے اعمال کی عکاسی ہے جہاں یہ عظیم معاشرتی ذمہ داری کو پورا نہیں کریں گے کیونکہ جب عمومی نگرانی کے بغیر  
معاملات کی باگ ڈور نیک لوگوں کے ہاتھ سے نکل جائے گی تو برے اور نا اہل لوگ معاشرے کے ہر میدان پر قابض ہو جائیں گے  
مندرجہ بالا حدیث میں ان کی توبہ کی عدم قبولیت کا مطلب یہ ہے کہ برائیوں کے مقابل میں مسلسل خاموشی کی وجہ سے دعا کوئی اثر نہیں رکھتی  
مگر یہ کہ وہ اپنے عمل میں تجدید نظر کریں۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

”وَمَا أَعْمَالُ الْبِرِّ كُلِّهَا وَالْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عِنْدَ الْأَمْرِ

بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ الْأَكْثَرُ شَقًّا فِي بَحْرِ لَبِيٍّ“

تمام نیک کام یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں جہاد بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقابلے میں ایک گہرے سمندریں  
تھوکنے اور پھرنے کی مانند ہے۔

اس قدر تاکید کا سبب یہی ہے کہ یہ دو عظیم ذمہ داریاں باقی اجتماعی اور انفرادی ذمہ داریوں کے اجراء کی ضامن ہیں اور ان کی روح شمار

۱۔ جمع ایمان اور برکت آیت کے ذیل میں۔

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

۴۔ بیچ ابلاغہ کلمات تعداد: ۲۷۲۔



ہوتی ہیں۔

(۳) کیا امر بالمعروف سلب آزادی کا سبب ہے؟ اس سوال کے جواب میں یہ کہنا مناسب ہے اگرچہ یہ بات مسلم ہے کہ افراد بشر کے لیے مل جل کر رہنا ان گنت فوائد و برکات کا حامل ہے حتیٰ کہ اس قسم کی خوبیوں نے انسان کو اجتماعی زندگی پر مجبور کر دیا ہے لیکن ساتھ ہی انسان کو چند امور کا پابند کیا گیا ہے لیکن چونکہ اجتماعی زندگی کے بے شمار فوائد کے مقابلے میں اس قسم کی پابندیاں معمولی ہیں لہذا انسان کو آزادوں سے ان پابندیوں کو قبول کر کے اجتماعی زندگی کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔ چونکہ اجتماعی زندگی میں حیات انسانی کا نظام ایک دوسرے سے مربوط ہے اور اصلاحی طور سے معاشرے کے افراد ایک دوسرے کی تقدیر پر اثر انداز ہوتے ہیں لہذا دوسروں کے اعمال پر نظارت و نگرانی کا حق نظری اور اجتماعی زندگی کی خصوصیت کا حق ہے۔ لہذا اس قبضہ کی انجام دہی سے نہ صرف انفرادی آزادی سلب نہیں ہوتی بلکہ ایک ایسا فریضہ ہے جو ہر فرد بشر کا ایک نظری حق ہے جو اسے دوسروں کے مقابلے میں حاصل ہے۔

(۴) کیا امر بالمعروف سے کوئی حرج تو پیدا نہیں ہوتا؟ اس مقام پر ایک اور سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب تمام لوگ اجتماعی امور میں نہیں شریک ہیں اور ایک دوسرے کے اعمال کے نگران و ناقد ہیں تو کیا اس سے معاشرے میں گونا گوں سبکیاں نہ ہونے لگیں گے اور کیا یہ چیز ذمہ داریوں کی تقسیم اور معاشرے میں الگ الگ جوابدہی کے برخلاف نہیں ہے؟ اس سوال کے جواب کے متعلق گذشتہ بیان سے بھی یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی منکر کے دوسرے ہیں۔ ایک مرد جو کہ عمومی پہلو رکھتا ہے۔ اس کا دائرہ محدود ہے اور یہ صرف یاد و حاشی، ہند و نصیحت، نقد و تنقید اور اس قسم کی چیزوں تک محدود ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ ایک ذمہ معاشرے کے تمام افراد برائیوں کے بارے میں اس قسم کی جوابدہی رکھتے ہیں۔

لیکن دوسرا مرد جو ایک خاص گروہ سے متعلق ہے اور وہ حکومت اسلامی کی ذمہ داری شمار ہوتا ہے۔ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے اس میں سنی کر اگر اس میں سختی کی ضرورت پڑے یہاں تک کہ قصاص و حدود تک معاملہ پہنچ جائے تو بھی یہ گروہ حاکم شرعی اور کار پرہیزگاران حکومت اسلامی کی نگرانی میں اپنا فریضہ انجام دے سکتا ہے۔ بنا بریں امر بالمعروف اور نہی منکر کے مختلف مراحل اور ہر ایک کی حدود کو مد نظر رکھتے ہوئے نہ صرف یہ کہ ان سے معاشرے میں حرج و مرج اور فسادات پیدا نہیں ہوتے بلکہ مردہ معاشرے میں جان پیدا ہو جاتی ہے۔

(۵) امر بالمعروف تلخی اور سختی نہیں۔ بحث کے آخر میں اس نکتہ کی یاد دہانی ضروری ہے کہ اس ذمہ داری سے جہد و جہاد ہونے، فریضہ خدائی کی طرف دعوت دینے اور فتنہ و فساد کا مقابلہ کرنے میں کسی نیت اور پاکیزگی مقصد کا نہیں بھولنا چاہیے اور سوائے ضرورت کے ہر موقع پر صلح و صفائی کو ملحوظ نظر رکھنا چاہیے اور اس فریضہ کی انجام دہی میں خشونت اور سختی سے اجتناب کرنا چاہیے۔

لیکن انہوں سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ بعض لوگ اس کی انجام دہی میں خشونت آمیز انداز اپناتے ہیں اور بعض اوقات وہ بڑے اور چبھنے والے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس قسم کا امر بالمعروف مزید کراچے اثرات نہیں چھوڑتا بلکہ بعض اوقات یہ اثرات دکھائے جاتے ہیں۔ حالانکہ غیر اکرم اور اثر بدی کی سیرت طیبہ بخاندی کرتی ہے کہ وہ ان دو فرائض کی انجام دہی میں اتنا ہی بحث و پیار اور لطف و کرم سے کام لیتے تھے۔ اسی بنا پر بڑے سخت مزاج افراد بھی بہت بعد ان کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتے تھے۔

تفسیر منور: نیت کے ذیل میں لکھا گیا ہے کہ:



”ایک نوجوان خدمت رسول میں حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا کہ رسول خدا علیہ السلام کی اجازت ہے کہ میں زنانہ گروہوں میں بات پر وہاں کے لوگ برا فروخت ہو گئے اور دوسرا دوسرے اس پر اعتراضات کی بوجھاڑ کر دی لیکن آپ نے جسے تحمل اور نرمی سے فرمایا میرے قریب آؤ وہ ان کے قریب آیا اور آنحضرتؐ کے سامنے بیٹھ گیا۔ حضرت نے محبت اور پیار کے لیے میں اس سے پوچھا کہ کیا تو اس پر راضی ہے کہ تیری ماں کے ساتھ یہ کام کیا جائے۔ اس نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح دوسرے لوگ بھی اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ان کی ماں کے ساتھ یہ کام کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تو اپنی بیٹی کے ساتھ اس عمل پر راضی ہے کہ انہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح دوسرے لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے ساتھ اس فعل پر راضی نہیں ہیں۔ آپ نے پھر پوچھا کہ اپنی بہن کے ساتھ اس کام کو پسند کرتے ہو۔ نوجوان نے انکار کیا اور اپنے سوال پر مکمل طور پر خاموش ہوا۔ بعد ازاں آپ نے اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھ کر اس کے لیے دعا کی اور فرمایا اللہ یا اللہ اس کے دل کو پاک کر اور اس کے گناہ کو معاف کر اور اس کے دامن کو صحت کی نودلی سے صاف رکھ۔ اس واقعہ کے بعد اس نوجوان کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ نفرت کام زمانہ تھا۔ یہ نبی میں اللہ کی عظمت اور محبت کا ثمرہ تھا۔“

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ

اس آیت میں اذ سر نو مسلموں اور تفرقہ بازی سے اجتناب کرنے کی طرف توجہ کیا گیا ہے۔ یہ آیت مسلمانوں کو گنہگارہ قوم مثلاً یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح تفرقہ اور اختلاف کی راہ اختیار کرنے اور اپنے لیے عظیم عذاب مل لینے سے ڈراتی ہے اور حقیقت انہیں اختلاف و تفرقہ بازی کے بعد کی گنہگاروں کی تاریخ کے مطالعہ کی دعوت دیتی ہے۔

ان آیات میں اتحاد پر اصرار کرنے اور تفرقہ و تفاق سے اجتناب کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمہارے معاشرے میں بھی ایسا ہونے والا ہے کیونکہ جہاں کہیں کسی چیز سے ڈرانے میں اصرار کیا جاتا ہے وہاں کے وقوع کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

پیغمبر اسلامؐ نے پر پیشین گوئی کی تھی اور صراحت سے مسلمانوں کو یہ خبر دی تھی کہ یہودی قوم حضرت مسیحؑ کے بعد ۷۰ اور عیسائی ۷۰ بہتر فرقوں میں بٹ گئی تھی اور میری امت میرے بعد تیسرا فرقوں میں بٹ جائے گی۔

ظاہری طور سے مسلمانوں کی کثرت کی طرف اشارہ ہے اور اصطلاح کے مطابق اس سے صحت کسی چیز کی کثرت بھی جاتی ہے۔ ذکر میں تعداد یعنی یہودیوں میں ایک فرقہ حق پر تھا اور بہت سے گروہ باطل پرست تھے۔ عیسائیوں کے درمیان باطل پرست فرقوں کی کثرت ہو گئی اور مسلمانوں میں ان سے بھی زیادہ فرقے بن جائیں گے۔

قرآن مجید اور علیہ السلام کی اس پیشین گوئی کے مطابق مسلمان آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مراد مستقیم سے بٹک گئے اور مذہبی عقائد فکر اصل دین کے معاملے میں پرانہ و بر گئے یہاں تک کہ ایک دوسرے کو کافر کہنے لگے۔ نوبت بایں جا رسید کہ بعض اوقات تلاوتی سب ڈھم اور ایک دوسرے پر لعنت سے در پٹنہ ڈکھائی۔ معاملہ اتنا سنگین ہوتا گیا کہ بعض مسلمان ایک دوسرے کی جان و مال کو حلال کہنے

۱۔ یہ روایت مختلف شیعہ سنی فرقوں سے مروی ہے۔ شیعہ فرقوں سے یہ روایت خصال، معانی، تنبیہ، ولی صدوق، اصل سلیم بن قیس اور تفسیر عیاشی میں منقول ہے اور سنی فرقوں سے یہ روایت در خثور، جامع الاحوال اور عل و نعل میں نقل ہوئی ہے۔



گئے اور مسلمانوں کے درمیان اتنی عداوت اور دشمنی پھیل گئی کہ کچھ مسلمان کفار سے جھڑپیں اور اپنے دینی بھائیوں سے جنگ و جدال کرنے پر تل گئے۔ یہاں اتحاد و وحدت جس میں مسلمانوں کی کھپالی کا راز منہر تھا، اختلاف و انتشار میں بدل گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شقاوت و بدبختی میں مبتلا ہو گئے اور اپنی عظمت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

اُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

جو لوگ واضح دلیلوں کے بعد بھی دین میں اختلاف کرتے ہیں، وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اس میں کلام نہیں کہ اختلاف انتشار کا فوری نتیجہ ذلت و خواری کے سما کچھ نہیں اور سب قوم کی ذلت و خواری کے راز کو ان کے اختلاف و نفاق میں تلاش کرنا چاہیے۔  
 وہ معاشرہ جس کی وحدت و توانائی کی بنیاد اس کے ارکان کی تفرق بازی کے تھپ سے پاٹل پاش ہو جائے، ان کی سر زمین ہمیشہ غیروں کی جلاوطنی بن جاتی ہے اور کسی سامراجی حکومت کے قلمرو میں داخل ہو جاتی ہے۔ واقعا یہ کتنا بڑا عذاب ہے۔  
 باقی رہا آخرت کا عذاب تو جیسا قرآن نے بھی بیان کیا ہے وہ اس عذاب سے کہیں زیادہ سخت ہے اور وہ تفرق ڈالنے والوں کے انتظار میں ہے۔

۱۰۴۔ یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ آيْمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ○  
 ۱۰۵۔ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○

ترجمہ

۱۰۴۔ (نفاق ڈالنے والوں پر وہ عظیم عذاب) اسی دن ہو گا جب کچھ چہرے سفید اور کچھ سیاہ ہو جائیں گے۔ وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم ایمان (اور سایہِ رحمت میں آنے) کے بعد کافر ہو گئے تھے تو (اب) اپنے کئے ہوئے کفر کے عذاب کا مزہ چکھو۔

۱۰۵۔ لیکن وہ جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ خدا کی رحمت میں ہوں گے اور وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر

نورانی اور تاریک چہرے

یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ

اس تبصیر کے بعد کہ جو گزشتہ آیات میں تفرق بازی، نفاق اور کفر و جاہلیت کے زمانے کے آثار کی طرف پلٹ جانے کے بارے میں





کی گئی تھی، ان دو آیات میں ان کے آخری نتائج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ کس طرح کفر، تفرقہ بازی، نفاق و باہیت کی طرف پلٹ جانا اور سیاہی کا سبب ہے اور کس طرح اسلام و ایمان اور اتحاد و علوم مفید روٹی کا سبب ہیں۔

مندرجہ بالا آیات تصریح کر رہی ہیں کہ روز قیامت کچھ چہرے نورانی ہوں گے اور کچھ تاریک۔ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیوں اختیار کیا اور اسلام کے زیر سایہ اتحاد و اخوت کی راہ اپنانے کے بعد نفاق و باہیت کی راہ کیوں اختیار کی۔ ان کے مقابلے میں وہ مومنین جو متحد و متفق رہے ہوں گے دریاے رحمت الہی میں ڈوب جائیں گے اور ہمیشہ کے لیے وہاں راحت و آرام کی زندگی بسر کریں گے۔

کئی دفعہ یہ یاد دہانی کرائی جا چکی ہے کہ دوسرے جہان میں انسان کی زندگی کے حالات و کیفیات اور جزا و سزا اس جہان کے اعمال اور افکار کے مجسمے ہوں گے۔ دوسرے ملکوں میں اس جہان میں جو کام بھی انسان سے سرزد ہوتا ہے وہ روح کی گہرائیوں میں وسیع اثرات مرتب کرتا ہے۔ ملکی ہے اس دنیا میں اسے نہ سمجھا جاسکے، لیکن قیامت میں یہ حقیقی صورت میں جلوہ گر ہوں گے اور چونکہ وہاں روح کی ماکیت و تہی زیادہ ہوگی اس لیے اس کے آثار ہم پر بھی مرتب ہوں گے۔ جیسا کہ اس جہان کا ایمان و اتحاد مفید روٹی کا سبب ہے اور اس کے برعکس بے ایمان لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے، اگے جہان میں یہ مجازی سفیدی اور سیاہی حقیقی شکل اختیار کرے گی اور لوگ روشن یا سیاہ چہروں کے ساتھ حضور ہوں گے۔

قرآن کی دیگر آیات بھی اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں۔ مثلاً جو لوگ بار بار گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں ان کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

كَانُوا أَحْيَاءَ وَجَبُوا مُتَوَسِّطِينَ قُلُوبًا مِّنْ ظُلُمٍ ۖ

گویا ان کے چہروں کو اندھیری رات کے تاریک ملکوں نے ڈھانپ رکھا ہے۔

جو لوگ خدا پر جھوٹا فرمانبردار ہوتے ہیں ان کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہے:

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ وَجُوهِهِمْ مُّسَوِّدَةً ۚ

قیامت کے دن تو ان لوگوں کو دیکھے گا جو خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ ان کے چہرے سیاہ ہیں

اور یہ سب کچھ ان کے کئے ہوئے اعمال کی پاداش ہے۔

۱۰۸۔ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا

لِّلْعَالَمِينَ ○

۱۰۹۔ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَالِلّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُورُ ○

ترجمہ

۱۰۸۔ کتاب کی یہ برحق آیات میں جنہیں ہم تیرے سامنے پڑھ کر سنا رہے ہیں اور خدا برگز عالمین کے لیے ظلم و ستم کا ارادہ نہیں رکھتا



۱۰۹ اور اُسی طرح ممکن ہے کہ خدا ظلم پا رہے ہو (جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ اس کی ملکیت میں ہے اور تمام کاموں کی بازگشت اسی کی طرف ہے اور اس کے حکم سے ہے)۔

تفسیر

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ مَنَعَهَا عَلَيْكَ الْحَقُّ وَمَا اللَّهُ بِمُتَّبِعِ ظَلَمِ الْعَالَمِينَ .

مندرجہ بالا آیت گزشتہ مطالب، اتحاد و اتفاق، ایمان و کفر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ان کے نتائج کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ خدا کی برحق آیات ہیں جو ہم تیرے سامنے پڑتے ہیں اور ان احکامات کی خلاف ورزی کی وجہ سے جو کچھ لوگوں کو جگھٹنا پڑتا ہے ان کے اہل کی پاداش ہے اور خداوند تعالیٰ کسی پر کسی قسم کا ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ وہی بُرے اثرات ہیں جو انہوں نے اپنے ہاتھ سے فراہم کئے ہیں۔

وَاللَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاللَّهُ تَرْجِعُ الْاُمُوْرَ

یہ آیت خدا کے ظالم نہ ہونے پر دو دلیل پیش کرتی ہے:

پہلی یہ کہ وہ خدا جو ان تمام کائناتوں کا مالک ہے، اس کے بارے میں ظلم کا تصور نہیں ہو سکتا کیونکہ ظلم و زیادتی تو وہ کرتا ہے جس کے پاس وہ چیز نہ ہو جو دوسروں کے پاس موجود ہے۔ لہذا اسے حاصل کرنے کے لیے وہ ظلم کا ارتکاب کرتا ہے۔  
دوسری دلیل یہ کہ ظلم و ستم کا تصور اس کے بارے میں ہو سکتا ہے جس کی خوشنودی حاصل کئے بغیر کوئی کام وقوع پذیر ہو سکتا ہو لیکن اسی ذات کے بارے میں ظلم و ستم پر مبنی کسی کی اجازت کے بغیر کوئی کام انجام پذیر نہیں ہو سکتا اور تمام امور کائنات کا آغاز و انجام اسی کی ذات سے وابستہ ہے۔

۱۱۰ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهٖمْ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

ترجمہ

۱۱۰ تم وہ بہترین قوم تھے جسے لوگوں کے فائدے کے لیے پیدا کیا گیا ہے تاکہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو اور خدا پر ایمان لے آؤ اور اگر دیگر اہل کتاب (اس پر وگراہم اور واضح آئین پر) ایمان لے آئیں تو ان کے لیے فائدہ ہے لیکن ان میں سے تنوڑے ہی صاحب ایمان ہیں ورنہ اکثر فاسق (اور پروردگار کی اطاعت سے غافل) ہیں۔



تفسیر

## فتنہ و فساد کا مقابلہ کرنے اور دعوت حق کی یاد دہانی

کنتہم خیر امتہ اخرجت للناس قامرون بالمعروف .

اس آیت میں امر بالمعروف نہی منکر اور خدا پر ایمان رکھنے کی دعوت کا اعادہ کیا گیا ہے اور جیسا کہ آیت کے ذیل میں کہا گیا ہے یہ آیت بھی امر بالمعروف اور نہی منکر کو ایک اجتماعی فریضے کے طور پر بیان کرتی ہے۔ بلکہ گذشتہ آیت نے اس کے ایک خاص مرحلہ کو بیان کیا تھا جو خصوصی اور واجب کفائی ہے اور اس کی تفصیلی تشریح بیان کی جا چکی ہے۔

تو یہ مطلب نکلتا ہے کہ اس آیت میں مسلمانوں کو بہترین امت کہا گیا ہے جسے انسانی معاشرہ کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور اس کی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی منکر کو سستے میں اور خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی معاشرہ کی اصلاح ایمان، دعوت حق اور فتنہ و فساد کا مقابلہ کیے بغیر ممکن نہیں۔

فہنی طور پر اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ دو عظیم فرائض دین اسلام میں جو دعوت رکھتے ہیں وہ گذشتہ آیات میں مذکور تھیں اور اس امت کا بہترین ہونا واضح ہے کیونکہ یہ آخری آسمانی دین کی حامل ہے اور آخری دین تکمال کی حالت پر کامل ترین دین ہے۔ مندرجہ بالا دو آیات میں مزید وضاحت کی طرف بھی توجہ کیا گیا ہے۔

پہلا نکتہ یہ ہے کہ ”کنتہم“ دو قسم کے فعل ماضی کا صیغہ متعین کیا گیا ہے یعنی تم گذشتہ زمانے میں بہترین امت تھے اس نکتہ کے بارے میں اگرچہ مفسرین نے بہت سے احتمالات اگے رکھے ہیں، لیکن کفریت کا نظریہ یہ ہے کہ فعل ماضی کی تعبیر تائید کے ساتھ ہے اور قرآن مجید میں اس قسم کی تعبیرات کثرت سے موجود ہیں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس مقام پر امر بالمعروف اور نہی منکر کو ایمان خدا پر مقدم کیا گیا ہے جس سے ان دو عظیم خدائی فرائض کی اہمیت عظمت مترشح ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ان دو عظیم فرائض کی انجام دہی دائرہ ایمان پھیلانے اور تمام انفرادی و اجتماعی قوانین کے اجراء کی ضمانت ہے اور عملی طور پر اجراء قانون کا ضامن خود قانون پر مقدم ہوتا ہے۔ تمام باتوں کو چھوڑ کر ان دو فرائض کو انجام دیا جائے تو دلوں میں ایمان کی جڑیں بھی کمزور ہو جاتی ہیں اور اس کے ستون بھی گر جاتے ہیں۔ یہی سبب سے انہیں ایمان پر مقدم رکھا گیا ہے۔

اس بیان سے اس بات کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ مسلمان اس وقت تک ایک ممتاز امت شمار ہوتے رہیں گے جب تک ان کی دعوت دینے اور فتنہ و فساد کا مقابلہ کرنے کو فراموش نہیں کریں گے اور جب انہوں نے اس سے صرف نظر کر لیا تو یہ بہترین امت نہیں رہے اور نہ انسانی معاشرے کے لیے فائدہ مند۔

اس بات کی طرف بھی توجہ دینا چاہیے کہ اس آیت میں تمام مسلمانوں سے خطاب کیا جا رہا ہے جیسا کہ قرآن میں کئی مقامات پر یہی انداز روش ہے۔ کچھ لوگوں نے اس سے باہرین یا سابق مسلمان مراد لیے ہیں لیکن اس پر کوئی دلیل موجود نہیں۔

ولوا من اهل الكتاب لكان خيرا منهم المومنون و اكثرهم الفاسقون



بعد ازاں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ مذہب جو اسی طرح روشن ہے اور وہ قرآن میں جو اس قدر با عظمت ہیں ان کے فائدے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جہاں اگر اہل کتب دیہود و نصاریٰ ان باتوں پر ایمان سے آئیں تو ان کا اپنا ہی فائدہ ہے، لیکن بیت انہوں کا مقام ہے کہ ان کی اعلیٰیت نے باوجود غضب پر شکر مدد کر کے دل سے اسلام قبول کیا ہے جب کہ ان کی اکثریت فرمان خداوندی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں یہاں تک کہ انہوں نے پیغمبر اکرم کے متعلق اپنی کتب میں موجود باتوں کی بھی پروا نہیں کی اور وہ اپنے کفر و غضب پر اسی طرح ڈٹے ہیں۔

۱۱۔ لَنْ يَضُرَّوْكُمْ اِلَّا اَذْعَاوًا وَاِنْ يَقَاتِلُوكُمْ يُكَلِّفُوكُمُ الْاَذْبَارَ ثُمَّ لَا يَنْصُرُوْنَ ۝  
 ۱۲۔ ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ اِنَّ مَا تَقْتُلُوْا لَا يَحْبِلُ مِنَ اللّٰهِ وَجَلَّ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوْا  
 بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰهِ وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةَ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا  
 يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ  
 كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

ترجمہ

۱۱۔ اور وہ (اہل کتب) صرف صرناہو دی تمہیں ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے شور مچانے کی آواز و اذیت کے اور اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تمہیں پیٹھ دکھا کر (جھاگ) جائیں گے۔ اس کے بعد کوئی بھی ان کی مدد کو نہیں آئے گا۔  
 ۱۲۔ وہ جہاں کہیں ہوں گے ان پر ذلت و رسوائی کی مہر لگی ہوئی ہے مگر یہ کہ وہ خدا سے رابطہ قائم کریں (اور اپنی ناپسندیدہ روش پر تجدید نظر کریں) یا لوگوں سے وابستگی کے ذریعے (دوسروں سے مدد حاصل کر لیں)۔  
 اور وہ خدا کے غضب میں گھرے ہوئے ہیں اور پیادگی کی مہراں پر ثبت ہو چکی ہے۔ کیونکہ وہ آیات خداوندی کا انکار کرتے تھے اور خدا کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ سب کچھ ان کے گناہوں کی وجہ سے ہے اور وہ (دوسروں کے حقوق پر) تجاوز کرتے ہیں۔

شان نزول

جب بعض روشن ضمیر سردارانِ دیہود و نصاریٰ نے اسلام اپنے عقائد کے جبراً دین اسلام میں داخل ہو گئے تو یہودیوں کے بعض سرداران کے پاس آئے اور انہیں سنوئش و ملامت کی یہاں تک کہ انہیں دھمکی دی اور کہا کہ تم اپنے آباء اجداد کا دین چھوڑ کر اسلام کیوں لے آئے ہو جس پر مذہب بالا آیات انہیں اور باقی مسلمانوں کو خروہ مسندے کے لیے نازل ہوئیں۔

تفسیر

لن يضروكم الا اذى وان يقاتلوكم يولوكم الادبار ثم لا ينصرون

بعض مسلمان اپنی سابقہ کافر قوم کے ہاتھوں مصیبت میں مبتلا تھے وہ انہیں قبولی اسلام پر سزائش و طاقت کرتے تھے اور بعض اوقات انہیں دھمکیاں دیتے تھے یہ آیت انہیں بشارت دیتی ہے کہ منافقین تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور بہت کم ضرر پہنچا سکتے ہیں اور بدکلامی سے بڑھ کر کچھ نہیں کر سکتے۔

۱ ان دونوں آیات میں درحقیقت مسلمانوں کے لیے چند پیشین گوئیاں اور خوشخبریاں ہیں جو تمام کی تمام صفوں کے دور میں ظاہر ہوئیں۔ اہل کتاب بھی مسلمانوں کو کوئی قابل امتنا ضرر نہیں پہنچا سکیں گے اور ان کے معمولی نقصانات دیر پا نہیں ہوں گے۔ لن يضروكم الا اذى۔

۲ جب وہ مسلمانوں کے ساتھ میدان کارزار میں غزوہ آزمائے ہوں گے تو انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑے گا اور آخری فتح و کامیابی مسلمانوں کو نصیب ہوگی اور یہودیوں کی حمایت کے لیے کوئی بھی نہیں کھڑا ہوگا (وان يقاتلوكم يولوكم الادبار ثم لا ينصرون)۔

۳ یہ کبھی اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہوں گے اور ہمیشہ ذلیل و خوار رہیں گے گریہ کر اپنے پروگرام کو تبدیل کریں اور خدا کی راہ پر چلیں یا دوسرے لوگوں سے مل جائیں اور وقتی طور پر ان کی طاقت سے فائدہ اٹھائیں (من ضربت عليهم الذلة اين ما اتفقوا)۔

بہت جلد یہ تینوں دھبے نبی اکرمؐ کے زمانے میں پورے ہو گئے خصوصاً مجاہد کے یہودی اپنی قرینہ بنی نضیر بنی قینقاع بنی مصلح اور قیسر کے یہودی انہی مرتبہ مسلمانوں کے ساتھ میدان جنگ میں آئے سامنے ہوئے اور بالآخر سب شکست سے دوچار ہو کر روپوش ہو گئے ضربت عليهم الذلة اينما اتفقوا الا جليل من الله وحبل من الناس۔

ثقل کا مادہ ثقف (بروزن متف) ہے۔ اور ثقافت کے معنی کسی چیز کو عبادت کے ساتھ پالنے کے ہیں اور جس چیز کو انسان باکیفیتی اور عبادت کے ساتھ حاصل کرے اسے ثقافت کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے اس جملے میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ جہاں کہیں ہوں دولت کی مہر ان کی پیشانی پر ثبت ہو چکی ہے۔

اگرچہ ان آیات میں یہودیوں کا نام ہے کہ ان کو نہیں پکڑا گیا، مہم سورہ بقرہ کی آیت ۴۱ اور ان آیات کے قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جلد بھی یہودیوں کے ہاں سے ملے۔

اس کے بعد اسی جملے کے ذیل میں کہا گیا ہے کہ صرف دو صورتیں ہیں جن کی وجہ سے وہ اس دولت کی مہر کو مٹا سکتے ہیں پہلی صورت خدا کی طرف بازگشت اور اسی سے رشتہ جوڑنا ہے اور اس کے سنے دین پر ایمان لانا ہے (الاجعل من الله) یا لوگوں سے وابستگی اور ان کا سہارا لینا ہے (وحبل من الناس)۔

اگرچہ ان دو تفسیرات (حبل من الله وحبل من الناس) کے بارے میں مفسرین نے کئی احتمالات ذکر کئے ہیں لیکن جو کچھ کہا گیا



ہے وہ آیت کے معنی کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے کیونکہ جس وقت "حبیل من اللہ - اللہ سے ارتباط" "حبیل من الناس - لوگوں سے ارتباط" کے مقابلے میں جو تو اس سے دو مختلف معانی مراد ہوں گے نہ یہ کہ ان میں سے ایک ایمان لانے کے معنی میں ہے اور دوسرا مسلمانوں کی طرف سے امن و امان ہونے کے معنی میں۔

بنابراین آیت کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہو گا کہ یا تو وہ اپنی زندگی کے پروگرام پر تجدید نظر کریں اور خدا کی طرف پلٹ آئیں اور اپنے انکار سے شیطنت و کینہ پروری کو مٹا دیں اور یا تو ان سے وابستگی پیدا کر کے اپنی نفاق اور زندگی کو بھاری رکھیں۔

وَبَاؤُا بَغْضَبٍ مِّنْ رَبِّهِ وَخُذُوا حَيْثُ السَّكَنَةَ .

"باؤ اغضت میں رجوع کرنے اور سکونت کرنے کے معنی میں ہے اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ خلافت و وزیروں کی بنا پر خدا کی سزا کی مستحق ہو گئی ہے اور وہ غضب خداوندی کو اپنی منزل مقصود قرار دے چکی ہے۔

"سکنت" کے معنی ہیں "بیپارگی" بالخصوص ایسی سخت بیپارگی جس سے چٹکارا حاصل کرنا مشکل ہو اور یہ "سکنت" کے مادہ سے ہے۔ کیونکہ مسکین افراد کمزوری اور احتیاج کی وجہ سے اپنی جگہ سے حرکت کی قدرت نہیں رکھتے۔ البتہ یہ یاد رہے کہ مسکین کا معنی صرف مال و دولت کی وجہ سے محتاج نہیں ہے بلکہ ہر قسم کی کمزوری و ناتوانی اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ بعض لوگوں کا نظریہ ہے کہ سکنت و ذلت میں یہ فرق ہے کہ "ذلت" دوسروں کی طرف سے وارد ہوتی ہے جبکہ "سکنت" کسی شخص کی ذاتی اور اندرونی کمزوری یا کمزوری کا معنی دیتی ہے۔

اس لحاظ سے اس جملے کا معنی یہ ہے کہ یہودی اول تو اپنی کارستانیوں کی وجہ سے دوسروں کی طرف سے دھکاکے گئے ہیں اور غضب خدا میں گرفتار ہوئے ہیں پھر آہستہ آہستہ یہ ان کے لیے ایک ذاتی صفت بن گیا ہے حتیٰ کہ وہ تمام امکانات کے باوجود اس کی تقاریر میں مبتلا ہیں۔ اسی لیے اس جملے میں کوئی استثناء موجود نہیں ہے۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ .

آیت کے آخری حصے میں یہودیوں کی بدعتی کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ اگر وہ ایسی بدعتی میں گرفتار ہیں تو اس کی وجہ نسلی و خاندانی ہے نہ کہ دوسری خصوصیات بلکہ یہ ان کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ اول تو یہ خدا کی آیات کا انکار کرتے تھے اور ثانیاً یہ کہ پیشوایان حق اور نبیؐاں دہندگانِ بشر کو قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ مختلف قومیت کے گناہوں، ظلم و ستم، دوسروں کے حقوق پر قبضہ کرنا اور باقی لوگوں کے منافع پر تیاؤز کرنا میں مبتلا تھے اور سترہ ہے کہ جو قوم اس قسم کے اعمال کا ارتکاب کرے گی اس کی حالت بھی ان سے مشابہ ہوگی۔

## یہودیوں کی عبرت ناک داستان

یہودیوں کی تاریخ گذشتہ آیات کے مطالب و مفاسد کی کف تائید کرتی ہے اور ان کی موجودہ حالت بھی اس کی بشارت دیتی ہے۔ ان آیات میں صریح الذلۃ ان پر مبروزت مل چکی ہے، تشریحی حکم نہیں ہے، بیساکہ بعض مفسرین اس کے قائل ہیں بلکہ یہ نکتہ یہ ہے اور تیسرا یہ کہ اہل نبیؐوں میں مذہبی ہونے پر اور جہاں پر پروگرام دوسروں کے حقوق پر ہاتھ ڈالنا اور بشریت کے رہنماؤں کو قتل کرنے پر مشتمل جو ان کا انجام کار یہی ہو گا، مگر یہ کہ وہ اپنی طرز زندگی میں تبدیلی پیدا کریں اور اس راستے سے پلٹ آئیں اور یا دوسرے لوگوں





سے رابطہ قائم کر کے چند روزہ زندگی گذاریں۔ جو واقعات اس دور میں اسلامی ممالک میں رونما ہو رہے ہیں یعنی مسلمانوں کے مقابلے میں مہریت کا ایک خاص مقام حاصل کرنا، انہیں دوسروں کی حمایت حاصل ہونا اور بہت سے دیگر عوامل جن کی وجہ سے انہیں مقام حاصل ہے یہ سب امور اس حقیقت کے شاہد ہیں جو ان آیات سے معلوم ہوتی ہے۔

شاید گذشتہ سطح تجربات اور ان حوادث سے جنہوں نے ان کی تمدنی زندگی راہ کو بدل دیا ہے یہ باعث نہیں کہ وہ اپنے پروگرام میں تبدیلی نظر کریں اور وہ دیگر اقوام کے ساتھ صلح و اشتی کے ساتھ پیش آئیں اور دوسروں کے حقوق کا احترام کر کے ان کے ساتھ صلح آمیز زندگی گذاریں۔

۱۱۳۔ لَيْسُوا سَوَاءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ○

۱۱۴۔ يَوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ○  
۱۱۵۔ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَن يُكْفَرُوهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ○

ترجمہ

۱۱۳۔ وہ سب برابر نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں ایک گروہ ایسا ہے جو حق و ایمان کے ساتھ اقائم ہے اور وہ اوقات شب میں سلسل حالت سجدہ میں آیات خدا کی تلاوت کرتے ہیں۔

۱۱۴۔ وہ خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی منکر کرتے ہیں اور نیک کاموں کی انجام دہی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں اور وہ نیک لوگوں میں سے ہیں۔

۱۱۵۔ جو نیک اعمال وہ سر انجام دیتے ہیں انہیں ہرگز نظر انداز نہیں کیا جائے گا اور وہ اچھی جزا پائیں گے، اور خدا پر مہر گاروں کو جانتا ہے۔

شان نزول

کہا جاتا ہے کہ جب عبداللہ بن مسعود جو ایک یہودی عالم تھا۔ کچھ لوگوں کے ہمراہ مسلمان جو انویسٹریوں کے سرداروں کو بہت سے پتیا اور وہ اس بات کے ورپے ہو گئے کہ انہیں شرارت کا الزام دیں تاکہ یہ لوگوں کی نگاہ میں گرجائیں تاکہ ان کا مصل دوسروں کے لیے نمونہ اور قابل تقلید نہ بنے لہذا اطلاع ہوئی کہ یہ غروہ نے یہ کہہ کر ہم سے صرف شریر لوگ مسلمان بننے میں اگر دیکھ لوگ بہتے تو اپنے آباؤ اجداد کا دین نہ چھوڑتے اور ملت یہود کے ساتھ خیانت نہ کرتے۔ خداوند عالم نے ان آیات کو نازل کر کے ان کا وقار کیا ہے۔





## تفسیر

”لِيسُوا سِوَاءَ مَنْ اَهْلَ الْكِتَابِ اَعْمٰ قَانِعَةٌ يَتَلَوْنَ اٰيَاتِ الْفٰه اَنّٰهُ الْكَلِيلُ“

گذشتہ آیات میں یہودیوں کے جسے افراد کی شدید مذمت کے بعد قرآن کریم اس آیت میں عدالت کے پیش نظر اور ان کے اپنے افراد کے حقوق کے احترام کی وجہ سے اور یہ حقیقت بتانے کے لیے کہ ان سب کو ایک نگاہ سے نہیں دیکھا جاسکتا، لکھا ہے کہ اہل کتاب تمام کے تمام ایک جیسے نہیں بلکہ تباہ کار افراد کے مقابلے میں ایسے نیک طینت افراد بھی موجود ہیں جو خدا کی اطاعت اور ایمان پر ثابت قدم ہیں وہ ہمیشہ نیم شب کو آیات خدا کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور محنت پروردگار کے سامنے سرسجود ہو جاتے ہیں اور خدا اور وزیر جہاد پر ایمان رکھتے ہیں و اسرار المعروف دینی من المنکر کو فریضہ ادا کرتے ہیں اور نیک کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ وہ صالح اور با ایمان افراد ہیں۔

اسی طرح بجا ہے اس کے کہ خدا یہودی نسل کی کئی طوؤں پر مذمت کرے اور ان کی مخالفت کرے یا ان کے خون کو بڑا کہے، صرف ان کے جسے اعمال کی نشاندہی کرتا ہے اور ان افراد کی تنظیم و تنظیم و تکریم کرتا ہے اور اچھائی سے یاد کرتا ہے جنہوں نے فاسد اکثریت سے جدا ہو کر حق و ایمان کے سامنے تسلیم فرمایا ہے اور یہی اسلام کی روش ہے کہ کسی نیک یا نسل و قبیہ کو مد نظر نہیں رکھتا بلکہ وہ صرف لوگوں کے عقائد اور ان کے اعمال کو نظر میں رکھتا ہے۔

مختار چند ایک روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیات صرف عبداللہ بن سلام اور اس کے ماحیوں کے لیے منبر نہیں بلکہ ان کے علاوہ نبران کے چالیس چالیس، جیشہ کے بائیس افراد اور آٹھ رومی بھی اس آیت کے مصداق ہیں اور اہل کتاب کی وسیع تعبیر اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

”وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يَكْفُرُوهُ“

یہ آیت دراصل پہلی آیات کی تکمیل کرتی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے اس گروہ کے نیک اعمال کی بہترین جزا ہوگی یعنی گذشتہ عمر میں اگر چہ انہوں نے ترک کتب سبہ ہوں، جب انہوں نے اپنی روش بدل کر پرہیزگاروں کی صف میں شامل ہو گئے تو یہ اپنے نیک اعمال کا ثمرہ دیکھ لیں گے اور خدا کی طرف سے ہرگز ناقصی نہیں پائیں گے۔

”وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ“

باوجودیکہ خدا تمام چیزوں کو جانتا ہے، اس لیے یہی خصوصیت سے لکھا ہے کہ خداوند عالم پرہیزگاروں سے آگاہ ہے اور یہ تعبیر و تفسیر ان لوگوں کی اقلیت کی غمازی کرتی ہے۔ خصوصاً یہ تفسیر کے زمانے کے یہودیوں میں سے تو یہ راستہ اختیار کرنے والے بہت ہی اقلیت میں تھے اور یہ ظنی بات ہے کہ اسی قسم کے کم تعداد افراد تقریباً نہیں رہتے لیکن پروردگار عالم کے وسیع علم کی تیز نگاہ سے یہ لوگ ہرگز غفلت نہیں رہیں گے اور خدا ان سے آگاہ ہے۔ ان کے نیک اعمال کم ہوں یا زیادہ ہرگز رائیگاں نہیں ہوں گے۔



۱۱۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا  
وَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

۱۱۴۔ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صُرٰٓصِبٰتٌ  
حَرَتْ قَوْمٌ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُمْ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ  
اَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

ترجمہ

۱۱۳۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ ہرگز اپنے اموال اور اولاد کے ذریعے اللہ کے عذاب و سزا سے نہیں بچ سکتے۔ وہ اہل جہنم میں اور ہمیشہ کے لیے اس میں رہیں گے۔

۱۱۴۔ جو کچھ وہ اس دنیاوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں وہ بلائے والی کرم ابوالی مانند ہے جو اس قوم کی زراعت پر پل پڑے جس نے اپنے اوپر ظلم کیا (اور نامناسب وقت پر زراعت کی آپس وہ اسے نیست و نابود کر دے۔ خدا نے ان پر غم نہیں کیا بلکہ جنہوں نے خود اپنے اوپر غم کیا ہے۔

تفسیر

”اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا“

گذشتہ آیت میں جن حق پر اور با ایمان افراد کی متافقت کی گئی ہے۔ ان کے مقابلے میں بے ایمان اور شکر و گمراہی میں ان کی حالت ان دو آیات میں بیان کی گئی ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے، وہ لوگ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ ہرگز اپنے مال و دولت اور اولاد کی کثرت کے گھنڈے میں خدا کی سزا سے چھٹکارہ نہیں پاسکتے کیونکہ روز جزا صرف نیک عمل، صدق ایمان اور غم و نیست ہی انسان کے کام آئے گا کہ اس جہاں کے مادی امتیازات۔

”یَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اٰتٰی اللّٰهُ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ“

اس دن مال و اولاد و ذرہ برابر قائمہ نہیں دیں گے مگر یہ کہ وہ پاک و صاف دل سے کہ بارگاہ الہی میں حاضر ہو۔

(الشعراء آیہ ۸۸-۸۹)

مادی وسائل میں سے صرف دولت اور اولاد کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لیے ہوا ہے کہ اہم ترین مادی سرمایہ ایک تو افرادی قوت ہے جس



کی طرف اولاد سے اشارہ کیا گیا ہے اور دوسرا اقتصاد کی سرمایہ ہے اور دیگر مادی وسائل کا سرچشمہ ہیں وہوں چیزیں ہیں۔  
قرآن واضح طور پر اعلان کر رہا ہے کہ صرف مالی و متاع اور اخروی قوت کے بل بوتے پر نہ ان کے ہاں امتیاز حاصل نہیں کیا جاسکتا اور  
انہی پر بھروسہ کرنا خود کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے مگر یہ کہ نہیں ایمان اور غلو میں نیت کے ساتھ صحیح راستوں میں خرچ کیا جائے، ورنہ  
بصورت دیگر ان کے مالکوں کا انجام کاروائی عذاب ہے ۱۰ اَوَلَيْتَ اَصْحَابَ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۱۱۔

”مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيْهَا صِرٌّ-----“

سراور اصرار ایک ہی اصل سے ہیں اور ان کے معنی شدت کے ساتھ جڑواں چیز کو باندھنے کے ہیں لیکن یہاں اس سے مراد ہوا کی  
شدت دہنتی ہے چاہے وہ بھلائے والی ہو یا شہنشاہی اور خشک کرنے والی۔  
اس آیت میں ان کی ریاکارانہ عبادت اور خرچ کرنے کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے اور ایک بہترین مثال کے ذریعے ان کے  
انجام کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

قرآن کریم کفار کے خرچ کرنے کو سخت قسم کی بھلائے والی یا بہت سراور خشک کرنے والی ہول سے تشبیہ دیتا ہے جو کسی ذراعت  
پر چل پڑے اور اسے خشک کر دے۔ البتہ ہوا کی فطرت و طبیعت بھلائیے والی نہیں ہے چنانچہ نسیم ہمارے گلوں پر فوارش کرتی ہے۔ فہل  
کے آہن کھول دیتی ہے اور درختوں کے سانچوں میں روح چھونک کر نہیں بار آور کر دیتی ہے۔ اسی طرح اتفاق اور نسیم کے سرچشمہ  
ایمان و غلو میں ہو تو اسی طرح مٹا دے۔ وہ اجتماعی مشکلات کو بھی حل کر دیتا ہے اور احسان کرنے والے کے دل میں ایک دیر پا اثر بھی جڑ  
جاتا ہے اور اس کے قلب میں اچھی صفات اور فضائل کے سرچشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ لیکن اگر یہ حیات آفرین باؤنسیم طوفان بن جائے  
یا بہت زیادہ شہنشاہی ہو ایں تبدیل ہو جائے تو وہ جس چول اور سبزہ پر پلے گی اسے تباہ کر دے گی۔

یہ ایمان اور گناہ آور افراد کا جو عکس اتفاق میں صحیح مقصد نہیں ہوتا اس سے خود نمائ اور ریاکاری کی روح کو بھلائے والی خشک ہوا  
ان کے اتفاق کی ذراعت پر چل پڑتی ہے اور اسے ناگوار بنا دیتی ہے۔ اس قسم کے اخراجات نہ اجتماعی مشکلات کا سد باب کر سکتے ہیں  
(چونکہ زیادہ تر یہ ہے جاعمرت ہوتے ہیں) اور نہ خرچ کرنے والے کے لیے کوئی اخلاقی ثمرہ دیتے ہیں۔ تو جو مطلب نکلتا ہے کہ ارشاد ہوا ہے  
حرف قوم ظلموا یعنی اس بھلائے اور خشک کرنے والی جو ان کا نشانہ ایسے لوگوں کی ذراعت ہے جو اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں یہ اس بات کی  
طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ ذراعت کے لیے وقت اور جگہ کے انتخاب میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے اور انہوں نے ایسی زمینیں چھوڑ دی  
کی ہے کہ جو طوفانی ہواؤں کی زد میں تھی اور ایسا وقت چننا ہے جو گرم ہوا کے چنے کا تھا۔ اس طرح انہوں نے اپنے اوپر خود ظلم کیا ہے۔ یہاں  
ہی ہے ایمان افراد اتفاق کرتے وقت اور جگہ کے انتخاب میں اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں اور اپنا سرمایہ نامناسب مقام پر برباد کرتے ہیں لہذا  
تفصیل اور آیت کے قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تشبیہ درحقیقت دو علیحدہ علیحدہ چیزوں کے درمیان ہے ایک تو ان کے اتفاق کو بے موقع  
بے محل ذراعت سے تشبیہ دی گئی ہے اور دوسری خرچ کرنے کی دیر اور علت کو شہنشاہی اور بھلائے والی ہوا سے تشبیہ دی گئی ہے۔

بنابر ای آیت میں کچھ نقد پر ضرور ہے اور مثل ما ینفقون کے معنی یہ ہیں کہ ان کے اتفاق کے اسباب و محل کی مثال خشک ہوا  
اور بھلائے والی ہوا کی طرح ہے (نور کیسے لگا)۔



بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت ان اموال کی طرف اشارہ کرتی ہے جو دشمنان اسلام دین کو تباہ و برباد کرنے کے لیے صرف کرتے تھے اور اس کے ذریعے وہ مخالفین اسلام کو رسوائی و سوء کے خوف اکساتے تھے یا وہ اموال مراد ہیں جو یہودی اپنے علماء کو کتب آسمانی میں تحریر کرنے کے عوض دیتے تھے لیکن واضح ہے کہ آیت کے مفہوم میں عمومیت ہے اور یہ ان لوگوں کے علاوہ اس قسم کے باقی افراد کے لیے بھی ہے۔

”وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَتَكُنُ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ“

آیت کے آخر میں کہا گیا ہے کہ خدا نے اس سلسلے میں ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور وہ اپنا سرمایہ خود برباد کرتے ہیں کیونکہ فاسد اور برے کام کا نتیجہ فاسد اثر کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

۱۱۸۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بٰطِلًا مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَالُوْكُمْ خَبٰٓلًاۚ  
وَّذُوْا مَا عِنْتُمْ قَدْ بَدَتِ الْبُقْعَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ  
اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

۱۱۹۔ هَآ اَنْتُمْ اَوْلَآءُ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهِۦ  
اِذَا الْقُوَّةُ قَالَوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَصَوْا عٰلِيْكُمْ اِلَّا نَآمِلَ مِنَ الْغِيْظِ قُلْ  
مُوتُوْا بِغِيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ ۝

۱۲۰۔ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُوْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا وَاِنْ  
تَصِبْرُوْا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْۤآ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْملُوْنَ مُحِيْطٌ ۝

ترجمہ

۱۱۸۔ اے ایمان والو! اپنیوں کے علاوہ کسی کو رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کے بارے میں کوتاہی نہیں کریں گے وہ تمہاری تکلیف اور رنج پر خوش ہوتے ہیں بلکہ ان کے دل کی دشمنی اور عداوت ان کے منہ سے نکل پڑتی ہے اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہے وہ اس سے بھی شدید تر ہے۔ ہم نے آیات (اور ان سے محفوظ رہنے کی تدابیر) تمہارے لیے واضح کر دی ہیں بشرطیکہ تم عقل و ذر سے کام لو۔

۱۱۹۔ تم عجیب لوگ ہو کہ نہیں دوست رکھتے ہو لیکن وہ تمہیں دوست نہیں رکھتے مالا محکمہ تم تمام آسمانی کتب پر ایمان رکھتے ہو لیکن



وہ تہباری آسمانی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے، اور جس وقت وہ تم سے ملتے ہیں تو (جھوٹ موٹ) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں لیکن جب وہ تنہائی میں ہوتے ہیں تو شدید غیظ و غضب سے اپنی انگلیاں کاٹنے لگ جاتے ہیں۔ ان سے (کہہ دو کہ تم اپنے غصہ میں جلی مروجہ داسینوں میں چپے ہوئے (اسرار) سے آگاہ ہو۔

۱۲۰ اگر تمہیں کوئی راحت ملتی ہے تو انہیں بڑا ملتا ہے اور اگر تمہیں کوئی ناخوشگوار حادثہ پیش آجائے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں لیکن تم اگر دان کے مقابلے میں ثابت قدمی اور پرہیزگاری اختیار کرو گے تو ان کی (خائن) سازشیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں۔ خدا اس چیز پر اطمینان رکھتا ہے جو وہ انجام دیتے ہیں۔

### شان نزول

ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ آیات اُس وقت نازل ہوئیں جب کچھ مسلمان یہودیوں سے قربت داری و مہمانگی رشتہ رفاقت یا قبل اسلام کے عہد و ایمان کی وجہ سے دوستی رکھتے تھے اور ان کے ساتھ اس نوع و محبت سے پیش آتے تھے یہاں تک مسلمانوں کے عہد اک پر ظاہر کر دیتے تھے۔ اس طریقے سے یہودی مسلمانوں کے رازوں سے آگاہ ہو جاتے تھے حالانکہ وہ اندرونی طور پر مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اگرچہ ظاہری طور پر اپنے آپ کو ان کے دوست ظاہر کرتے تھے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی کہ چونکہ وہ لوگ تمہارے دین میں نہیں آئے اس لیے انہیں اپنا راز دار نہ بناؤ کیونکہ وہ تمہارے بارے میں کسی بڑائی سے دریغ نہیں کریں گے۔ ان کی خواہش ہے کہ تم ہمیشہ مصیبت میں رہو۔

### تفسیر

#### اغیار کو راز دال نہ بناؤ

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ.....“

”بطانت“ کے معنی معنی میں پہلا لباس اور اس کے مقابلے میں ”مخمارہ“ (اور پر کا لباس) ہے یہاں یہ راز دال سے کیا ہے اور ”خیال“ اصل میں کسی چیز کے نیست و نابود ہونے کے معنی میں ہے اور زیادہ تر ان نقصانات پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو قتل انسانی پر اثر انداز ہوں۔

گذشتہ آیات میں مسلمانوں اور کفار کا تقابلی کیا گیا۔ اس آیت میں ایک خاص مسئلے کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے اور ایک حسین و لطیف تشبیہ کے ذریعے تنبیہ کی گئی ہے کہ اپنے ہم مسلک افراد کے علاوہ کسی کو اپنا دوست اور ہمراز نہ بناؤ اور اغیار کو اپنے اندرونی راز نہ بتاؤ یعنی کفار تہباری دوستی کے لائق نہیں اور نہ ہی انہیں تہباز دوست اور ہمراز بنانا چاہیے کیونکہ وہ مسلمانوں کو گزند پہنچانے میں



کوتاہی نہیں کرتے (لا یامونکم غیبا) مابعد دوستی ہرگز ان کے لیے کاوت نہیں بنتی کروہ مذہب و ملک کی بنا پر تمہاری تکلیف و نقصان کا دوسرے بلکہ ان کی ہمیشہ خواہش یہ ہے کہ تم غم و اندوہ میں مبتلا رہو (و قد امانا عنکم)۔

وہ مگر اپنی رفتار و رفتار میں احتیاط ہستے ہیں اور سچ بھکر بات کرتے ہیں تاکہ تم پر ان کے راز فاش نہ ہوں اور نہ ان کی خفی باتوں کا تبصیر علم ہو۔ لیکن اس کے باوجود دشمنی و عداوت کے آثار ان کی باتوں سے چپکتے ہیں اور کبھی کبھار دشمنی طر پر کچھ باتیں ان کی زبان پر آ جاتی ہیں جو ان کے دلوں میں آگ کی چنگاریوں کی مانند ہیں اور ان کی وجہ سے ان کے باطن کو سمجھا جا سکتا ہے (قد صدت البغضاء من احوالہم)۔

آیت وہ حقیقت بیان کر رہی ہے جس کی طرف حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبے میں اشارہ فرمایا ہے کہ:

”ما اضمر احد شئ الا اظهر فی صفحات وجہہ او فلتات لسانہ“

کوئی شخص اپنے باطن میں کسی ماز کو نہیں چھپا سکتا مگر یہ کہ وہ اس کے چہرے کے رنگ اور اکھڑی اکھڑی توجہ سے غالی ہلکا سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس سے خداوند عالم نے دشمنوں کے باطن کو پہچاننے کے طریق کی نشاندہی کی ہے اور ان کی اندرونی باتوں کے متعلق فرمایا ہے کہ جو کچھ عداوت اور دشمنی وہ اپنے دل میں چھپاتے ہوتے ہیں وہ اس سے کئی درجہ زیادہ ہے جس کا وہ زبان سے اظہار کرتے ہیں (وما تخفی صدورہم)۔

اس کے بعد مزید کہا گیا کہ ہم نے یہ آیات اس لیے بیان کیں کہ ان میں تدبیر کرنے سے تم دوست دشمن کے شر سے غلامی حاصل کرو گے (قد بینا لکم الایات ان کنتم تعقلون)۔

ہا انتعزلوا۔ تحبونہم ولا یحبونکم و قومون بالکتاب کلہ۔۔۔۔۔

اے کروہ سلیم! تم ان سے قرابت، ہمسائیگی یا کسی اور سبب سے دوستی کا رشتہ قائم کرتے ہو مگر اس سے غافل ہو کر وہ تمہیں ہرگز دوست نہیں رکھتے۔ حالانکہ تم اللہ کی طرف سے نازل کردہ تمام آسمانی کتب پر ایمان رکھتے ہو (چاہے وہ تمہاری کتاب ہو یا ان کی آسمانی کتب) لیکن وہ تمہاری آسمانی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے۔

”واذا القو کہ قالوا امنا و اذا اخلوا عنوا حدیکم الا تامل من الفیظ“

اہل کتاب کا یہ گروہ و غلامی کرتا ہے جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان سے آئے ہیں اور ہم تمہارے دین کی تصدیق کرتے ہیں لیکن جب یہ ملک میں رہتے ہیں تو کیم و عداوت اور غیبت سے اپنی انگلیوں کی پوریں کاٹتے ہیں (قل مومنوا بحدیظکم)۔ کہہ دو! اپنے غیبت میں ملے ہو اور یہ غیبت و غیبت مرتے دم تک تم سے جدا نہیں ہوگا۔

”ان اللہ علیہ بذات الصدود“

تم ان کی کیفیت سے آگاہ نہیں ہو لیکن خدا ان کی خبر رکھتا ہے کیونکہ وہ دلوں میں چھپے ہوئے جیمہ دل سے واقف ہے۔

ان تمسککم حسنة تسوہم و ان تمسککم سیتة یفرحو ابہا۔۔۔۔۔

اس آیت میں ان کے بغض و کین کی ایک علامت بیان کی گئی ہے کہ اگر تمہیں فتح و کامیابی نصیب ہو تو وہ ناخوش ہوتے ہیں اور تمہیں





کوئی نا خوشگوار واقعہ پیش آئے تو وہ سرور ہوتے ہیں۔

”وَإِنْ قَصِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ“

لیکن اگر تم ان کی کید پروریوں کے مقابلے میں مبر سے کام لو اور خود اور پرہیزگار بن جاؤ تو وہ اپنی فائن سازشوں کے ذریعے تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے کیونکہ جو کچھ وہ کرتے ہیں، اس پر خدا کمال کنٹرول رکھتا ہے۔ بنا برائیں آیت کے سیاق و سباق سے جہد جلتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے دشمنوں کی بڑی سازشوں سے بچنے کے لیے استقامت، ہوشیاری اور تقویٰ شرط ہے اور اسی صورت میں ان سے ہار نہ رہنے کی ضمانت دی گئی ہے۔

### مسلمانوں کے لیے تنبیہ

خداوند عالم اس آیت میں مسلمانوں کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کو اپنا مزید نہ بھیں اور مسلمانوں کی مادی باتیں ان کے سامنے ظاہر نہ کریں۔ یہ خطرے کی نشاندہی عمومی شکل میں ہے، ہر زمانے اور ہر حالت میں مسلمانوں کو اس تنبیہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے لیکن اس آیت ہے کہ قرآن کے بہت سے ماننے والے اس تنبیہ سے غفلت برتتے ہیں اور اس کے نتیجے میں بہت سی مشکلات میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ مصرعہ میں بھی مسلمانوں کے گرد و پیش ایسے خفیہ دشمن ہیں جو اپنے آپ کو ان کا دوست ظاہر کرتے ہیں اور ظاہری طور پر مسلمانوں کی حمایت کا دم بھرتے ہیں لیکن ان کی کارستانیوں ان کا جھوٹ ظاہر کرتی ہیں۔ مسلمان ان کے ظاہر سے دھوکا کھانے پر آمادہ کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ مسلمانوں کے لیے پریشانی اور روسیاء ہی کے علاوہ کچھ نہیں چاہتے اور ان کی راہ میں کانٹے بچا کر ان کی مشکلات میں اضافہ کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ دور جاننے کی ضرورت نہیں گذشتہ چند سالوں میں مسلمان دو بڑی جنگوں میں مبتلا ہوئے ہیں۔ پہلی جنگ میں انہیں دردناک شکست کا سامنا کرنا پڑا جب کہ دوسری جنگ میں وہ واضح کامیابی کا سران سے جھکا رہے تھے اور دشمنوں کا دشت ناک ٹپ اور ناقابل شکست ہونے کا افسانہ محو ہونے لگا اور جلال کی پہاڑیوں کے معرکے میں پہلے ان دشمن ہو گئے اور مسلمانوں نے پہلی مرتبہ کامیابی کا ذائقہ چکھا۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوا کہ اس مختصر مدت میں حالات دگرگوں ہو گئے۔

اس سوال کے لیے ایک طویل و مریض جواب کی ضرورت ہے لیکن اس شکست و کامیابی کا ایک مؤثر عامل یہ تھا کہ پہلی جنگ میں انصار میں سے بعض ظاہر دوستی کا دم بھرتے تھے مسلمانوں کے جنگی منصوبوں سے آگاہ تھے لیکن دوسری جنگ میں ہوائی دھواں مسلمان سربراہوں کے کوئی ان کے منصوبوں سے واقف نہیں تھا اور یہی ان کی کامیابی کا راز تھا اور یہ اس حکم قرآنی کی عظمت کی زین و سیل تھی۔

۱۲۱۔ وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

۱۲۲۔ إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيَهُمَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ○



ترجمہ

۱۲۱ اور یاد کرو) وہ وقت جب تم بیچ کے وقت اپنے گھروالوں سے مومنین کے لیے لشکر جنگ انتخاب کرنے باہر نکلے۔ خدا سننے اور جاننے والا ہے جنگ کے بارے میں جو بات حقیقت کی گئی اور جو افکار بعضوں کے دماغ میں پرورش پا رہے ہیں خدا انہیں جانتا ہے۔

۱۲۲ اور یاد کرو) وہ وقت جب تم میں سے دو گروہوں نے سستی کا مظاہر کرنے کا حکم ارادہ کیا (اور پابا کر دو راستے سے پلٹ جائیں) اور خدا اُن کا مددگار تھا (کہ وہ اسی فکر سے باز آجائیں) اور اہل ایمان کو صرف خدا پر توکل کرنا چاہیے۔

تفسیر

”وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ بِتَبَوُّىَ الْمُؤْمِنِينَ مُقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ“

یہاں سے ایک اہم اور وسیع اسلامی واقعہ یعنی جنگ امد کے بارے میں آیات شروع ہوئی ہیں۔ گذشتہ آیات کے قرائن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں آیات جنگ امد کے بعد نازل ہوئیں، اور اس وحشتناک جنگ کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور بہت سے حضرات کا بھی یہی نظریہ ہے۔

سب سے پہلے یہ پیغمبر کے مدینہ سے کوہ امد کے دامن میں لشکر گاہ کے انتخاب کے لیے باہر آنے کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور ارشاد ہوتا ہے: اسے پیغمبر یاد کرو! اسی دن کو کہ بیچ کے وقت تم اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر مدینہ سے باہر نکلے تاکہ دشمن سے جنگ کرنے کے لیے مومنین کے لیے کوئی لشکر گاہ تیار کر سکو۔ اسی روز مسلمانوں کے درمیان پیکیگوئیاں ہوئیں اس کی طرف ہم واقعہ امد کی تفصیل میں اشارہ کریں گے۔ مقام جنگ کے انتخاب کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف تھا کہ آیا مدینہ میں ہو یا باہر اور مسلمانوں نے اکثریت کے نظریہ کو قبول کر لیا اور لشکر گاہ شہر سے باہر کوہ امد کے دامن میں قتل کر دی۔ نظری طور پر ان میں کچھ ایسے افراد بھی تھے جنہوں نے کچھ باتیں دل میں چھپا رکھی تھیں اور کئی وجوہات کی بنا پر انہیں ظاہر کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھے واللہ سمیع علیہ۔ کابل گویا ان سب کی حالت کی غازی کرتا ہے کہ خدا اقبال ہی باتوں کو بھی سنتا ہے اور تمہارے نفعی جمید دل کو بھی جانتا ہے۔

”أَذْهَقْتَ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَا ...“

اس جملے کا روئے سخن اس بارے کے ایک اور پہلو کی طرف ہے اور وہ یہ کہ اسی وقت مسلمانوں کے دو گروہ (تار مخ کے مطابق تہجد اس میں سے ہوسلہ اور خورج میں سے بنو حارثہ) نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ جنگ سے پہلو تہی کرتے ہوئے ایک راستے سے مدینہ کی طرف پلٹ آئیں گے اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ مدینہ کے اندر جنگ کرنے کے حق میں تھے لیکن پیغمبر اکرم نے اس بات کو قبول نہ کیا علاوہ ازیں یہاں کہ امد کی تفصیل سے معلوم ہو جائے گا کہ عبداللہ بن مولیٰ تین سو یہودیوں کے ہمراہ لشکر اسلام میں آیا تھا اور اس صورتحال کی وجہ سے وہ لوگ بھی مدینہ کی طرف واپس آ گئے۔ اسی بات نے دو مسلمان گروہوں کے ٹوٹ جانے کے پختہ ارادوں کو متزلزل اور کمزور کر دیا لیکن عیا کہ آیت کے



ذیل سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دونوں کُرد اپنے ارادے سے پلٹ آئے اور دیگر مسلمانوں سے کہے۔ اس لیے قرآن کہتا ہے کہ واللہ ولہما وعلى اللہ فلیتوکل المؤمنون یعنی خدا ان دو گروہوں کا مددگار و معاون ہے اور اہل ایمان کو خدا پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

ضمنی طور پر اس بات کی طرف بھی متوجہ رہنا چاہیے کہ واقعہ اُمد کا ذکر ان آیات کے بعد ہو کفار پر اُمتداد نہ کرنے کے بارے میں تھیں۔ اس زندہ حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح پہلے بھی گُذر چکا ہے اور بعد میں بھی تفصیل کے ساتھ بتائیں گے کہ پیغمبر اکرمؐ نے ان یہودیوں کو اجازت نہ دی جو بظاہر مسلمانوں کی حمایت کے لیے اُمتد کھڑے ہوئے تھے اور وہ اسلامی لشکر کا دیں شہرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ پھر بھی بیگانے تھے اور ان نازک حالات میں ان کا مسلمانوں کے ساتھ ہونا مناسب نہ تھا۔

## جنگ اُمد

### اسباب جنگ

اس مقام پر ضروری ہے کہ پہلے جنگ اُمد کے مجموعی واقعات کا تذکرہ کیا جائے۔ روایات اور اسلامی تواریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب کفار مکہ جنگ بدر میں شکست خوردہ ہوئے اور ستر مقتول ستر قیدی چھوڑ کر مکہ کی طرف پلٹ گئے تو ابوسفیان نے لوگوں کو خبردار کیا کہ وہ اپنی عورتوں کو مقتولین بدر پر گریہ و زاری نہ کرنے دیں کیونکہ آنسو غم و اندوہ کو دور کر دیتے ہیں اور اس طرح مکہ کی دشمنی اور عداوت ان کے دلوں سے زائل ہو جائے گی۔ ابوسفیان نے خود یہ مہر کر رکھا تھا کہ جب تک جنگ بدر کے قاتلوں سے انتقام نہ لے لے اس وقت تک وہ اپنی بیوی سے بہترینی نہیں کرے گا۔ بہر حال قریش بزمکن ہریقے سے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے تھے اور انتقام کی صدا فہر کر میں بلند ہو رہی تھی۔

ہجرت کے تیسرے سال قریش تین ہزار سوار اور دو ہزار پیدل فوج کے ساتھ بہت سا مالان جنگ لے کر آپؐ سے جنگ کرنے کے لیے مکہ سے نکلے اور میدان جنگ میں ثابت قدمی سے لڑنے کے لیے اپنے بڑے بڑے بہت اہل اپنی عورتیں بھی ہمراہ لے آئے۔

### جناب عباسؓ کی بروقت اطلاع

حضرت رسول خداؐ کے چچا حضرت عباسؓ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور قریش کے درمیان ان کے ہم مشرب و ہم مذہب تھے لیکن اپنے بھتیجے سے فطری محبت کی بنا پر جب انہوں نے دیکھا کہ قریش کا ایک طاقتور لشکر پیغمبرؐ سے جنگ کرنے کے لیے مکہ سے نکلا ہے تو فوراً ایک خط لکھا اور قبیلہ بنی نضار کے ایک آدمی کے ہاتھ مدینہ بھیجا۔ عباسؓ کا قصد بڑی تیزی سے مدینہ کی طرف رواد ہوا۔ جب آپؐ کو اس کی اطلاع ملی تو آپؐ نے سعد بن ابی کو عباسؓ کا پیغام پہنچایا اور حتی الاسکان اس واقعہ کو پروہ و راز میں رکھنے کی کوشش کی مگر پیغمبرؐ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ جس دن عباسؓ کا قصد آپؐ کو موصول ہوا آپؐ نے چند مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مکہ مدینہ کے راستے پر جائیں اور لشکر کفار کے کوائف معلوم کریں۔ آپؐ کے دو نمائندے ان کے حالات معلوم کر کے بہت جلدی واپس آئے اور قریش کی قوت و طاقت سے آنحضرتؐ کو مطلع کیا اور یہ بھی اطلاع دی کہ یہ طاقتور لشکر خود ابوسفیان کی کمان میں ہے۔



پیغمبر اکرمؐ نے چند روز کے بعد تمام اصحاب اور اہل مدینہ کو بلایا اور ان درمیں ملاقات کا مقابلہ کرنے کے لیے میٹنگ کی۔ اس میں جنگ کے خط کو بھی پیش کیا گیا اور اس کے بعد تمام جنگ کے بارے میں رائے لی گئی۔ اس میٹنگ میں ایک گروہ نے رائے دی کہ جنگ دشمن سے مدینہ کی تنگ گھیر میں کی جائے کیونکہ اس صورت میں کمزور مرد، عورتیں، بچے، کمزور بھی مددگار ثابت ہو سکیں گی۔ عبداللہ بن ابی نے تاکید کیا کہ یا رسول اللہ! آج تک ایسا نہیں ہوا کہ ہم اپنے قلعوں اور گھروں میں ہوں اور دشمن ہم پر کامیاب ہو گیا ہو۔ اس رائے کو آپؐ بھی اس وقت کی مدینہ کی پوزیشن کے مطابق نظر استملا دیکھتے تھے۔ کیونکہ آپؐ بھی مدینہ ہی میں ٹھہرنا چاہتے تھے لیکن فوجیوں اور جنگجوؤں کا ایک گروہ آپؐ اس کا مخالف تھا۔ چنانچہ سعد بن معاذ اور عبیدہ اوس کے چند افراد نے کھڑے ہو کر کہا اسے رسولؐ خدا! گزشتہ زمانے میں عربوں میں سے کسی کو یہ برائت نہ تھی کہ ہماری طرف نظر کرے بلکہ ہم شرک اور بت پرست تھے، اب جبکہ ہمارے درمیان آپؐ کی ذات مقدسہ منجات موجود ہے، کس طرح وہ ہمیں دبا سکتے ہیں اس لیے شہر سے باہر جنگ کرنی چاہیے۔ اگر ہم میں سے کوئی مارا گیا تو دو جام شہادت نوش کرے گا اور اگر کوئی بچ گیا تو اسے جہاد کا اعزاز و امتیاز نصیب ہوگا۔ اس قسم کی باتوں اور فوجی شجاعت نے مدینہ سے باہر جنگ کے حامیوں کی تعداد کو بڑھا دیا یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی کی پیشکش سرخانی میں جا پڑی۔ خود پیغمبرؐ نے بھی اس مشورے کا احترام کیا اور مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کے طرفداروں کی رائے کو قبول فرمایا اور ایک صحابی کے ساتھ مقام جنگ کا انتخاب کرنے کے لیے شہر سے باہر تشریف لے گئے آپؐ نے کوہ احد کا دامن شکر گاہ کے لیے منتخب کیا کیونکہ جگہ نفع نظر سے یہ مقام زیادہ مناسب تھا۔

## مسلمانوں کی دفاعی تیاریاں

جس کے دن آپؐ نے یہ مشورہ لیا اور نماز جوہر کا خطبہ پڑھتے ہوئے آپؐ نے حمد و ثناء کے بعد مسلمانوں کو لشکر قریش کی آمد کی اطلاع دی اور فرمایا کہ تہ دل سے جنگ کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور پورے ہنر سے دشمن سے لڑو تو خداوند قدوس تمہیں کامیابی و کامرانی سے بہکا کر دے گا اور اسی دن آپؐ ایک ہزار افراد کے ساتھ شکر گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپؐ خود لشکر کی کمان کر رہے تھے۔ مدینہ سے نکلنے سے قبل آپؐ نے حکم دیا کہ لشکر کے تین علم بنائے جائیں جن میں ایک مہاجرین اور دو انصار کے ہوں پیغمبر اکرمؐ نے مدینہ اور انصار کے درمیان فاصلے کو پاپیادہ طے کیا اور مارے راستے لشکر کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ خود لشکر کی صفوں کو منظم و مرتب رکھا تاکہ وہ ایک ہی سیدھی صف میں مارچ کریں۔

ان میں سے کچھ ایسے افراد کو دیکھا جو پہلی دفعہ آپؐ کو نظر پڑے۔ پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ عبداللہ بن ابی کے ساتھی کچھ یہودی ہیں اور اس مناسبت سے مسلمانوں کی مدد کے لیے آئے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ مشرکین سے جنگ کرنے میں مشرکین سے مدد نہیں لی جا سکتی مگر یہ کہ یہ اسلام قبول کر لیں۔ یہودیوں نے اس شرط کو قبول نہ کیا اور سب مدینہ کی طرف پلٹ گئے۔ یوں ایک ہزار میں سے تین سو افراد کم ہو گئے تھے

لیکن مضمرین نے لکھا ہے کہ چونکہ عبداللہ بن ابی کی رائے کو رد کیا گیا تھا اس لیے وہ اٹھائے راہ میں تین سو سے زیادہ افراد کو لے



مدینہ کی طرف پلٹ آیا۔ ہر صورت پیغمبر اکرمؐ لشکر کی مزدوری چھان چٹنگ لہو دیوں یا ابن ابی کے ساتھیوں کو نکالنے کے بعد رات سا فراد کو ہمراہ لے کر کوہ اُمد کے اُسن میں پہنچ گئے اور غزہ قبر کے بعد مسلمانوں کی صفوں کو آراستہ کیا۔ عبد اللہ بن جبر کے پاس ماہر تیراندازوں کے آئے پہاڑ کے ذریعہ پر تعینات کیا اور انہیں تاکیدی کر دہ کسی صورت میں اپنی جگہ نہ چھوڑیں اور فوج کے پچھلے حصے کی حفاظت کریں اور اس جنگ تاکیدی کی کہ اگر ہم دشمن کا مکمل ہتھیار کریں یا ہم شکست کھا جائیں اور دشمن ہمیں مدینہ تک جانے پر مجبور کر دے پھر بھی تم اپنا مورچہ نہ چھوڑنا۔ دوسری طرف سے ابوسفیان نے خالد بن ولید کو منتخب سپاہیوں کے ساتھ اس دروہ کی نگرانی پر تعین کیا اور انہیں ہر حالت میں وہیں رہنے کا حکم دیا اور کہا کہ جب اسلامی لشکر اس دروہ سے ہٹ جائے تو فوراً لشکر اسلام پر پیچھے سے حملہ کر دو۔

## آغاز جنگ

دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف بستہ ہو کر جنگ کے لیے آمادہ ہو گئے اور یہ دونوں لشکر اپنے نوجوانوں کو ایک خاص انداز سے برائیت کرتے تھے۔ ابوسفیان کعب کے بٹوں کے نام سے کر اور غصہ رت حوروں کے ذریعے اپنے جنگی نوجوانوں کی توجہ بند دل کرانے کے لیے کو ذوق و شوق دلاتا تھا جب کہ پیغمبر اسلامؐ خدا کے اسم مبارک اور انعامات اعلیٰ کے حوالے سے مسلمانوں کو جنگ کی ترغیب دیتے تھے۔ اچانک مسلمانوں کی صفوں میں اللہ اکبر سے میدان اور اُسن کوہ کی فضا کو نجی اٹھی جب کہ میدان کی دوسری طرف قریش کی لڑکیوں نے دفن اور سارنجی پر اشعار گانے لگا کر قریش کے جنگی افراد کے احساسات کو ابھارا۔ جنگ کے شروع ہوتے ہی مسلمانوں نے ایک شدید حملے سے لشکر قریش کے پیچھے اٹھا دینے اور وہ اس بانٹ ہو کر جاگ کھڑے ہوئے اور لشکر اسلام نے ان کو ہتھیار کرنا شروع کر دیا۔ خالد بن ولید نے جب قریش کی یقینی شکست دیکھی تو اس نے چاباک دروہ کے راستے نکل کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کیا جس سے لیکن تیراندازوں نے اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ قریش کے قدم اکھڑتے دیکھ کر تانہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے دشمن کو شکست خوردہ مجھ کر مال غنیمت جمع کرنے کے لیے اچانک اپنی پوزیشن چھوڑ دی۔ ان کی دیکھا دیکھی دروہ پر تعینات تیراندازوں نے بھی اپنا مورچہ چھوڑ دیا۔ ان کے کمانڈر عبد اللہ بن جبر نے انہیں آپ کا حکم یاد دلایا مگر سوائے چند انصاریوں اور اُسن کے کوئی اس اہم جگہ پر نہ ٹھہرا۔

عکب پیغمبر اکرمؐ کی مخالفت کا نتیجہ یہ نکلا کہ خالد بن ولید نے دروہ نکل دیکھ کر بڑی تیزی سے عبد اللہ بن جبر پر حملہ کیا اور اسے اس کے ساتھیوں سمیت قتل کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اچانک مسلمانوں نے ہر طرف سے جنگی تھوڑوں کی تیز دھاروں کو اپنے سروں پر دیکھا تو اس بانٹ ہو گئے اور اپنے آپ کو مستحکم نہ رکھ سکے۔ قریش کے جنگجوؤں نے جب یہ موقع مل گیا تو وہ بھی پلٹ آئے اور مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اسی موقع پر لشکر اسلام کے بہادر انصاریہ الشہداء حضرت حمزہؓ نے دوسروں مسلمانوں کے ساتھ جام شہادت نوش کیا۔ سوائے چند شیعہ رسالت کے پروانوں کے باقی مسلمانوں نے دشت زدہ ہو کر میدان کو دشمن کے حوالے کر دیا۔ اس خطرناک جنگ میں جس نے سب سے زیادہ خدا کا کامیابی کا مظاہرہ کیا اور پیغمبر اکرمؐ پر جو نئے دوائے دشمن کے ہر حملے کا دفاع کیا وہ حضرت علیؓ بن ابی طالب علیہ السلام تھے۔ حضرت علیؓ بڑی جرات اور بے جگری سے جنگ کر رہے تھے یہاں تک کہ آپؐ کی تلوار ٹوٹ گئی اور پیغمبر اکرمؐ نے اپنی تلوار آپؐ کو عنایت فرمائی جو ذوالفقار کے نام سے مشہور ہے۔ بالآخر آپؐ ایک مورچہ میں ٹھہر گئے اور حضرت علیؓ مسلسل آپؐ کا دفاع کرتے رہے یہاں تک کہ بعض مورخین کی تحقیق کے مطابق حضرت علیؓ کے جسم کو ساٹھ زخم آئے اور اسی موقع پر تلوار وحی نے پیغمبرؐ سے



عزلی کیا: اسے محمدؐ یہ ہے مواسات و معاونت کا حق۔ تو آپؐ نے فرمایا: ایسا کیوں نہ ہو کہ اعلیٰ بھستے ہے اور میں اعلیٰ سے ہوں۔ تو جبریلؑ نے اضافہ کیا: میں تم دونوں سے ہوں۔ اہم مصداق ارشاد فرماتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے قاصد وحی کو آسمان میں یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ لَا سِيفَ الْاِذَا وَالْفَتَارَ وَلَا فَتْنَىٰ رَاكَ عَسَىٰ - (ادوا افتخار کے علاوہ کوئی تواریخیں اور علی کے سوا کوئی جو امر نہیں)۔ اس اثناء میں یہ آواز بلند ہوئی کہ محمدؐ قتل ہو گئے۔

## کون پکارا کہ محمدؐ قتل ہو گئے ہیں

بعض سیرت نگار و قطران ہیں کہ ابن قعنے اسلامی سپاہی معصوب کہ پیغمبرؐ سمجھ کر اس پر کادی ضرب لگائی اور با آواز بلند کہا: اوت و عزلی کی قسم محمدؐ قتل ہو گئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ افراد چاہے مسلمانوں نے اڑائی یا دشمن نے لیکن مسلمانوں کے لیے نفع و مان ثابت ہوئی اس لیے کہ جب آواز بلند ہوئی تو دشمن میدان چھوڑ کر مکہ کی طرف چل پڑے در ذریش کا فاتح شکر حضورؐ کے لیے دلوں میں کینہ رکھتا تھا اور انتقام لینے کی نیت سے آیا تھا کسی میدان نہ چھوڑا۔ قریش کے پانچ ہزار افراد پر مشتمل حاکم نے میدان جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی کے بعد ایک رات بھی سب تک وہاں نہ گزاری اور اسی وقت کوئی طرف چل پڑے۔

پیغمبرؐ کی شہادت کی خبر نے بعض مسلمانوں میں زیادہ اضطراب و پریشانی پیدا کر دی۔ جو مسلمان اب تک میدان کارزار میں موجود تھے، انہوں نے اس خیال سے کہ دوسرے مسلمان پرانہ روز ہوں، آنحضرتؐ کو پناہ کے اوپر سے گئے تاکہ مسلمانوں کو پتہ چل جائے کہ آپؐ بغیر حیات ہیں۔ یہ دیکھ کر حاکم نے اہل آگے اور آنحضرتؐ کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہو گئے، آپؐ نے ان کو ملامت و سزاؤں کی کہ تم نے ان خطرناک حالات میں کیوں فرار کیا، مسلمان شرمندہ تھے انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا: اے رسولؐ خدا! ہم نے آپؐ کی شہادت کی خبر سنی تو خوف کی شدت سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ یوں مسلمانوں کو جنگ اُحد میں بہت زیادہ جانی و مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑا مسلمانوں کے ستر افراد شہید ہوئے اور بہت سے زخمی ہو گئے لیکن مسلمانوں کو اس شکست سے بہت بڑا درس ملا جو بعد کی جنگوں میں ان کی کامیابی و کامرانی کا باعث بنا۔ آئندہ آیات میں انشاء اللہ اس کا ذکر آجائے گا۔

۱۲۳۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ ○

۱۲۴۔ اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُعِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلَافٍ

مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزِلِينَ ○

۱۲۵۔ بَلَىٰ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوا وَيَاْتُوكُم مِّنْ فَوْرِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ

اَلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ○



۱۳۳ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝

۱۳۴ لَيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتُهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ۝

ترجمہ

۱۳۳ خدا نے بدر میں تمہاری مدد کی (اور تم خطرناک دشمنوں پر قیاب ہوئے) جب کہ تم ان کی نسبت ناقواں تھے پس خدا سے ڈرو! اور دشمن کے مقابلے میں حکم فیروز کی نافرمانی نہ کرو، تاکہ تم اس کی نصرت کا شکر ادا کرنے والوں میں شمار ہو۔

۱۳۴ جس وقت تم یمنین سے کہتے تھے کہ کیا یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہیں ہزار طاغوت (آسمان سے) اتار کر تمہاری مدد کرے۔

۱۳۵ ہاں! (آج بھی) اگر تم صبر و استقامت اور پریزگاری اختیار کرو اور جب دشمن تم پر چڑھ آئے گا تو خدا پانچ ہزار مخلص نشان رکھنے والے فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد کرے گا۔

۱۳۶ لیکن یہ سب کچھ تو صرت تمہیں بشارت دینے کے لیے اور تمہارے اطمینان کی خاطر ہے درندہ کامیابی تو فقط خدائے توانا و حکیم کی طرف سے ہے۔

۱۳۷ (یہ وعدہ جو خدا نے تمہارے ساتھ کیا ہے) اس لیے ہے تاکہ شکرِ کفار کے ایک حصہ کو قطع کر دے یا انہیں ذلت کے ساتھ پٹائے تاکہ وہ مایوس ہو کر اپنے علاقے کو ہٹ جائیں۔

تفسیر

جنگ کا خطرناک مرحلہ

جنگ اُحد کے اختتام پر مشرکین کا قریب شکر بڑی تیوری کے ساتھ مکہ کی طرف ہٹ گیا لیکن راستے میں انہیں یہ فکر اس گیر ہونے لگی کہ انہوں نے اپنی کامیابی کو ناقص کیوں چھوڑ دیا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ مدینہ کی طرف ہٹ جائیں اور اسے غارت و تاراج کر دیں اور اگر محمدؐ زندہ ہوں تو انہیں قتل کر دیں تاکہ ہمیشہ کے لیے اسلام اور مسلمانوں کی فکر ختم ہو جائے۔ اسی بنا پر انہیں واپس لوٹنے کا حکم دیا گیا اور درحقیقت جنگ اُحد کا یہ خطرناک مرحلہ تھا کیونکہ کافی مسلمان شہید اور زخمی ہو چکے تھے اور فطری طور پر وہ از سر نو جنگ کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھے جبکہ اس کے برعکس اس مرتبہ دشمن بہنو و جذبہ کے ساتھ جنگ کر سکتا تھا اور اس کا نتیجہ حاسل کر سکتا تھا۔ اس باہکی اطلاع جلد ہی آپؐ تک پہنچ گئی۔









الامن عند الله۔۔۔۔۔

لیکن یہ بات یاد رہے کہ تباری مدد کے لیے طائر کی آمد تو صرف تباری تشویق، اطمینان قلب اور تقویت جذبہ کے لیے ہے۔ ورنہ کامیابی تو صرف خدا کی طرف سے ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور تمام کاموں میں اس کی مکت کار فرما ہے۔ وہ کامیابی کے راستے بھی بتاتا ہے اور اسے جاری کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

”لَيَقْطَعَنَّ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتُنَّهُمْ فَيَنقَلِبُوا خَائِبِينَ“

اگرچہ مفسرین حضرات اس آیت کی تفسیر میں اختلافات کے شکار ہیں لیکن اگر سابقہ آیات کی طرح خود آیات اور موجودہ تاریخ سے مدلل جائے تو اس آیت کی تفسیر بھی واضح ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ یہ جو دشمن سے نئی جنگ کرنے کی ہدایت میں فرشتوں کے ذریعہ تباری مدد کا وعدہ کیا گیا ہے یہ اس بنا پر ہے کہ شکر مشرکین کے حقد کو قطع کر دے اور انہیں ذلت کے ساتھ پٹا دے۔ آیت میں ”طرف“ کا معنی ٹکڑا ہے اور ”یکبِتُنَّهُمْ“ کبت سے ہے جس کے معنی کسی کو ذلیل کر کے واپس کرنے کے ہیں۔

اس مقام پر فرشتوں کا مسلمانوں کی مدد کرنا اس کی کیفیت اور اس کی ضرورت کے سلسلہ میں چند سوالات ہو سکتے ہیں جن کا جواب شرح و بسط کے ساتھ سورہ انفال آیت ۱۲ تا ۱۴ کے ذیل میں پیش کیا جائے گا۔

۱۲۸۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبُهُمْ فَأِنَّهُمْ غَالِبُونَ ○

ترجمہ کسی قسم کا اختیار اکتار اور جنگ سے فرار کرنے والے مسلمانوں کے فیصلے کے بارے میں تمہیں نہیں ہے مگر یہ کہ خدا چاہے کہ انہیں درگزر کر دے یا سزا دے کی حکم وہ ظالم ہیں۔

تفسیر

اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں مفسرین میں بہت اختلاف ہے لیکن یہ سقم ہے کہ یہ آیت جنگ آمد کے بعد نازل ہوئی اور اس کے واقعات سے متعلق ہے۔ سابقہ آیات بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ اور آیت کی تفسیر میں دو باتیں تو مطلب ہیں پہلی یہ کہ آیت مستقل ایک جملہ ہے لہذا ”اور یَتُوبَ عَلَيْهِمْ“ کا معنی ”الان یتوب علیہم“ ہے۔

اس آیت کا مطلب یوں بنتا ہے کہ ان کے انجام کار کے بارے میں تم کچھ نہیں کر سکتے مگر یہ کہ خدا انہیں بخش دے یا اس ظلم کی وجہ سے انہیں سزا دے اور لفظ ”انہیں“ سے مراد کفار ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔ حتیٰ کہ انہوں نے پیغمبر اکرم کے دندان مبارک کو شہید کیا اور انہیں مبارک کو زخمی کر دیا اور مسلمان مراد ہیں جنہوں نے میدان کارزار سے فرار کیا ہے اور جنگ کے اختتام پر نادم و پشیمان ہوئے اور آپ سے معافی طلب کی۔ آیت بتلا رہی ہے کہ ان کی مغرور بخشش یا سزا و عذاب خدا کے ہاتھ میں ہے اور پیغمبر اکرم حکم خدا کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دیتے۔

دوسری تفسیر اس طرح کی گئی ہے ”لَیْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ“ جملہ معترضہ ہے جس کا پہلے اور بعد والے جملوں سے



ربط نہ ہو اور جلاہ و یتیم علیہما کا عطف صلیکبتہم پر ہے۔ اسی صورت میں دونوں آیات کا مفہوم یہ ہوگا کہ خدا کا میاں بی کے اسباب تبار سے قبضہ میں دے دیگا اور کفار کے لیے چار قسم کا انجام مقرر کرے گا یا لشکر شرکیں کے ایک حصہ کو نیست و نابود کرے گا یا انہیں کسی ذریعہ سے واپس جانے پر مجبور کرے گا یا انہیں شائستگی اور توبہ کی صورت میں بخش دے گا اور یا انہیں ظلم کی وجہ سے سزا دے گا۔ غرض یہ کہ ان کے ہر گروہ کے ساتھ عدالت و حکمت کا برتاؤ دیا جائے گا اور تم ان کے بارے میں اپنی طرف سے کسی قسم کا اقدام نہیں کر سکتے۔

اس آیت کی شان نزول روایات میں مختلف انداز سے پیش کی گئی ہے۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ جب جنگ اُحد میں انصار کے دندان مبارک شبیدہ ہوئے اور بنین مبارک زخمی ہو گئی اور مسلمانوں کو بیت سخت نقصان پہنچا تو پیغمبر کفار کے مرد و زوردار کے تعلق سوچنے لگے کہ یہ لوگ کس طرح راہ ہدایت پر آئیں گے اور فرمایا:

”کیف یصلح قوم فعلوا ہذا ینبئہم و هو یدعوہم الی ربہم“

یہ گروہ کیسے صلاح پائے گا جس نے اپنے پیغمبر سے یہ سلوک کیا جب کہ وہ انہیں خدا کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اس مقام پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی اور پیغمبر کو تسلی و تسخیر دی گئی کہ آپ ان کی ہدایت کے جو بارہ نہیں ہیں بلکہ آپ کی ذمہ داری صرف تبلیغ ہے۔

ایک اشتباہ اور اس کا ازالہ

یہاں دو نکات توجہ طلب ہیں:

(۱) تاہذ و ذلک مفسر مؤلف - النار - کا مذہب ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کو حصول کامیابی کے لیے مادی وسائل سے استفادہ کرنے کے سلسلے میں ایک ناقابل فراموش درس دیتی ہے اور وہ یہ کہ اگر خدا انہیں کامیابی کی توفیق عطا دیتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان مادی وسائل، سامان حرب و ضرب اور منصوبہ بندی کو فراموش کر دیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور کامیابی کے لیے پیغمبر کی دعا کا انتظار کریں۔ پیغمبر کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے: یٰسے لک من الامو من شئ۔ یعنی کامیابی کا معاملہ تیرے سپرد نہیں بلکہ وہ مشیتِ ایزدی کے تابع ہے۔ لہذا خدا نے ان کے لیے جو راستے مقرر کیے ہیں ان سے استفادہ کیا جائے اور پیغمبر کی دعا بھی اگرچہ مؤثر ہے لیکن اس میں اشتباہی پہلو موجود ہے اور وہ عقین مواقع کے ساتھ حضور ہے مؤلف موصوف کی یہ گفتگو اگرچہ منطقی و حکمت سے لبریز ہے لیکن یہ آیت کے ان مطالب سے مناسبت نہیں رکھتی جو کفار کی سزا یا توبہ کے بارے میں ہیں۔ لہذا اسے اس آیت کی تفسیر نہیں کہا جاسکتا۔

(۲) یہ آیت مخالفین اسلام کے بارے میں مغرور و شش یا سزا کے تعلق پیغمبر سے ہر قسم کے اختیارات سلب کر رہی ہے لیکن یہ اس بات کی نفی نہیں کرتی کہ مغرور و گذر کے لیے دعا اور شفاعت مؤثر ہیں۔ کیونکہ آیت بالا کا مقصد یہ ہے کہ آپ خود سے کوئی کام انجام نہیں دے سکتے البتہ خداوند تعالیٰ کے حکم و اذن سے معافی دے سکتے ہیں اور سزا بھی دے سکتے اور کامیابی کے حوالے بھی فراہم کر سکتے ہیں مگر یہ کہ پروردگار عالم کے اذن و اجازت سے حضرت مسیحی کی طرح مردوں کو بھی زندہ کر سکتے ہیں جو لوگ جلاہ لیس لک من الامو من شئ۔ اس کے واسطے پیغمبر اکرم کی طاقت کا انکار کرتے ہیں اور ان کے سلب اختیارات



پر اصرار کرتے ہیں، انہوں نے درحقیقت قرآن کی دیگر آیات کو فراموش کر دیا ہے قرآن مجید سورہ نساء آیت ۶۴ میں کہتا ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ

وَأَسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا

اگر وہ لوگ جب اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے، تمہارے پاس آجاتے اور معافی طلب کرتے اور پیغمبر ان کے لیے طلب مغفرت کرتے تو خدا کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔

اس آیت کی روش سے آپ کی استغفار کو گناہ کی بخشش کا ایک عامل شمار کیا گیا ہے۔

آئندہ کے مباحث میں مناسب آیات کے ذیل میں اس مطلب پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔

۱۲۹۔ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

ترجمہ

۱۲۹ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ کی ملکیت ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے (اور مناسب سمجھتا ہے) بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دے دیتا ہے اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر

درحقیقت یہ آیت گذشتہ آیت کی تاکید ہے کہ نشنا اور سزا دینا پیغمبر کے ہاتھ میں نہیں بلکہ وہ حکم خداوندی کے تابع ہیں آسمانوں اور زمین کی حکومت جس کے قبضہ قدرت میں ہے پیدا کرنا اسی خدا کا کام ہے۔

”وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ“

بادجو کہ اس کا عذاب بہت سخت ہے وہ بخشنے والا اور مہربان بھی ہے۔ اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے۔ کوئی صرح نہیں کہ ہم یہاں ایک مسلم اسکالر کی پُر از حکمت گفتگو کی طرف اشارہ کریں جو رحمت ہونے کے باوجود بعض سوالوں کا جواب عطا فرماتا ہے (علامہ طبرسی) اس آیت کے ذیل میں رقمطراز ہیں کہ ایک عالم سے پوچھا گیا کہ خداوند عالم کس طرح اپنے بندوں کو ان کے گناہوں کی بناء پر باوجود اپنی وسیع مہربانی رحمت کے عذاب دے گا تو اس عالم نے جواب دیا کہ خدا کی رحمت ہی کی حکمت کو ختم نہیں کر سکتی کیونکہ اس کی رحمت کا سرچشمہ ہمارے جذبات پر تم کی طرح احساسات اور رقت بھی نہیں ہے بلکہ اس کی رحمت ہمیشہ اس کی حکمت سے وابستہ ہوتی ہے اور حکمت کا اقتدار یہ ہے کہ مصیبت کاروں کو (سوائے خاص موارد کے) سزا دی جائے۔

۱۳۰۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا



اللّٰهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ۝

۱۳۱۔ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝

۱۳۲۔ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

ترجمہ

۱۳۰۔ اے ایماندارو! بڑا چڑھا کر سو، نہ کھاؤ خدا سے ڈرو تاکہ ظالم پاجاؤ۔

۱۳۱۔ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

۱۳۲۔ اور خدا اور پیغمبر کی اطاعت کرو تاکہ رحمتِ الہی تمہارے شاملِ حال ہو۔

تفسیر

قرآنی آیات کا ایک دوسرے کے ساتھ ربط

گذشتہ آیات میں جنگِ اُحد کے واقعات اور بہت سے درسی موجد ہیں جو سنانوں نے اس عبرت آموز واقعے سے حاصل کیے لیکن زیرِ نظر تین اور بعد والی چھ آیات چند ایک اقتصادی، اجتماعی اور تربیتی پروگراموں پر مشتمل ہیں اور ان نو آیات کے بعد پھر از سر نو جنگِ اُحد کا تذکرہ ہے۔ ہر ممکن ہے کہ یہ انداز بیان بعض لوگوں کے لیے باعثِ تعجب ہو۔ لیکن بنیادی امر یہ تو جو کرنے سے یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے،

قرآن کوئی کاسیکی کتاب نہیں ہے جو کئی فصول و ابواب کی حامل ہو اور اس کے ابواب و فصول کے درمیان ایک خاص ربط ملحوظ رکھا گیا ہو بلکہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو تیس سال کی مدت میں مختلف تربیتی ضروریات کے مطابق مختلف اوقات و مقامات میں قسط وار نازل ہوتی رہی ایک دن واقعہ اُحد پیش آتا ہے اور مختلف جنگی پروگرام چند ایک آیات کے ضمن میں بتائے جاتے ہیں دوسرے روز ایک اقتصادی مسئلہ درپیش آتا ہے مثلاً سود یا حقوق کا مسئلہ سامنے آچلا ہے مثلاً شادی بیاہ سے متعلق مسائل یا ایک تربیتی اور اخلاقی معاملہ درپیش ہوتا ہے مثلاً توبہ اور پھر کئی ایک آیات کا نزول ہوتا ہے۔ البتہ تمام سورتیں اور آیات قرآن ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور وہ یہ کہ سب کی سب ایک انسان سازی اور اعلیٰ ترین سطح کے ایک تربیتی پروگرام کو پیش نظر رکھے ہوئے ہیں اور ایک پُر امن مادی اور روحانی معاشرے سے ترقی یافتہ معاشرے کی تشکیل کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ لہذا اگر مندرجہ بالا آیات قبل و بعد کی آیات سے کوئی خاص ربط نہیں دیکھیں تو اس کی یہی وجہ ہے۔



## سود خوری کی حرمت کے چند مراحل

ہم جانتے ہیں کہ قرآن کا یہ طریقہ ہے کہ وہ معاشرے کی ایسی برائیاں جن کی جڑیں گہری ہو چکی ہیں ان کی بیخ کنی کرنے کے لیے آہستہ آہستہ زمین ہموار کرتا ہے اور لوگوں کو تدبیراً ان کے مفاسد سے آگاہ کرتا ہے اور جب قرآنی احکام قبول کرنے کے لیے آمادگی حاصل ہو جائے تو ان تصحیحی شکل میں بیان کر دیتا ہے۔ خصوصاً ایسے مواقع پر جہاں گناہ سے آلودگی کا امکان بہت زیادہ ہو۔

یہ بھی واضح ہے کہ دنیا سے عرب زمانہ جاہلیت میں سود خوری میں شدت سے فحش تھی، خصوصاً مکہ کا گرد و نواح سود خوروں کا مرکز تھا اور ان کی بہت سی تصحیحی برائیوں کا سبب بنی بُرا کاروبار تھا۔ بنا بر این قرآن مجید نے سود خوری ختم کرنے کے لیے حرمت کا حکم چار مراحل میں بیان کیا ہے،

(۱) پہلے سورہ کے بارے میں سورہ روم آیہ ۴۰ میں ایک اخلاقی نصیحت پر زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا أَتَيْتُم مِّن زَبَايَسٍ يُبَوِّأُ فِي آمَوَالِ النَّاسِ فَلَا يُوْبِعُهُنَّ اللَّهُ وَ مَا أَتَيْتُم مِّن كَلْوَةٍ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْلِعُونَ

یعنی حرمت کو تادم نظر افراد کی نگاہ میں سود کھانے والوں کی ثروت میں سود لینے سے زیادتی ہوتی ہے لیکن خدا کے ہاں اس میں کوئی زیادتی نہیں ہوتی بلکہ زکوٰۃ اور راد خدا میں خرچ کرنا دولت و ثروت کی زیادتی کا باعث ہے۔

(۲) سورہ نسا آیہ ۱۶۱ میں یہودیوں کی غلط رسوم و عادات پر تنقید کرتے ہوئے ان کی سود خوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

”وَ اخذهم الربوا و قد فطعاعنه“

ان کی ایک بڑی عادت یہ تھی کہ وہ سود کھاتے تھے حالانکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا۔

(۳) زمر بحث آیت میں جیسا کہ اس کی تفسیر کے ذیل میں بتایا جائے گا، سود کی حرمت کا مرتب حکم ذکر ہوا ہے لیکن سود کی صرف ایک قسم کی طرف جو بہت بڑی قسم ہے۔ اشارہ ہوا ہے۔

(۴) آخر میں سورہ بقرہ کی آیت ۲۷۵ سے لے کر ۲۸۰ تک ہر قسم کی سود خوری کی شدت سے ممانعت کا اعلان کیا گیا ہے اور اسے خدا سے جنگ کرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ....

اس آیت میں سود کی صحیح ترین قسم کی حرمت کی طرف اشارہ ہوا ہے اور ”اضعافاً مضاعفہ“ (چند در چند) کی تعبیر ہو رہی ہے۔ ربائے فاحش سے مراد یہ ہے اصل سرمایہ بی اضافی سود کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہے، یعنی سود پہلے مرحلے میں اصل سرمائے میں جمع ہو جائے اور آئندہ اصل مرحلے میں سود جمع ہونے پر جو سرمایہ بنا ہے اس پر سود لگے اور اسی ترتیب سے ہر مرتبہ کا سود اضافی سرمایہ بن کر



گذشتہ سرفٹے میں جمع ہوتا جائے اور سرمائے کی نئی رقم تشکیل دیتا جائے اس طرح طویل مدت میں ایک دوسرے پر سود کی زیادتی کی وجہ سے مفروض کے قرض کا مجموعہ اصل قرض سے کئی گنا زیادہ ہو جائے اور اس کی زندگی مکمل طور پر دیوالیہ ہو جائے جیسا کہ روایات و قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ معمول تھا کہ اگر مفروض قرض کی مدت ختم ہونے پر قرض نہیں ادا کر سکتا تھا تو قرض خواہ سے تقاضا کرتا کہ وہ سود اور اصل قرض کا مجموعہ نئے سرمائے کی شکل میں اسے بطور قرض دیدے اور اس کا سود لے۔ ہمارے دور میں بھی اس قسم کی ظالمانہ سود خوری کثرت سے رائج ہے۔

”وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ“

آیت کے آخر میں ارشاد رب العزت ہوتا ہے: اگر نفلح و کامیابی سے چلنا رہتا چاہتے ہو تو تقویٰ اپناؤ اور اس گناہ سے بچو۔

”وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ“

یہ آیت ازسرف تقویٰ کی تاکید کرتی ہے اور اس آگ سے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ڈراتی ہے۔ لفظ ”کافروں“ کے ساتھ تعبیر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصولی طور پر سود خوری ایمان کے ساتھ سازگار نہیں ہے اور سود خوروں کے لیے بھی اس آگ کا ایک حصہ ہے جو کفار کی خاطر ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کی آگ بنیادی طور پر کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ باقی رہے گناہ گار و مصیبت کاروان کے لیے اس کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا وہ کفار سے شہادت اور ہم آہنگی رکھتے ہیں۔

”وَاطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“

گذشتہ آیت کی دھمکی اس تشوین و ترغیب کے ساتھ تکمیل پاتی ہے جو اس آیت میں مطیع اور فرمانبرداروں کے لیے ہے کہ خدا اور رسول کی اطاعت کرو اور سود خوری چھوڑ دو تاکہ تم پر اللہ کی رحمت کا سایہ ہو۔

۱۳۳۔ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ ۖ  
أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝

۱۳۴۔ الَّذِينَ يَتَّقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ  
عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

۱۳۵۔ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا  
لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرَ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلَىٰ مَا  
فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝



۱۳۲۔ اُولَٰئِكَ جَزَاءُ ۤهُمْ مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا  
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَبِعَمَلِهِمْ أُجْرُوا الْعَامِلِينَ ۝

ترجمہ

۱۳۲ ایک دوسرے پر بہت حاصل کر دے اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کے لیے جس کی وصت تمام آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

۱۳۳ وہی لوگ جو تگلی اور کشادگی میں خرچ کرتے ہیں اور اپنا نصیب جانتے ہیں اور لوگوں کی خطاؤں سے درگن کرتے ہیں اور خدا لیکو کار لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

۱۳۴ اور وہ لوگ کہ جب وہ کسی عمل بہ کار تکاب کریں یا اپنے اوپر ظلم کریں تو خدا کو یاد کرتے ہیں اپنے گنہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں اور خدا کے سوا گنہوں کو بخشنے والا کون ہے اور وہ گنہ پر اصرار نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں۔

۱۳۵ ان کی جزاء پروردگار کی بخشش اور وہ باغات بہشت ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ہمیشہ کے لیے ان میں رہیں گے اور یہ عمل کرنے والوں کے لیے کتنا اچھا معاوضہ ہے۔

تفسیر

سعادت کی راہ میں ایک دوسرے پر بہت

”وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ“

”سارِعُوا“ سارعت سے ہے جس کے معنی ہیں کسی مقصد تک پہنچنے کے لیے ایک دوسرے پر بہت حاصل کرنے کے لیے دو یا دو سے زیادہ افراد کی کوشش۔ نیک کاموں میں یہ قابل ستائش ہے اور برے کاموں میں مذموم۔

گذشتہ آیات کے بعد کہ جو بدکاروں کو جہنم کی تہدید اور نیک لوگوں کو رحمت الہی کی تشریح کرتی ہیں، اس آیت میں نیک لوگوں کی کوشش اور مستحق معنوی مقابلے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جس کا آخری مقصد خدا کی بخشش اور بہشت کی دائمی نعمات ہیں اور قرآن کہتا ہے کہ اس مقصد تک رسائی کے لیے ایک دوسرے سے بہت حاصل کرو۔

درحقیقت قرآن ایک نفسیاتی پہلو کی طرف توجہ مبذول کرتا ہے کہ انسان اگر کسی کام کی انجام دہی میں تنہا ہو تو عموماً اس کام کو وہ سہا مادت تاخیر سے پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے لیکن اگر اس میں مقابلے کا پہلو ہو اور مقابلہ بھی ایسا جس میں ایک بیش بہا انعام پر داؤ لگایا گیا ہو تو





وہ اپنی تمام قوت و توانائی صرف کرتا ہے اور بڑی تیزی کے ساتھ اپنے مقصد کی طرف پیش رفت کرتا ہے اور اگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس مقابلے کا پہلا مقصد مغرب قرار دیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مغربی مقام ملک رسائی گاہوں کی آلودگی سے پاک و صاف ہو کر بغیر ممکن نہیں ہے۔ لہذا سب سے پہلے اپنے آپ کو گناہ سے پاک کیا جائے اور اس کے بعد مقام تقرب الہی کی طرف قدم اٹھایا جائے۔

”وَجَنَّةٌ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ“

اس مغربی مقابلے کا دوسرا بڑا بہشت ہے جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے عرض کے برابر ہے۔ (یعنی زمین کے عرض کے برابر ہے) اس آیت میں عرض سے مراد علم ہندسہ کی اصطلاح نہیں ہے کہ عرض طول کے مقابلے میں ہو، بلکہ اس سے مراد وسعت اور پھیلاؤ ہے۔ اس طرح قرآن مرحمت سے کہتا ہے کہ جنت کی وسعت آسمانوں اور زمین کی وسعت جتنی ہے اور سورہ حدید کی آیت ۲۱ میں بھی تعبیر سہولت کی کے ساتھ آئی ہے۔

”سَابِقُوا إِلَى مَلْفُورَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ جَنَّةٌ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ“

اس آیت میں مرحمت کی بجائے مرحمت کے ساتھ فقط سابقت آیا ہے اور عارضہ غزو کی شکل میں ہے اور اس کے ساتھ مختلف اہم جنس کے اعتبار سے ہے جو یہاں عرم کا مفہوم مصدر ہے اور کاف سے تشبیہ معلوم ہوتی ہے باقی طور پر عمل بحث آیت میں تصریح کے ساتھ کہا گیا ہے کہ بہشت کی وسعت آسمانوں اور زمین کی وسعت کے برابر ہے لیکن سورہ الحدید کی آیت میں ہے کہ اس کی وسعت آسمانوں اور زمین کی مانند ہے لیکن دونوں تعبیروں کا معنی و مفہوم ایک ہے۔ آیت کے آخر میں اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ یہ بہشت اس عظمت کے ساتھ پر سبز گاہوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ”اَعْدَتْ لِلْعَاقِلِينَ“

اب یہاں یہ سوال ذہن میں آٹھ سکتا ہے،

اولاً یہ کہ کیا جنت دہنم پیدا ہو چکے ہیں اور وہ وجود غار بھی رکھتے ہیں یا بعد میں لوگوں کے اعمال کے حساب سے ایجاد ہوں گے۔

ثانیاً یہ کہ اگر وہ خلق ہو چکے ہیں تو وہ کہاں ہیں لاسی طرف تو یہ کہتے ہوئے کہ قرآن کہتا ہے کہ صرف جنت کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔

کیا جنت دو درجہ اس وقت موجود ہیں؟

اکثر علماء اسلام کا عقیدہ ہے کہ یہ دونوں اس وقت وجود غار بھی رکھتے ہیں اور قرآنی آیات کا ظاہری معنی بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ غور کے طور پر؟

(۱) محل بحث آیت اور دیگر کثیر آیات میں اعدت (تیار کی جا چکی ہے) استعمال ہوا ہے یا بعض دوسری تعبیرات جہاں مادہ سے ہیں جو بعض مقامات پر بہشت کے بارے میں اور بعض جگہ درج کے بارے آئی ہیں لیکن ان آیات سے معلوم ہوتا ہے



کہ بہشت و دوزخ اس وقت تیار موجود ہیں اگرچہ انسانوں کے نیک و بد اعمال کے نتیجے میں ان میں دست پیدا ہوتی رہتی ہے (فقہ کریں)۔

(۱۲) معراج سے متعلق سورۃ النجم کی آیات میں یوں ہے:  
وَلَقَدْ رَاَهُ نَزَاةً اٰخِرٰی یُعِنْدُ سِدْرَۃَ الْمُنْتَهٰی ۝۱ عِنْدَ هَآبِجَتِہُمُ الْمَآوِی ۝۲  
دوسری مرتبہ پیغمبر نے جبریل کو سدرة المنتہی کے پاس دیکھا جہاں دائمی بہشت ہے (المنہجہ - ۱۵۹۶)۔  
یہ تعبیر بہشت کے وجود پر دوسری شہادت ہے۔

(۱۳) سورہ نکاح قرآیت ۷۰، ۷۱ میں ارشاد ہوتا ہے:  
کَلَّا تَوْفَلَمَّوْنَ عَلَہُمُ السِّقَیْنِ ۝۱ لَکَرُوْنَ الْجَحِیْمَ ۝۲ لَمَّا لَمَّوْا وَفَلَّوْا عَنِ الْیَقِیْنِ ۝۳  
اگر تمہیں علم یقین ہوتا تو دوزخ کا شاہدہ کرتے پھر اسے میں یقین کے ساتھ دیکھتے۔  
معراج سے مربوط اور دیگر آیات میں بھی اس مسئلہ کی واضح نشاندہی کی گئی ہے۔

### بہشت اور دوزخ کہاں ہیں

اس بحث کے بعد یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر یہ دونوں موجود ہیں تو کہاں ہیں اس سوال کا جواب دو طرح سے دیا جا سکتا ہے:

پہلا یہ کہ بہشت و جہنم اس دنیا کے باطن میں موجود ہیں ہم زمین و آسمان اور مختلف کرات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں لیکن ان کے اندر موجود دنیا میں انہیں ہم نہیں دیکھ پاتے کہ جہاں کثرت سے موجودات ہیں جو ہماری آنکھوں کی قوت ادراک سے ماوراء ہیں اور آیات کَلَّا تَوْفَلَمَّوْنَ عَلَہُمُ السِّقَیْنِ ۝۱ لَکَرُوْنَ الْجَحِیْمَ ۝۲ بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ چند ایک احادیث سے بھی عیاں ہوتا ہے کہ بعض بندگانِ خدا اس جہاں میں اتنی قوت بینائی رکھتے تھے کہ وہ یہاں رہ کر بہشت و جہنم کو اپنی حقیقت میں نگاہوں سے دیکھ سکتے تھے۔ مزید توضیح کے لیے ایک مثال دی جا سکتی ہے۔ ایک طاقتور ریڈیو اگر آواز کی لہریں بھیجنے والا آکر کسی غلط ارض میں موجود موجود فضائی لہروں کی مدد سے پوری دنیا میں تلاوتِ قرآن کا دل آویز نغمہ بہت ہی دلنشین اور روح پرور آواز سے نشر کر رہا ہو۔ اسی طرح کا ایک اور آلہ زمین کے کسی خطہ میں موجود ہو جو بہت ہی پریشاں کن آواز دوسری فضائی لہروں میں پھیلا دے۔ جس وقت ہم ایک مقام پر بیٹھے ہوں تو اپنے ارد گرد کے لوگوں کی آواز تو ہم سن سیتے ہیں لیکن ان دو لہروں کا احساس ہمک نہیں ہوتا جو فضائے عالم میں پرواز کر رہی ہیں۔ لیکن اگر ان کو گرفت میں لینے والی شےیں موجود ہوں تو آواز وہ جہاں سے کانوں میں پڑ جائے گی اگرچہ عام حالت میں جہاں سے کان اس کے سننے سے عاجز ہوتے ہیں مگر گزشتہ مثال اگرچہ کئی لحاظ سے ناقص ہے تاہم بہشت و دوزخ جیسے باطنی امور کی تصویر کشی کے لیے کافی ہے۔

۱۴۔ تو جہاں کہ عالم آخرت کی بہشت اس سے مختلف ہے جس میں حضرت آدمؑ ہے۔ کیونکہ وہ حضرت آدمؑ کی خلقت سے قبل موجود تھی۔



دوسرا پہلو یہ ہے کہ عالم آخرت اور جنت و جہنم اس عالم مادی پر ماطہ کئے ہوئے ہیں اور یہ اسی کے اندر اس نہیں کی مانند ہیں جو اس دنیا کے اندر ایک علیحدہ مستقل عالم میں رہتا ہے اور وہ اس عالم سے جدا نہیں اسی طرح عالم دنیا بھی عالم آخرت کے اندر واقع ہے۔ یہاں قرآن کریم نے جو جنت کی وسعت آسمانوں اور زمین کے مساوی قرار دی ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کی نظر میں زمین اور آسمان سے زیادہ وسیع چیز کوئی نہیں۔ لہذا قرآن نے جنت کی عظمت و وسعت کی تصویر کشی زمین و آسمان کی وسعت کے حوالے سے کی، اور اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی نہیں تسلیم کیا اگر شک اور میں ایک چھوڑ دو اور ہم چاہیں کہ اس سے گھٹا کریں تو ایسی منطق میں اس سے بات کریں گے کہ جو اس کے لیے قابل اور ناک ہو۔

گذشتہ مجموعے سے ہمارے اس سوال کا جواب بھی روشن ہو جاتا ہے کہ اگر جنت کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے تو پھر جہنم کہاں ہے؟ کیونکہ پہلے جواب کی تفسیر سے دوزخ بھی اسی جہان کے اندر ہے اور اس جہاں میں ان دونوں کے موجود ہونے میں کوئی اشکال نہیں (جیسا کہ آواز کی لہری جیسے والی شیں کی مثال میں اس کا ذکر ہو چکا ہے) باقی زیادہ دوسرا جواب کہ جنت دوزخ اس جہاں پر محیط ہیں تو یہ کچھ زیادہ روشن ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ دوزخ اور جنت دونوں اسی جہاں پر محیط ہوں اور جنت کچھ زیادہ وسیع ہو۔

### پرہیزگاروں کی نشانیاں

”الَّذِينَ يَنْفَقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالْعُسْرَاءِ“

گذشتہ آیت میں پرہیزگاروں کو دائمی جنت کی نوید سنائی گئی تھی، اسی لئے اس آیت میں ان کا تعارف کرایا جا رہا ہے اور ان کی پانچ اعلیٰ امتیازی خصوصیات بیان کی گئیں ہیں،

۱۔ ہر حالت میں خیر کرتے ہیں چاہے وہ آرام و فراخ دستی میں ہوں یا پریشانی اور عسرت میں مبتلا ہوں۔ وہ اس عمل سے ثابت کرتے ہیں کہ وہ سردوں کی حد کرنے اور نیکی کا جذبہ پران کی نروع کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ اسی بنا پر وہ ہر حالت میں اس کے لیے عملی طور پر تیار ہوتے ہیں کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اسوہ کی حالت میں خرچ کرنا سخاوت جیسی بندہ صفت کی نشاندہی نہیں کرتا البتہ وہ لوگ جو ہر حالت میں عزت مندوں کو نوازتے ہیں اور اس کا حق ثبوت جتنا کہتے ہیں کہ ان میں یہ صفت مانع ہے۔ ہاں! اس مقام پر ذہنوں میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ تلکدستی کی حالت میں انسان کیونکر خرچ کر سکتا ہے؟ لیکن اس سوال کا جواب واضح ہے کہ تلکدست افراد بھی اپنی قدرت کے مطابق دوسروں کی مدد کر سکتے ہیں۔ مانیار کے خرچ و انفاق صرف مال و ثروت میں منحصر نہیں بلکہ خدا کے ہر طریق سے اس کا تعلق ہے چاہے مل و ثروت ہو، نعمت علم و دانش ہو یا دیگر نعمات الہی۔ اس عمل سے خدا چاہتا ہے کہ صاحبان دولت کے علاوہ قربانی و فداکاری کی نروع فوجوں کے دلوں میں بھی پروان چڑھ جائے تاکہ وہ بسیار انفاق برائیوں سے دور ہوں جو بہت زیادہ ہیں اور جن تمام کاسر شیعہ نقل ہے۔ اسی مقام پر ان لوگوں کا جواب موجود ہے جو راہ خدا میں قلیل امداد کو کم سمجھتے ہیں۔ ان کے اس خیال کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر ایک امداد پر علیحدہ علیحدہ نظر رکھتے ہیں درزیسی تھوڑی تھوڑی امداد یا اگر جمع کی جائیں مثال کے طور پر ایک ملک کے تمام رہنے والے امیر و غریب تھوڑے تھوڑے پیسے بندگان خدا کے لیے جمع کریں تو



وہ جسے سے بڑا کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ ملاوہ ازہیں انفاق کا اخلاقی اور روحانی اثر زیادہ خیر پہ کھنٹے سے نہیں ہے بلکہ اسی کے تمام اثرات انفاق کھنٹے واسے کی حیثیت پر مرتب ہوتے ہیں۔ قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ یہاں پر مہیزگاروں کی پہلی مدد صفت انفاق ارادہ خدا میں خرچ کرنا ذکر ہوئی ہے کیونکہ یہ آیات سود خوروں اور سامریوں کے ہم مقابل صفات کو بیان کر رہی ہیں کہ جن کا ذکر گذشتہ آیات میں ہو چکا ہے۔ ملاوہ ازہیں خوشی اور نکلہ سستی کی حالت میں مال و دولت کی قربانی تقویٰ کی واضح ترین علامت ہے۔

والکاظمین الغیظ۔ ————— وہ اپنے غصہ کو پی جاتے ہیں۔  
”کلم“ کے لغوی معنی پانی بھری مشک کے دھانے کو باندھنے کے ہیں اور کنیہ کے طور پر ان لوگوں کی صفت بیان کی جاتی ہے کہ جو آتشِ غیظ و غضب سے جبرے بول لیکن اسے استعمال نہ کریں۔ لغتِ غیظ کا معنی شدتِ غضب ہے جو ایک روحانی بیماری ہے جو طبیعت کے غلامِ چیزوں کو دیکھ کر انسان پر طاری ہو جاتا ہے اور انسان کو آپے سے باہر کر دیتا ہے۔ غصہ کی حالت خطرناک ترین حالت ہوتی ہے اور اگر اسے روکا نہ جائے تو ایک دیوانگی کا عالم ہو جاتا ہے اور انسانی نظامِ کنٹرول سے باہر ہو جاتا ہے۔ جس سے معاشرے میں بہت سے جرائم نمودار ہوتے ہیں۔ اسی لیے درج بالا آیت میں مہیزگاروں کی دوسری صفت غصہ کو پی جانا ظاہر کی گئی ہے۔ حضرت رسول خدا فرماتے ہیں:

”من کلمہ غیظاً وھو قادر علی انفاذہ ملأہ اللہ امناء و ابھامنا“

جو شخص اپنے غصے کو پی جائے جبکہ اسے استعمال کرنے پر قادر ہو تو خدا اس کے دل کو امن و ایمان کی روشنی سے منور کرتا ہے۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ غصہ پی جانا انسان کی معنوی و روحانی ترقی اور ایمان کی بھگی کے لیے بہت مؤثر ہے۔  
والمعافین عن الناس۔ ————— اور وہ لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔  
غصہ کو پی جانا اپنے مقام پر بڑی اچھی غوی ہے لیکن یہ انسان کے دل کو بغض و کینہ سے پاک نہیں کرتا بلکہ بغض و کینہ کی بُرائی ختم کرنے کے لیے ان دونوں دھنوں کو پی جانا اور درگزر کرنا، کو یکساں کر دیا گیا ہے۔ البتہ ایسے افراد سے درگزر کرنا مطلوب ہے کہ جو اس کے اہل ہوں۔

واللہ یحب المحسنین۔ ————— اور وہ نیکی کو دے دے اور گنہگاروں کی وجہ سے اللہ کو محبوب ہیں۔  
اس حصے میں مغرورِ شمش سے جندِ ترسے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور زنجیر کی کڑیوں کی طرح ترقی و تکامل کے مراتب کی تصویر کشی کی گئی ہے اور وہ اس طرح کہ انسان نہ صرف اپنا غصہ پی جائے اور مغرورِ شمش سے کینہ کے دماغِ دل سے دھو لے بلکہ بُرائی کے مقابلے میں احسان اور نیکی کر کے (جہاں مناسب ہو) مقابلے کے دل سے بھی دشمنی کی بیج گئی کر دے اور اس کے دل میں نرمی پیدا کر دے تاکہ پھر کسی اس قسم کا مادہ سر نہ اٹھائے۔

غلامِ یہ کہ پہلے غصے کے مقابلے میں اپنے اوپر قابو پانے کا حکم ہے اس کے بعد اپنے دل کو پاک و صاف کرنے کا فرمان ہے اور آخر میں مقابلے کے دل کو پاک کرنے کا ارشاد ہے۔

مندرجہ بالا آیت کے ذیل میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے جو شیعوں اور سنی کتب میں موجود ہے و دیر کہ ایک دفعہ



حضرت امام علی بن حسین زین العابدینؑ کی ایک کنیز آپ کے ہاتھ دھو رہی تھی کہ بانی کربلاؑ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اس سے امام کا جسم اقدس زخمی ہو گیا۔ امام نے حضرت میں سر اٹھایا تو کنیز نے فوراً کہا: خدا قرآن میں فرماتا ہے: ”وَالْعَظِيمِينَ الْفُظَّۃَ“ امام نے فرمایا میں نے اپنا ہاتھ پی لیا اس نے عرض کیا: ”وَالْعَظِيمِينَ حَقَّ الْمَنَاسِ“ امام نے فرمایا: میں نے تجھے معاف کیا خدا تجھے معاف کرے۔ اس نے پھر کہا: ”وَاللّٰهُ يَحِبُّ الْمُحْسِنِينَ“ امام نے فرمایا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کر دیا۔ یہ سب اس بات پر واضح ثابت ہے کہ مذکورہ تین مراحل میں سے ہر ایک دوسرے سے بلند تر ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً ..... وہ گناہوں پر اصرار نہیں کرتے۔

”لَقَدْ نَاحَشَهُ“ فحش یا فاحشہ سے ہے جس کا معنی ہے ہر وہ عمل جو بہت ہی بُرا ہو اور یہ مفہوم محنت و پاک دامنی کے مٹانی اعمال میں منحصر نہیں ہے کیونکہ اصل میں یہ حد سے تجاوز کے معنی میں ہے جس میں ہر طرح کا گناہ شامل ہے۔

درج بالا آیت میں پرہیزگاروں کی ایک اور صفت کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ وہ لوگ گزشتہ مثبت صفات سے محنت ہونے کے علاوہ اگر کسی گناہ کے مرتکب ہو جائیں تو فوراً یاد خدا میں پڑ جاتے ہیں اور توبہ کے پھر کسی اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرتے اس تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جب تک یاد خدا میں مشغول ہے وہ گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا اور وہ گناہ کا اس وقت مرتکب ہو جاتا ہے جب کسی طرح پر اس کا دل یاد خدا سے غلی ہو اور وہ محفلت ہو۔ لیکن پرہیزگار افراد میں یہ غفلت زیادہ عرصہ نہیں رہتی بلکہ وہ بہت جلد یاد خدا میں مصروف ہو جاتے ہیں اور گزشتہ کمی کی تلافی کریتے ہیں اور اس وقت وہ محسوس کرتے ہیں کہ خدا کے علاوہ کوئی پناہ گاہ نہیں ہے اور صرف اسی سے گناہوں کی بخشش طلب کرنا چاہیے۔

”وَمَنْ يَغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ“

کون ہے خدا کے علاوہ جو گناہوں کو بخشتا ہے۔

اس بات کی طرف بھی توجہ رہے کہ آیت میں نوحہ کے علاوہ اپنے اور پر غم کرنے کا ذکر بھی ہوا ہے ”لَا تَطْلُمُوا أَنْفُسَكُمْ“ ممکن ہے کہ ان دونوں میں فرق یہ ہو کہ نوحہ سے گناہان کبیرہ اور غم سے گناہان صغیرہ مراد ہوں۔ آیت کے آخری حصہ میں بتایا گیا ہے ”وَلَمْ يَصْرُواْ عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ“ اور وہ علم و آگاہی کی صورت میں گناہ پر اصرار نہیں کرتے۔ اس آیت کے ذیل میں حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

”الاصرار ان يذنب الذنب فلما يستغفر الله ولا يحدث نفسه بتوبة  
فذلك الاصرار“

گناہ پر اصرار کرنا یہ ہے کہ انسان گناہ کرے اور اس کے بعد استغفار نہ کرے اور توبہ کی فکر میں نہ رہے یہ ہے گناہ پر اصرار۔ کتاب امالی صدوق میں امام جعفر صادقؑ سے ایک پُر معنی حدیث منقول ہے جس کا سبب باب یہ ہے کہ جب درج بالا آیت نازل ہوئی اور توبہ کرنے والوں کو خدا کی طرف سے بخشش کی خوشخبری دی گئی تو ایسی بہت ہی پریشان ہو گئی اس نے جندہ آوانہ سے اپنے تمام بار و انصار کو بلا کر ایک اجلاس منعقد کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اس دعوت کی وجہ پوچھی تو اس نے اس آیت کے نزول کی بنا پر اظہار پریشانی کیا تو اس کے ایک جنوے نے کہا کہ میں انسانوں کو اس گناہ کی دعوت دے دے کہ اس آیت کو بے اثر کر دوں گا۔

تفسیر جامعہ زیر نظر آیت کے ضمن میں۔



ابلیس نے اسی کی تجویز کو قبول کر لیا ایک دوسرے نے اسی قسم کی پیشکش کی کہ وہ بھی منکر نہ ہوئی کہ اس کے دوران ایک کبوتر شقی شیطان کہ جس کا نام دوسری خناس تھا کہنے لگا میں اس شکل کو مل کر رہا ہوں۔ ابلیس نے پوچھا کیسے؟ وہ کہنے لگا کہ آدم کو دو عددوں اور اُمید لیا کے ساتھ گناہ میں آلودہ کروں گا اور جب وہ گناہ کے مرتکب ہو جائیں گے تو ان کے دلوں سے یاد خدا کو دور کر دوں گا۔ ابلیس نے کہا: یہی راستہ درست ہے اور یہ ذمہ داری دینی دنیا ملک اس کے سپرد کر دی۔

داخل ہے کہ سہل انگاری اور شیطانی دوسروں کا تجربہ فراموشی کا دی ہے اور صرف وہ لوگ اس میں گرفتار ہوتے ہیں جو اس کے سامنے سر جھکا دیں اور اصطلاح کے مطابق دوسری خناس کے ساتھ قریبی تعلق استوار کر لیں۔ لیکن بیدار مغز اور کامل ایمان کے حامل لوگ اس بات پر کڑی نظر رکھتے ہیں کہ جب کبھی ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو انہیں ہر موقع پر اس کے آثار کو تو بہ واستغفار کے ذریعے دھو دالتے ہیں اور اپنے دل کے درپے شیطان اور اس کے شکوکے بے بند کر دیتے ہیں اس طرح وہ ان میں داخل نہیں ہو پاتے۔

اولئك جنواؤهم مغضرة من ربهم وجنات تجري من تحتها الانهار خلدین فیہا۔

اس آیت میں ان پر ہیزگاروں کی جہنم اور ہر بیان کیا گیا ہے (کہ جن کی صفات گذشتہ آیات میں بیان ہو چکی ہیں)۔ وہ پروردگار کی بخشش اور بہشت بریں ہے، جس کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں (اور ایک لفظ کے لیے ان سے پانی شقیق نہیں ہوتا) وہ جنت کہ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ درحقیقت اس مقام پر پہلے تو معنوی و روحانی نعمات مغفرت، قلب و روح کو پاکیزہ کرنے اور روحانی ترقی کی طرف اشارہ ہوا ہے اس کے بعد مادی نعمات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور آخر میں کہا گیا کہ ”و نعم اجر العاملين“۔ یہ کیسی ہی اچھی جزا اور اجر ہے نیک عمل کرنے والوں کے لیے جو کہ مرد میدان ہیں نہ کہ سست بیکار افراد جو ہمیشہ اپنے وعدوں اور ذمہ داریوں میں لاپرواہی بہتے ہیں۔

۱۳۷۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۖ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝

۱۳۸۔ هَذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝

ترجمہ

۱۳۷۔ تم سے پہلے کچھ سنتیں موجود تھیں (اور مبرقہ کی سرزخت ان کے اعمال و صفات کے مطابق تھی اور تمہارا حال بھی ان کا سا ہے) زمین میں پل پھر کر دیکھو (آیات خدا کی) انگلیب کرنے والوں کا انجام کیا ہوا۔

۱۳۸۔ یہ بیان ہے لوگوں کے لیے اور پرہیزگاروں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے۔





## تفسیر

## گزشتہ لوگوں کی تاریخ کا مطالعہ

قرآن مجید کا ایک انفرادی اسلوب ہے کہ یہ گزشتہ دور کو موجودہ اور زمانہ حاضر کو گزشتہ تاریخ سے مربوط کرتا ہے اور حقائق کو سمجھنے کے لیے موجودہ نسل کا گزشتہ دور سے جوئے لوگوں کے ساتھ فکری و ثقافتی ربط لازمی اور ضروری قرار دیتا ہے کیونکہ ان دونوں (ماضی اور حال) کے پختہ ارتباط سے آنے والوں کی ذمہ داری واضح ہو جاتی ہے جیسا کہ زیر نظر آیت میں کہتا ہے کہ "قد خلقت من قبلک سنن فسیروا فیہ" (ان ساریں خدا کی کچھ سنیں تعلیمات، گزشتہ اقوام میں تھیں جو ہرگز صرف ان کے لیے مخصوص نہ تھیں اور وہ تو انہیں زندگی کے سلسلہ کی ایک ٹنگ میں تمام گزشتہ دور سے جوئے اور آنے والوں کیلئے جاری ہوئی تھیں۔ ان سنتوں میں مومن و کافر اور شیعہ و بدعتی، مفسر و مفسرین اور بدعت پر دازی کی نشاندہی کی گئی ہے اور اسی طرح بے ایمان اور کفر کی نہایت سے آلودہ اقوام کی شکست و ریخت کی بھی تصویر کشی کی گئی ہے جو کہ تاریخ بشریت میں ثبت ہے۔

تاریخ ہر قوم کے لیے زندگی سے کہا بیت نہیں رکھتی۔ یہ تاریخ کا کمال ہے کہ وہ گزشتہ لوگوں کی اخلاقی خصوصیات ان کے بے بسے کام اور ان کے نظریات و افکار ہمارے سامنے دہرائی ہے اور مختلف معاشروں کی ترقی و منزل اور کمیابی و ناکامی کے اسباب کی نشاندہی کرتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ دور لوگوں کی تاریخ انسانی معاشروں کی روحانی و معنوی زندگی کا آئینہ ہے اور آنے والوں کی بیداری کا سبب ہے۔ بنابرین قرآن مجید سنانوں کو حکم دیتا ہے کہ جاؤ زمین میں چلو پھرو اور گزشتہ قوموں، سربراہوں، سرکشی قروحوں اور جبار بادشاہوں کی طاقت و دہریت کے آثار میں غور و فکر کرو اور دیکھو کہ جب انہوں نے خدا کا انکار کیا اور خدا کے پیغمبروں کو جھٹلایا اور زمین میں ظلم و فساد کی بنیاد رکھی تو ان کا انجام کیا ہوا۔ گزشتہ لوگوں کے آثار آنے والوں کے لیے پند و نصیحت کا سامان ہیں اور لوگ ان سے مستفید ہو کر زندگی کی راہ سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

## جہاں گردی

گزشتہ لوگوں کی زندگی کے جو نشانات زمین کے مختلف خطوں میں قدیم ادوار سے باقی ہیں، وہ زندہ استاد اور رہنے والی تاریخ ہیں۔ یہاں تک کہ ہم ان کے متعلق کبھی کوئی تاریخ کی نسبت ان سے زیادہ بہرہ ور ہو سکتے ہیں کیونکہ ان نشانات سے ہم ان اقوام کی جبلت، ساخت، ان کا زاویہ نگار اور ان کی قدرت و عظمت کو آسانی پا سکتے ہیں جب کہ صفحات تاریخ صرف وقوع پذیر واقعات کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ سنگروں کے محلات کی دیرانی، ابراہم مصر کی تعجب خیز عمارتیں، بابل کے برج، کسریٰ کے محل، قوم سبا کے آثار، تمدن اور اس طرح کی بیسیوں نشانیاں جو اس عالم کے گوشہ گوشہ میں بکھری پڑی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نشانی زبان مال سے ان لوگوں کی تاریخ بیان کرتی ہے اور بے زبانی کی زبان میں باتیں کرتی ہے۔ یہ حقیقت اس وقت آشکار ہو جاتی ہے جب کوئی نکتہ سیخ شاعرانہ محلات کے زراہوں میں جا کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنی روح میں ایک اضطراب محسوس کرتا ہے اور یہ ایمان انگیز اشتعال کہتا ہے جیسا کہ خاقانی اور دوسرے عالمی



شہرت یافتہ شعراء نے کسریٰ وغیرہ کے ٹوٹے پھوٹے لغات کے اندسے یہ آوازیں دل کے کافوں سے سنی ہیں اور انہیں ادبی شاہکاروں کی ذریعہ بنالیا ہے۔

ان زندہ تاریخی آثار میں سے ایک کا مطالعہ کرنا ایک فہم ناری کتاب پڑھنے کے برابر ہے یہ مطالعہ انسان کی روحانی بیداری کے لیے ایک مؤثر چیز ہے کیونکہ جب ہم ان آثار کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اچانک ایسا لگتا ہے کہ ان دیرانوں میں زیرِ ناک بوسیدہ ہڈیاں زندہ ہو گئی ہیں اور پسے جوش و ولولہ کا مظاہر کر رہی ہیں لیکن جب ہم دوبارہ ان کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو انہیں خاموش و فراموش شدہ دیکھتے ہیں۔ ان دور مانتوں کا سوازد اس راز کو طشتِ انہام کرتا ہے کہ خود سرافراز کتنے کو تادمِ نظر ہی کہ جو بیتِ جلدی گندہ جانے والی ہوسرائیوں کے لیے ہزار ہا بکلیاں کے مرکب ہوتے ہیں۔ اس لیے قرآن مجید حکم دیتا ہے کہ مسلمان رونے زمین پر سیر و سیاحت کریں اور گزشتہ لوگوں کے آثار کا مشاہدہ کر کے ان سے عبرت حاصل کریں۔

اسلام میں بھی جہاں گودی اور سیر و تفریح کی اوجیت پر زور دیا گیا ہے لیکن آج کے جوشِ پرستِ سیاحوں کی طرح نہیں بلکہ گزشتہ لوگوں کے آثار و انہام کے مطالعہ اور گوشہ ہائے عالم میں عظمتِ خدا کے مشاہدہ کے لیے اور اسی کا نام قرآن نے "سیر وانی الارض" رکھا ہے اور کئی ایک آیات میں اس کا حکم دیا ہے۔ مثلاً

۱۔ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ۔

یعنی ان سے کہیں کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرموں کا کیا انجام ہوا۔ (نمل - ۶۹)

۲۔ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ تَبْدَأُ الْخَلْقَ

یعنی کہو کہ زمین میں گھوم پھر کر دیکھو کہ خدا نے کیسے تخلیق کی۔ (حکمت - ۲۰)

۳۔ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَنظُرُوا كَيْفَ تَبْدَأُ الْخَلْقَ

کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں تاکہ ان کے دل اسی سے کہ خلق حاصل کرتے۔ (الحج - ۴۶)

۴۔ غامقانی اپنے ایک مشہور تفسیر میں جبکہ وہ ایوانِ مدائن میں تشریہ فرما رہا تھا، کہا ہے:

ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ گائیڈ خندہ برآں دیدہ گائیڈ تیار شدہ گریبان  
یعنی وہ میری آنکھوں پر ہنسنا کر یہاں کیوں دیتی ہیں اور ان آنکھوں پر تیری میری جڑیں نڈیں۔  
معروف عالمِ روم شیخ ابو دوی تھمت جیشہ کے ماننے کہے ہوئے اپنے مشہور تفسیر میں کہتے ہیں:  
ہم عبرتِ موم شدہ افسوس کم شدہ مرثیہ مرثیہ ہاں ہی سر ہاں ہیں  
یہ تھمت جیشہ آج باعثِ عبرت ہے کہ آج اس پر بیٹھنے والا ماکہ موجود نہیں ہے۔  
ایں ہند غمناں است گر ہند زبان غامی روا کر۔ اور شاہ از کتبستانِ خواں  
یہ تو خاموش لوگوں کی نصیحت ہے اور مگر تو زبان کی نصیحت چاہتا ہے کہ کتب  
قرآن سے "اور شاہ" کی آیت پڑھ۔



یہ آیت کہتی ہے کہ یہ مثنوی دروہانی سیاسی اور دین کی سیرت انسان کے دل کو دہائی، اہلک کو مینائی اور کان کو سماعت عطا کرتی ہے اور اسے سکوت و جہود سے غلامی دلاتی ہے۔ انسانی سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ اسلامی حکم و قانون بیت سے دیگر قوانین کی طرح طاق نسیاں کی نذر کر دیا گیا ہے۔ اب مسلمان اسے بھی نظر التفات سے نہیں دیکھتے یہاں تک کہ بعض علماء نے اپنی فکر کا دائرہ صرف گردن و پیش تک محدود رکھا ہے۔ وہ گویا اس عالم کے علاوہ کسی اور عالم میں زندگی بسر کرتے ہیں اور دنیا کے اجتماعی انقلابات و وسائل سے بے خبر ہیں اور ان جوہری اور کم اثر کاموں میں اپنے آپ کو مشغول کر رکھا ہے جو اصولی اور بنیادی کاموں کے مقابلے میں خاص قدر قیمت نہیں رکھتے۔ اسی دنیا میں پوپ اور میسائیل کے بٹے بٹے پارسی صدیوں کی گوشہ نشینی اور صیہونگی کے بعد زمین کی سیر و سیاحت کے لیے نکلتے ہیں تاکہ وہ ضروریات زمانہ کو سمجھیں۔ تو اسی صورت میں کیا مسلمانوں کو قرآن کے اس حکم پر عمل پیرا نہیں ہونا چاہیے اور اپنے محدود فکری تنگ دائرے سے نہیں نکلنا چاہیے مگر عالم اسلام اور مسلمانوں میں ایک انقلاب و حرکت کا فریاد ہو۔

هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ

اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ جو کچھ گزشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے وہ تمام انسانوں کے لیے ایک واضح اعلان اور تمام پرہیزگاروں کے لیے ہدایت اور موعظہ و نصیحت کا ایک بہترین ذریعہ ہے یعنی باوجود دیگر بیانات تمام انسانوں کے لیے ہمہ گیر پہنچانے میں لیکن ان سے ہدایت کا ثمر صرف پرہیزگاری حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۱۸۔ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○

۱۱۹۔ إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا

بَيْنَ النَّاسِ وَلَيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ○

۱۲۰۔ وَلَيُمَخِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ○

۱۲۱۔ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ

وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ○

۱۲۲۔ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ○

ترجمہ

۱۲۹ اور سست نہ ہو جاؤ اور حزن و ملال نہ کرو اور تم ہی برتر ہو اگر تم ایمان واسے ہو۔

۱۳۰ اگر تمہیں (میدانِ اُمد میں) زخم لگے ہیں (اور تمہیں نقصان پہنچا ہے) تو اس گردہ کو بھی (میدانِ بدر میں) اسی طرح زخم لگ چکے ہیں اور ہم (سست و کامیابی کے) ان دنوں کو لوگوں میں اٹھ پھیر کرتے رہتے ہیں (کیونکہ یہ اس جہان کی زندگی کی خاصیت ہے) یہ اس لیے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ پہچاننے والے ہیں اور خدا تم میں سے قربان ہونے والوں کو منتخب کرے اور



خدا کی لہروں کو دوست نہیں رکھتے۔

۱۴۱ اور اس لیے کہ خدا صاحب ایمان لوگوں کو خاص قرار دے (اور وہ الگ جو بائیں) اور کافروں کو رفتہ رفتہ نابود کر دے۔

۱۴۲ کیا تم بارگاہِ انبیا کی تہذیب و تمدن کو صرف دعویٰ ایمان کی بنا پر جنت میں داخل کر دیتے جاؤ گے جبکہ ابھی تک خدا نے تم میں سے مجاہدین اور ماہرین کو شخص اور جدا نہیں کیا۔

۱۴۳ اور تم موت (اور راہِ خدا میں شہادت) کی تمنا کرتے تھے جبکہ ابھی تمہارا اور اس کا آئنا سامنا نہیں ہوا تھا اور پھر تم نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور تمہیں وہ نظر آ رہی تھی (لیکن تم اپنے تئیں اس کے حواسے کرنے کو تیار نہ تھے، تمہارے گفتار و کردار میں کتنا فرق ہے)۔

### شانِ نزول

ان آیات کی شانِ نزول کے بارے میں کئی ایک روایات میں لمبی طرز پر ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ان آیات کا منیر میں جو جنگِ اُمد کے بارے میں پہلے پہل کی ہیں۔ یہ آیات جنگِ اُمد کے اسباب و نتائج کا بہترین تجزیہ پیش کرتی ہیں اور ضمنی طور پر مسلمانوں کی روحانی تقویت اور ان کی تسلی کا سامان بھی فراہم کرتی ہیں۔ کیونکہ جیسا بیان کیا گیا ہے کہ جنگِ اُمد کچھ مسلمانوں کی نافرمانی اور جنگِ اصول سے انحراف کی وجہ سے شکست پر منتج ہوئی اور اس میں اسلام کی چند درخشاں شخصیات نے ہامِ شہادت نوش فرمایا جن میں سے سرفہرست پیغمبرِ اکرمؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کا نام گرامی آتا ہے۔ پیغمبرِ اکرمؐ اسی رات اپنے صحابہ کے ہمراہ شہید کی لاشوں کے قریب گئے شہداء کی طرح مقدسہ کی عظمت کو مد نظر رکھتے ہوئے آپؐ ایک ایک شہید کی لاش مبارک کے پاس بیٹھے اور گریہ کرتے اور ان کے لیے طلبِ مغفرت کرتے بعد میں ان سب کی لاشوں کو کوہِ اُمد کے دامن میں بہت ہی رنج و ملال کے ساتھ دفن کیا گیا۔ ان ماسِ مہمات میں درج بالا آیات کا نزول ہوا کیونکہ اس موقع پر مسلمان روحانی تقویت اور شکست کے نتائج سے معنوی فائدہ حاصل کرنے کے شدید محتاج تھے۔

### تفسیر

#### جنگِ اُمد کے نتائج

وَلَا تَقْنُصُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَامْتَحِنُوا اَلَمْ عَلِمْتُمْ مَوَدِّعِينَ

”تمہارا ہوا“ وہیں کے مادے سے لیا گیا ہے۔ وہی نعمت میں ہر قسم کی تسستی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ خواہ اس کا تعلق بہت ہو یا ارادہ و ایمان سے۔ اس آیت میں پہلے تو مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک جنگ میں شکست کی وجہ سے تم میں



سستی اور کمزوری پیدا ہو اور تم محزون ہو کر آخری کامیابی سے باز ہو جاؤ۔ کیونکہ میدانِ فخر افراد جس طرح کامیابیوں سے استفادہ کرتے ہیں اسی طرح شکست سے بھی درس حاصل کرتے ہیں اور اس کے سوا یہی کمزوری کے نقاط اور شکست کی وجوہات تلاش کرتے ہیں اور انہیں دور کر کے آخری کامیابی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

انتم الاحلوا ان حکمتہ مؤمنین • اتمی برتر ہو اگر تم میں ایمان ہو ایک بہت ہی پر معنی جملہ ہے۔ یعنی تمہاری شکست و حقیقت روح ایمان اور اس کے آثار کو بھینچنے کی وجہ سے تھی۔ اگر تم فرمانِ خدا اور رسول کو پائے نافذ مانی سے نذر دانتے تو اس قسم کی مصیبت میں گرفتار نہ ہوتے تاہم قبیل رنج و غل نہیں ہو پاتا ہے اگر راہ ایمان پر ثابت قدم رہے تو آخری فتح تمہاری ہوگی اور ایک میدان میں شکست سے دوچار ہونے کا معنی حتی شکست نہیں ہے۔

ان یحسبکم قرح فہذ من القوم قرح مثله

”قرح“ کا معنی ایسا زخم ہے جو بدن میں کسی خارجی عامل کی وجہ سے پیدا ہو۔ اس آیت میں ایک دوسرا درس آخری کامیابی تک پہنچنے کے لیے مسلمانوں کو دیا جا رہا ہے کہ تمہیں دشمن سے کتر تو نہیں ہونا چاہیے۔ وہ سخت سنگین شکست سے ادا ہوا ہوئے تھے۔ ان کے سر آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور بہت سے لوگ زخمی اور تیرہ ہوئے تھے۔ بایں ہمد و دہات پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے نہیں رہے بلکہ میرہ ابن اُمد میں تباہی خلعت کی وجہ سے انہوں نے اپنی شکست کی تلافی کی ہے۔ اب اگر تم اس میدان میں شکست کھا گئے ہو تو تم بھی نقصان کی تلافی کیے بغیر بیٹھ نہ جاؤ۔ اسی لیے ارشاد ہوا کہ اگر تمہیں زخم لگے ہیں تو ان کو بھی اس طرح کے زخم لگے ہیں۔ تمہاری سستی اور غم و اندوہ کی وجہ کیا ہے۔ بعض مغربی اس آیت میں زخموں سے مراد کفار کے دوزخ میں جیتے ہیں جو انہیں جنگِ اُمد میں لگے تھے۔ لیکن پہلے تو یہ زخم مسلمانوں کے زخموں جیسے نہیں تھے۔ لہذا یہ لفظ مشرک کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتے اور دوسرا یہ کہ یہ پہلے جملہ کے ساتھ بھی مناسبت نہیں رکھتے جس کی تفسیر مفسرین آجائے گی۔

و تلك الايام نذ اولها بين الناس طيعة لله الذين امنوا ويتخذ منكم شهداء

اس جتنے میں پہلے ایک سنتِ الہی کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ انسانی زندگی میں تلخ و شیریں حوادث آتے رہتے ہیں کہ جن میں سے کسی کے لیے پائیداری نہیں ہے۔ فتوحات و کامیابیاں، قدرتیں اور توفائیاں سب کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ لہذا ایک میدان کی شکست اور اس کے آثار کو پائیدار نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ شکست کے مراحل اور اسباب کا مطالعہ کر کے ان میں رہنا ہوئے الی تبدیل سے استفادہ کیا جائے اور اسے کامیابی سے بدلا جائے۔ صحابہ میں نسیب و فزائے آتے رہتے ہیں اور زندگی اپنے اصول کے مطابق تبدیل ہوتی رہتی ہے اور خدا ان ایام کو لوگوں کے درمیان گردش دیتا رہتا ہے تاکہ ان حوادث و اوقات میں سے سنت و مکمل افکار ہو جائے۔ بعد ازاں ان ناگوار و اوقات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ”وليعلم الله الذين امنوا“ یہ سب کچھ اس لیے ہے تاکہ صحابہ ایمان افراد ایمان کے دعویداروں سے الگ ہو جائیں۔ دوسرے مفسروں میں جب تک دردناک و اوقات

۱۰ ”ایام“۔ ایام کی جمع ہے۔ ایام کا معنی ہے دن۔ لوگوں کی کامیابی کے زمانے کو بھی ایام کہا جاتا ہے۔ ”غدا ہوا“۔ ”معاذ اللہ“ سے ہے اس کا معنی ہے ایک چیز کو مختلف لوگوں کے درمیان گردش دینا۔



کسی قوم میں واقع ذہنوں تو ان کی صفیں ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہوں گی کیونکہ کامیابیاں لوگوں کو خلعت کی نیند سلا دیتی ہیں جب کہ شکستیں تیار افراد کے لیے بیدار کرنے والی ہوتی ہیں اور ان کی قدر و قیمت کی نشاندہی کرتی ہیں۔

”وینتخذ منکم شہداء“ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس شکست کے نتائج میں سے ایک یہ تھا کہ تم راہ اسلام میں شہداء اور قربانیاں پیش کرو اور جان و گریہ پاک دین و ایمان تمہیں منت میں نہیں مل گیا۔ مبادا آئندہ اسے تھوڑی سی قیمت پر ہاتھ سے دے بیٹھو۔ جو قوم مقدس مقاصد و مبادیات کے لیے قربانی دے۔ وہ انہیں کم تر سمجھتی ہے لیکن جب ان کے لیے قربانیاں دے تو پھر خود اور آئندہ نہیں بھی انہیں عظمت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ جو ملتا ہے کہ غلط شہداء سے مراد یہاں گواہوں یعنی خدا چاہتا ہے کہ اس حادثہ سے تم میں سے کچھ گواہ ملے کہ کس طرح نافرمانیوں کا انجام شکست ہو اکتا ہے اور آئندہ جب کبھی انہیں اس قسم کے حادثوں کا سامنا ہو یہ گواہ ان کے لیے علم کا کردار ادا کریں گے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ خدا ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ اس لیے ان کی حمایت بھی نہیں کرے گا۔

### پہدرش و تربیت کا میدان

ولیس حص الله الذین آمنوا.....

ولیس حص حص کے مادہ سے ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کا بہت آہستہ آہستہ کم ہونا۔ اسی مناسبت سے مہینے کی آخری رات کو ”محاق“ کہا جاتا ہے کیونکہ آہستہ آہستہ چاند کی روشنی کم اور ختم ہو جاتی ہے۔

اس آیت میں جنگ آند کے ایک اور نظری تجربہ کی طرف اشارہ ہوا ہے اور وہ یہ کہ اس قسم کی شکستیں جماعتوں کی کمزوری اور میوب کے پہلو واضح کرتی ہیں اور ان میوب کو دور کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ خدا چاہتا تھا کہ اس مرکز حق و باطل میں با ایمان افراد کو خالص قرار دے اور انہیں کمزوری کے نقاط کی نشاندہی کرے تاکہ وہ آئندہ کی اس قسم کی آزمائش کی کٹالی سے گزر کر اپنی ہوشیاری کا اندازہ دگالیں جیسا کہ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

”فی قلب الاحوال یصلہ جواهر الرجال“

حالات کی دگر گونی اور زندگی کے گھٹن حوادث میں لوگوں کے جوہر کا پتہ چلتا ہے اور وہ اپنی صلاحیتوں سے باخبر ہوتے ہیں۔

یہ وہ مقام ہے جہاں بعض شکستیں ایسی اصلاح پر در ہوتی ہیں کہ جن کے اثرات انسانی معاشروں میں ظاہری خواب آور کامیابیوں سے کئی درجے زیادہ ہوتے ہیں۔

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ تفسیر اندر کا خوف اپنے استاد دوسرے کے عظیم مفتی محمد مہدی سے نقل کتاب ہے کہ انہوں نے پیر اکرم کو خواب میں دیکھا اور آپ نے اس سے فرمایا کہ اگر بے میدان احد میں فتح و شکست کا متناظر قرار دیا جاتا تو میں اس میدان میں شکست کو ترجیح دیتا کیونکہ یہ شکست تاریخ اسلام میں ایک اصلاح کنندہ و باطن بن گئی۔

ویمحق الحق کما ھدین

یہ مورد حقیقت پہلے جملہ کا ترجمہ ہے کیونکہ جب ہمیں حوادث کی کٹالی میں مضبوط اور پاک ہو گئے تو ان میں کفر و شرک کی بُرائی کو دور کرنے





اور اپنے معاشرہ کو ان گندگیوں سے پاک کرنے کی کافی آمادگی پیدا ہو گئی یعنی پہلے خود پاک ہونا چاہیے اور پھر دوسروں کو پاک کرنا چاہیے۔ حقیقت میں جس طرح کو چاند اپنی جلوہ گرمی کے ساتھ آہستہ آہستہ کم روشن ہو جاتا ہے اور وہ حالت ماق میں چلا جاتا ہے، اسی طرح کفر و کفر اور ان کے حامیوں کی عظمت مسلمانوں کی مغرب و پستی اور پاکیزگی سے زوال پذیر ہو گئی۔

ام حسبہ ان قد خلوا الجنة ولما يعلم نفعه الذین جاهدوا منکم ویعلم العشرین

قرآن مجید ائمہ اہل حق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے ایک عکری اشتباہ کی تصحیح کرتا ہے کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ جہاد میں شہادت کا مغایرہ کیے بغیر بہشت بریں میں قیام پذیر ہو جاؤ گے کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ اس مغربی سعادت کے اندر داخل ہونا صرف مسلمان کہلانے یا اہل حق کے بغیر صرف عقیدہ سے ممکن ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو سادہ نبایت سب ہوتا لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے اور جب تک حقیقی عقائد کی میدان محل میں مگاسی نہ ہو کوئی شخص بھی ان سعادتوں سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا کہ انہیں کی منزل پر (حق و باطل کی) صفیں ایک دوسرے سے ممتاز ہو جاتی ہیں اور جہاد و جہاد جسے قسمت و بے ارادہ سے مٹا نہ نظر آتے ہیں۔

## کھوکھلی باتیں

واللہ کدتم قمنون الصوت من قبل ان تلقوه فتقدرا یتحموه و الفتنہ تنظرون۔

جنگ بدر میں بعض مسلمانوں کی پر اہتمام شہادت کے بعد بعض مسلمان جب باہم مل بیٹھے تو بیٹھے شہادت کی آرزو کرتے اور کہنے لگے یہ عزت میدان بدر میں ہمیں بھی نصیب ہوتا۔ یقیناً ان میں کچھ لوگ سنے بھی تھے لیکن ان میں ایک جھوٹا گروہ بھی تھا جس نے اپنے آپ کو جسے میں اشتباہ کیا بہر حال زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ جنگ ائمہ کا مشتاک مرکز و پیش جو ان سنے جہادین نے بھاری سے جنگ کی اور جہاد شہادت نوش کیا اور اپنی آرزو کو پایا لیکن جھوٹوں کے گروہ نے جب لشکر اسلام میں شکست کے آثار دیکھے تو وہ قتل ہونے کے ڈر سے بھاگ کھڑے ہوئے تو یہ آیت انہیں سرزنش کرتے ہوئے کہتی ہے کہ تم ایسے لوگ تھے کہ جو دوں میں آؤ اور تھمتے شہادت کے دعویدار تھے۔ پھر جب تم نے اپنے محبوب کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تو کیوں بھاگ کھڑے ہوئے۔

## جنگ ائمہ میں شکست کے اسباب کا مختصر جائزہ

۱۔ پر کی آیات میں بعض ایسی قابل توجہ تعبیرات نظر آتی ہیں جن میں سے ہر ایک جنگ ائمہ کی شکست کے کسی نہ کسی راز سے پردہ اٹھاتی ہے۔ مختصر یہ کہ چند ایک ایسے حوالے موجود تھے کہ جن کی بنا پر یہ دغرائی اور عبرت آموز حادثہ رونما ہوا۔

بعض فوسلوں میں مسلمانوں کے اوراک میں اشتباہ پیدا ہوا۔ ان کا خیال تھا کہ صرف ایمان کا اظہار ہی کامیابی کے لیے کافی ہے۔ لہذا تمام جنگوں میں نبی ائمہ کے ذریعے خدا ان کی حمایت کئے گا۔ اس طرح انہوں نے کامیابی کے فطری لوازم صحیح منصوبہ ریزی اور ضروری وسائل فراہم کرنے کے سلسلے میں سنت الہی کو پس پشت ڈال دیا۔

۲۔ فوجی نظم و ضبط کی پابندی نہ کرنا، پیغمبر اکرم کا تاکید فرمایا تھا کہ تیر انداز اپنے سانس بوسے پر ڈھکے ہیں، اس فساد و فحاشی کی مخالفت اس شکست کا ایک موثر عامل بنی۔



۳۔ مسلمانوں کی دنیا پرستی کو جنہوں نے جلی غنائم کی بیع اور بی کو دشمن کا بیچا کرنے پر توجہ دی اور اسلام کو تار کر قیمت حاصل کرنے کے لیے چل پڑے حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہیے تھا کہ راہِ خدا میں جہاد کرتے وقت ان باتوں کی طرف دھیان نہیں دینا چاہیے۔

۴۔ عکبر و غزوہ جو جنگِ بدر کی کامیابی سے پیدا ہوا تھا یہاں تک کہ وہ دشمن کی طاقت کو اپنے اضعاف سے نکال بیٹھے تھے اور اس کے ساز و سامان کو سہلی بھر بیٹھے تھے۔ یہ اس شکست کا چوتھا اہم عامل تھا۔ یہ وہ کمزور پہلو تھے جنہیں اس شکست کے کھینچنے پھینچنے کی ضرورت تھی۔

۱۳۳۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۚ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝

۱۳۴۔ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُتَوَجِّلاً ۚ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا فُلْيُثِّبْ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُنَوِّثْ مِنْهَا ۚ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝

ترجمہ

۱۳۳۔ محمد صرف خدا کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو گزرے ہیں کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا انہیں قتل کر دیا جائے تو تم اپنے پاؤں پھر پاؤ گے (اور ان کے فوت ہونے سے اسلام کو چھوڑ کر کفر و بت پرستی کے زمانہ کی طرف پلٹ جاؤ گے) اور جو شخص پلٹ جائے گا وہ ہرگز خدا کو کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا اور خدا تعالیٰ مقرب شکر گزاروں (اور استقامت رکھنے والوں) کو جزا دے گا۔

۱۳۴۔ اور کوئی شخص حکمِ خدا کے بغیر نہیں مرنے یا معینِ خدا و سرِ فرشتہ ہے (اس بنا پر غمیر اور دوسرے لوگوں کی وفات سنتِ الہی ہے) تو جو شخص بھی دنیا کا ثواب اور جزا چاہتا ہے (اور اپنی زندگی میں اس کے لیے کوشش کرتا ہے) تو اس میں کچھ نہ کچھ ہم اسے دیں گے اور جو آخرت کا ثواب اور جزا چاہتا ہے تو اس میں اسے عطا کریں گے اور مقرب شکر گزاروں کو جزا دیں گے۔

## شان نزول

یہ آیت بھی جنگِ احد کے ایک حادثہ کے بارے میں ہے اور وہ یہ کہ جس وقت جنگ کی آگ مسلمانوں اور بت پرستوں کے درمیان شعلہ زن تھی، اچانک ایک آواز بلند ہوئی اور کسی نے کہا: میں نے محمد کو قتل کر دیا۔ میں نے محمد کو قتل کر دیا۔ یہ ٹھیک اس وقت کی بات ہے جب ایک شخص عمرو بن قیس عاصی نے ایک پتھر آنحضرت کی طرف پھینکا اور پیغمبر کی پیشانی اور دندان مبارک شہید ہو گئے، چہلاب پھٹ گیا اور آپ کا رخسار مبارک ہوجان ہو گیا۔ اس موقع پر ہر ایک دشمن چاہتا تھا کہ آپ کو قتل کر دے۔ اس دور میں حکمران اسلام کے ایک ملحد اور مصعب بن عمیر نے ان کے حلقوں کو تورک دیا لیکن خود شہید ہو گیا۔ اس کی شکل چونکہ پیغمبر سے حتیٰ بلتی تھی تو دشمن نے یہی گمان کیا کہ پیغمبر خاک و خون میں تڑپ رہے ہیں۔ یہ آواز فغان سے مام میں گونج اٹھی اس آواز سے جنابت پرستوں کے جذبات پر ثبت اثر پیدا ہوا اتنا ہی مسلمانوں میں عجیب اضطراب پیدا ہو گیا جتنا سچا ایک کشیدہ گروہ کے ہاتھ پاؤں جواب دے گئے اور وہ بڑی تیزی سے میدانِ جنگ سے نکل گئے یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے سوچا کہ پیغمبر تو شہید ہو گئے ہیں لہذا اسلام ہی کو خیر باد کہہ دیا جائے اور بت پرستوں کے سرداروں سے امان طلب کر لی جائے لیکن ان کے مقابلے میں خدا کا رول اور جانثاروں کی بھی ایک قلیل جماعت تھی جن میں حضرت علیؓ، ابو بکرؓ اور طلحہؓ جیسے بہادر لوگ موجود تھے جو باقی لوگوں کو پامردی اور استقامت کی دعوت دے رہے تھے ان میں سے انس بن نضرؓ لوگوں کے درمیان آیا اور کہنے لگا: اے لوگو! اگر تمہارا شہید ہو گئے ہیں تو محمدؐ کا خدا تو قتل نہیں ہوا۔ چلو اور جنگ کر داسی نیک اور مقدس ہدف کے حصول کے لیے درجہ شہادت پر غارت ہو جاؤ یہ گفتگو تمام کرتے ہی انہوں نے دشمن پر حملہ کر دیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ تاہم جلد ہی معلوم ہو گیا کہ پیغمبر اکرمؐ سلامت ہیں اور اطلاعاتِ اشتباہی گئی تھی۔ مندرجہ بالا آیت اسی مقام پر نازل ہوئی اور اس نے پہلے گروہ کی مذمت کی۔

تفسیر

## شخصیت پرستی کی ممانعت

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل فانتم موات و قتل افعلتم عل اعقابکم؟

جنگِ احد کے واقعات سے استفادہ کرتے ہوئے یہ آیت مسلمانوں پر ایک اور حقیقت واضح کرتی ہے وہ یہ کہ اسلام شخصیت پرستی کا دین نہیں ہے اور فرض کر لیں کہ اگر پیغمبر اسی میدانِ جنگ میں بامِ شہادت نوش فرماتے تب بھی مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ لڑائی کو جاری رکھتے کیونکہ پیغمبر کی (طبعی) وفات یا شہادت سے اسلام کا خاتمہ نہیں ہوتا بلکہ یہ ابد تک باقی رہنے والا دین حق ہے۔ شخصیت پرستی ایک خطرناک سلسلہ ہے جو ہر متقدم لڑائی کے لیے پہلی ہی کیفیت رکھتا ہے۔ کسی خاص شخص پر ہے وہ پیغمبرِ قائم ہی کیوں نہ

۱۷ بعض تواریخ میں ہے کہ چند آدمیوں نے علیؓ کو آنحضرتؐ پر حملہ کیا تھا جس کے نتیجے میں آپ کو زخم آئے۔



ہوں سے بے مقصد کی وابستگی کا معنی یہ ہے کہ جب وہ شخص اس دنیا سے چلا جائے تو پشیمانی کی کوشش اور اس کی تلاش ختم ہو سکتی ہے اور یہ وابستگی اجتماعی رشد و ترقی کے نہ ہونے کی ایک واضح نشانی ہے۔ شخصیت پرستی سے مقابلہ آپ کی حقانیت اور حجت کی ایک اور نشانی ہے کیونکہ آپ نے اگر اپنی ذات کے لیے قیام کیا جو تا تو آپ اس فکر کو لوگوں میں فروغ دیتے کہ تمام چیزیں ان کے دھارے وابستہ ہیں اور اگر وہ درمیان سے چلے جائیں تو تمام چیزیں ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ لیکن آپ جیسے صحیح اور سچے رہبر کبھی اس قسم کے فکر لوگوں میں پھیلنے نہیں دیتے بلکہ سختی کے ساتھ ان کی ترمیم کرتے ہیں اور انہیں اس بات کی تعلیم دیتے ہیں کہ ہمارا مقصد ہماری ذات سے بلند ہے اور وہ ہمارے چلے جانے سے نابود نہیں ہوگا۔ لہذا قرآنِ مہرحت کے ساتھ اور پر کی آیت میں اعلان کرتا ہے کہ محمد صرف خدا کے بھیجے ہوئے (رسول) ہیں ان سے پہلے بھی بھیجے ہوئے افراد تھے جو دنیا سے چلے گئے۔ کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل ہوں تو تم اُنہیں پھر باؤں گے اور بت پرستی کا راستہ اختیار کر دو گے۔ قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ آیت میں رجعتِ مہتری (پہلے کی طرف پلٹنے) کے لیے "الغیبتہ سلی اعضا بکم" کے الفاظ لائے گئے ہیں کیونکہ عقاب جو کہ عقب (پرواز) کی بجائے اس کا سنی اڑی ہے اور یہ رجعتِ مہتری کی واضح تصویر کشی ہے۔

وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبِهِ فَلَنْ يَحْمِلَ اللَّهُ شَيْئًا

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ پہلے کی طرف چھو جائیں اور کفر و بت پرستی کے دور کی طرف لوٹ جائیں وہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں نہ خدا کو۔ کیونکہ اس عمل سے نہ صرف ان کی نیک نیتی جاتی رہتی ہے بلکہ جو کچھ اب تک کما چکے ہیں وہ بھی تیزی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے دے بیٹھیں گے۔

وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ

آیت کے آخر میں اس تعلیمِ جماعت کی طرف اشارہ کیا گیا جو تمام مشکلات اور پیچیدگیاں ختم کی خبر شہادتِ عام ہونے کے باوجود ہمارے دست بردار نہیں ہوئی۔ اس میں ان کی جدوجہد کو سراہا گیا ہے اور ان کا تعارفِ شاکرین اور نعماتِ الہی سے بہرہ ور ہونے والے اشخاص کے عنوان سے کرایا گیا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ خدا ان شکر گزاروں کو اچھی جزا دے گا۔ اس آیت نے تمام مسلمانوں اور ہر زمانہ کے لوگوں کے لیے شخصیت پرستی کا مقابلہ کرنے کا ایک نصیحت آموز درس دیا ہے کہ ہمارے مسائل کسی ایک یا کئی محدود اشخاص سے وابستہ نہیں ہوتے بلکہ وہ کئی ایک اصول اور ابدی پروگراموں کے گرد گھومتے ہیں اور افراد کے بدلنے یا ان کے فوت ہوجانے سے انہیں مطلق نہیں ہونا چاہیے، چاہے وہ فرد خدا کے ظہیر پیغمبری کیوں نہ ہوں اور اصولی طور پر ایک مذہب اور پروگرام کی بقا کا راز اسی میں مضمر ہے اس لیے کہ جو پروگرام اور مضمون کسی شخص یا محد سے مربوط ہوتے ہیں وہ کاہر نہیں رہتے بلکہ بہت جلد ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن انہوں سے کہنا چاہیے کہ اکثر اسلامی اداروں کے پروگرام بھی تک اشخاص سے قائم ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ پایہ تکمیل تک نہیں پہنچتے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ آیت کو مد نظر رکھتے ہوئے مختلف اداروں کی داغ بیل اس طرح ڈالیں کہ وہ واقعی و فائق افراد سے پوری طرح فائدہ اٹھائیں تاہم وہ کسی شخص سے وابستہ نہ رہیں۔

وَمَنْ كَانَ لِنَفْسِهِ انْقِسَافًا مِمَّا نَزَّلْنَا مِنْ بَيْنِ يَدَيْنَا مَا يُخَالِفُ

میساکر کہا جا چکا ہے کہ میدانِ اعدا میں پیغمبر کی شہادت کی بے بنیاد خبر نے بہت سے مسلمانوں کو وحشت و اضطراب میں ڈال دیا



تک کہ وہ میدان چھوڑ گئے بلکہ بعض تو اسلام سے ہی منحرف ہونا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے اس آیت میں اس گروہ کو تنبیہ اور بیداری کے لیے ارشاد ہوا کہ موت خدا کے ہاتھ میں ہے اور اس کے ہاں ہر شخص کے لیے مقرر شدہ وقت ہے جس سے وہ بھاگ نہیں سکتا۔ بنا برآں اگر پیغمبر اسی میدان میں جام شہادت نوش فرمائیے تو سوائے ایک سنت الہی، انجام پانے کے اور کوئی بات نہیں تھی لیکن ان حالات میں مسلمانوں کو وحشت و اضطراب میں مبتلا ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ لڑائی جاری نہ رکھیں اور دوسری طرف میدان جنگ سے فرار موت سے غلامی نہیں دلا سکتا جیسا کہ میدان جنگ میں شریک ہونا بھی انسان کی موت کو پہلے نہیں دلا سکتا۔ اس لیے جان کی حفاظت کے لیے میدان جنگ سے فرار صحیح ہے اور وہ اصل اور اس طرح میں صحیح ہے اور معنی ہے کہ درمیان فرق پر سورۃ انعام میں ہم سیر حاصل تبصرہ کریں گے۔

وَمَنْ يَرِدْ خَوَابَ الدُّنْيَا نَفَتْ مِنْهَا وَمَنْ يَرِدْ خَوَابَ الْآخِرَةِ نَفَتْ مِنْهَا

آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ انسان کی کوشش کسی منافع نہیں ہوتی۔ اگر کسی کا مقصد صرف مادی فوائد تک محدود ہو اور مقصد جنگ اُحد کے بعض سپاہیوں کی طرح صرف مال فہیمت جمع کرنا ہو تو بالآخر کچھ نہ کچھ اس سے بہرہ ور ہو گا لیکن اگر اس کا مقصد عظیم ہو اور حیات جاودانی اور انسانی فضا کی راہ میں کوشش کی جائے تو پھر بھی اپنے مقصد تک پہنچ جائے گا۔ بنا برآں جب دنیا یا آخرت کا حصول دونوں ہی کوشش کے نتائج میں تو پھر انسان کیوں پہنچے جو اُحد کے سربانے کو بلند ترین اور پائیدار راستہ میں صرف نہ کرے۔ اس کے بعد دوبارہ تاکید کیا گیا کہ ہم بہت جلد شکر گزاروں کو بڑا دیں گے (وَسَجِّزُ الشَّاكِرِينَ) قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ گذشتہ آیت میں پی جوفل غائب کی شکل میں ذکر ہوا تھا اور یہاں ضل شکم کی صورت میں ہے جس سے وعدہ خداوندی کی اطمینان دہانہ ہو جاتی ہے اور سادہ الفاظ میں خدا کا ہے کہ ان کی بڑا کام میں خاص ہوں۔ تفسیر مجمع بیان میں امام باقر سے اس آیت کے ذیل میں نقل ہے: حضرت علیؑ کو اُحد کے دن کسٹھ زخم لگے تھے اور پیغمبر نے ام سیم، اور ام علیہ، کو حکم دیا کہ وہ دونوں حضرت علیؑ کے زخموں کا علاج کریں۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ حالت پریشانی میں آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کرنے لگیں کہ حضرت علیؑ کے بدن کی کیفیت یہ ہے کہ ہم جب ایک زخم باندھتی ہیں تو دوسرا کھل جاتا ہے اور ان کے بدن کے زخم اس قدر زیادہ اور خطرناک ہیں کہ ہم ان کی زندگی کے باسے میں پریشان ہیں تو حضرت رسولؐ خدا اور کچھ دیگر مسلمان حضرت علیؑ کی عیادت کے لیے ان کے گھر آئے جبکہ ان کے بدن پر زخم ہی زخم تھے تو پیغمبر اکرمؐ اپنے دست بزرگ ان کے جسم سے ٹس کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو شخص ماہِ خدا میں اس حالت کو دیکھے وہ اپنی ذمہ داری کے آخری درجہ کو پہنچ چکا ہے اور جن جن زخموں پر آپؐ ہاتھ رکھتے تھے وہ فرما لیا جاتے تھے تو اس وقت حضرت علیؑ نے فرمایا کہ الحمد للہ کہ ان حالات میں میں میدان جنگ سے نہیں بھاگا اور دشمن کو پشت نہیں دکھائی، خدا نے ان کی کوشش کی قدر دانی کی اور قرآن کی دو آیات میں آپؐ کی اور مجاہدین اُحد میں سے دیگر قابلِ تقلید افراد کی فداکاریوں کی طرف اشارہ کیا (وَسَجِّزُ الشَّاكِرِينَ) اور دوسرے مقام پر ارشاد ہوا (وَسَجِّزُ الشَّاكِرِينَ)۔

۱۳۶ وَكَاتَيْنِ مِّنْ نَّبِيِّ قُتِلَ مَعَهُ رِثْيُونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۚ وَاللَّهُ



## يُحِبُّ الضَّالِّينَ ۝

۱۳۷۔ وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي

أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

۱۳۸۔ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ

الْمُحْسِنِينَ ۝

ترجمہ

۱۳۷ اور کتنے پیغمبر تھے جن کی معیت میں بہت سے خدا والوں نے جنگ کی تو انہوں نے راہِ خدا میں پہنچنے والی مصیبت کے مقابلے میں سستی نہیں کی اور نہ وہ کمزور و ناتواں ہوئے اور نہ ہی انہوں نے سر جھکایا اور خدا صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

۱۳۸ ان کی گفتگو صرف یہ تھی کہ پروردگار ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمارے کاموں میں زیادتی سے صرف نظر فرما ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کفار پر کامیاب عطا کر۔

۱۳۸ لہذا خدا نے دنیا اور آخرت کا حسن ثواب انہیں دیا اور خدا نیک کار لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

تفسیر

گذشتہ زمانوں کے مجاہدین

و کائن من فنی ۔۔۔۔۔

”کائن“ کے معنی میں کتنے زیادہ اور ادب کے ماہرین کہتے ہیں کہ یہ لفظ کائن تفسیر اور ”این“ سے مرکب ہے کہ جواب ایک ہی کر ہی چکا ہے اور پہلے اجزاء کا انفرادی معنی متروک ہو گیا ہے اور اس کا معنی ہو گیا ہے ”کتنے زیادہ“۔  
”رہنمون“ ”رہنمون“ کی جمع ہے اور رہنمون اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جس کا خدا سے مضبوط اتصال ہو جو صاحبِ ایمان عالمِ مبرا اور مخلص ہو۔

جنگِ اُحد کے واقعات کے بعد اوپر کی آیت گذشتہ زمانہ کے مجاہدین اور اصحابِ انبیاء کی قوت، شجاعت، شجاعتِ شکی ایمان





اور استقامت کی یاد دلا کر مسلمانوں کو شہادت اور فداکاری کی ترویج و ترویج دلاتی ہے اور دشمنی اور پرہیزگاری سے افراد کو روکنے والوں کی سرزنش کرتی ہے اور کہتی ہے کہ بہت سے انبیاء ایسے تھے جن کے یار و انصار کی صف میں فداپرست مجاہد موجود تھے۔ اس کے بعد ان کے طرز عمل یوں بیان کرتی ہے وہ انبیاء کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہونے بہت کھنکھنات میں انہوں نے سختی اور ناتوانی نہیں دکھائی اور دشمن کے سامنے کبھی سرخم نہیں کیا اور نہ ہی اپنے آپ کو ان کے سپرد کیا ہے (ماحتفظوا و ما استکانوا) اور واضح ہے کہ فدا ایسے ہی افراد کو پسند کرتا ہے جو ذاتی میں چپا نہیں دکھاتے اور اللہ یحب الصابرین اور وہ لوگ جو کبھی سختی یا جھڑپ کی وجہ سے دشمن کے سامنے مشکلات میں گھبر جاتے تھے تو بھانے اس کے کہ میدان ان کے حوصلے کو دیں یا اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیں یا ان کے دماغ میں کفر و ارتداد کی فتنش پیدا ہو۔ وہ بارگاہِ خداوندی سے صبر و استقامت اور پامردی کی درخواست کرتے تھے کہتے تھے "ربنا اھتفلنا ذلھونا و اسراھن فی امرنا و ثبت اقدامنا و انصبر لنا علیھ الخوف" (الحکامہ ص ۲۷) پروردگار! ہمارے گناہوں کو بخش دے جاری جلد بازی سے درگزر فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھاؤ ہمیں کافروں پر کامیابی عطا کر۔ وہ اس قسم کے طرز فکر عمل سے خدا سے جلد اپنی جزا اور ثواب حاصل کرتے تھے اس دنیا کی جزا بھی جو دشمن پر فتح و کامرانی ہے اور دوسرے جہاں کی جزا ثواب بھی۔ "فاتاھم اللہ ثواب الدنیا و حسن ثواب الاخرۃ"۔

آیت کے آخر میں انہیں نیکو کاروں میں شمار کر کے ارشاد فرماتا ہے "واللہ یحب المحسنین" نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔ اس طرح سے خدا تازہ مسلمانوں کے لیے گشتِ امتوں کے مجاہدین کے پرانگوں اور مشکلات کے مقابلے میں ان کے طرز عمل کا ذکر ایک دوسرے کے طور پر کر رہا ہے۔

اوپر کی آیات ان چیزوں کے علاوہ کئی اور نکات بھی واضح کرتی ہیں:

- ۱ جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ صبر کے معنی ہیں استقامت و پامردی۔ اس لیے اس آیت میں اسے ضعف اور تسلیم کے مقابلے میں لایا گیا ہے اور پھر صابر اور نیکو کار ایک درجہ میں قرار پائے ہیں کیونکہ آیت کے آخر میں ارشاد فرماتا ہے "واللہ یحب الصابرین" اور دوسری آیت میں ہے "واللہ یحب المحسنین"۔ اس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ نیکو کاری صبر و استقامت کے بغیر ممکن نہیں۔ کیونکہ ہر نیکو کار شخص کے سامنے ہزار ہا مشکلات کھڑی ہیں۔ اگر اس میں استقامت نہ ہوگی تو وہ بہت جلد ہی اپنا کام چھوڑ دے گا۔
- ۲ قیمتی مجاہد بھائے اس کے کردہ اپنی شکست کا سبب دوسرے کو قرار دے یا اسے دہی حوالہ کا نتیجہ قرار دے۔ اپنی ذات میں اس کا سرچشمہ تلاش کرتے ہیں اور اپنے انتہائی بات کی تلاش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ شکست کا لفظ اپنی زبان پر بھی نہیں لاتے اور اس کے بجائے اپنے نفسوں پر زیادتی کا ذکر کرتے ہیں بخلاف جملہ کے کہ ہم آج کی دنیا میں کوشش کرتے ہیں کہ ضعف و کمزوری کے پہلوؤں کو نظر انداز کر دیں جو حجابی ناکامیوں کا سرچشمہ ہیں اور ان سب کو غامبی اسباب کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم کبھی ان کمزوریوں کو ختم نہیں کر سکتے۔

۳ درج بالا آیت میں دنیاوی جزا کو "ثواب الدنیا" کہا گیا ہے جبکہ آخرت کی جزا کو "حسن ثواب الاخرۃ" سے تعبیر کیا گیا ہے یہ اس حرف اشارہ ہے کہ آخرت کی جزا دنیاوی جزا سے بہت زیادہ، تمیز رکھتی ہے کیونکہ دنیاوی جزا کتنی ہی اچھی کیوں





زہود و آخرت پر جانے لگی، اور غلات مزاج چیزوں کے ساتھ ملی ہوئی ہوئی، بلکہ آفت کی بڑا سرتاپا بہتر، غامض اور ہر قسم کی تکلیف سے پاک ہوئی۔

۱۴۹۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ○

۱۵۰۔ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ○

۱۵۱۔ سَتُلْقَىٰ فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَهُمْ يَنْزِلُ بِهِ سُلْطَانٌ وَمَأْوَهُمُ النَّارُ وَيَبْئَسَ مَشْوَى الظَّالِمِينَ ○

ترجمہ

۱۴۹۔ اے ایمان والو! اگر ان لوگوں کی اطاعت کرا لگے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تو وہ تمہیں پیچھے کی طرف دھکیں دیں گے اور آخر کار تم تمہارا اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔

۱۵۰۔ (وہ تمہارا سہارا نہیں ہیں) بلکہ تمہارا سہارا اور سرپرست خدا ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔

۱۵۱۔ (بند کردہ الکفار) بلادیل کچھ چیزوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں، اس لیے بہت جلد ان کے دلوں پر ہم رعب و خوف طاری کریں گے اور ان کا ٹھکانا آگ ہے اور ظالموں کا ٹھکانا کس قدر بڑا ہے۔

تفسیر

بار بار خطر سے آگاہی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ

یہ آیات بھی گزشتہ آیات کی طرح جنگ اُمد کے واقعات کا بخوبی تفصیل کرتی ہیں اور اس حقیقت کی گواہی دیتی ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ جنگ اُمد کے ختم ہونے کے بعد دشمنان اسلام زہریلے پردے لگا کر اسے نصیحت کے جیسے مین سلمانوں کے درمیان منافقت و اختلاف کا بیج بونے تھے اور چند مسلمانوں کی نفسیات کو زوروں سے فائدہ اٹھا کر انہیں اسلام سے بدظن کرنا چاہتے تھے شاید یہودی اور عیسائی بھی اس کام میں منافقین کے شریک تھے۔ بیا کہ جنگ اُمد میں بھی پیرو کریم کی شہادت کی بے فیاد افراد پہلا کر مسلمانوں کی نفسیات کو کمزور کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ پہلی آیت مسلمانوں کو کفار کی پیروی کرنے سے ڈراتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر تم کفار کی



ہیروی کرو گے تو وہ تمہیں پیچھے کی طرف دھکیں دیں گے اور تعلیمات اسلام کے زیر سایہ روحانی امنوی اور مادی ترقی کے بعد تمہیں پہلے تفہیم کی طرف گرا دیں گے جو کفر و فساد ہے اور اس وقت جس میں بہت زیادہ نقصان پہنچے گا کیونکہ اس سے زیادہ شمارہ اور کیا ہو گا کہ انسان اسلام کو کفر سے اور سعادت کو شقاوت سے اور حق کو باطل سے بدل ڈالے۔

اس کے بعد انہیں تسلی دیتے ہوئے تاکید کی گئی ہے کہ تمہارا بہت بڑا مددگار موجود ہے (بی اللہ مودکہ و هو محمد بن الناصر بن) خدا تمہارا حامی و مددگار ہے اور وہ بہترین مددگار ہے جو کبھی مغلوب نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ کبھی شکستہ نیست سے وہ باز ہو سکتے ہیں۔  
مستلحق فی قلوب ہذین مغرور الرعب

یہاں جنگ اُمہ کے بعد مسلمانوں کے جو اذکار پر نجات پانے کی طرف اشارہ ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نصرت و حمایت کا ایک موقع یاد دلاتا ہے، آئندہ کے لیے بھی ان کا جوش ابھار گیا ہے اور کامیابی کا وعدہ کیا گیا ہے کیونکہ جیسا بیان ہو چکا ہے کہ لوگوں کے بہت پرست جنگ اُمہ میں شاندار کامیابی حاصل کر چکے تھے اور ظاہراً شکر اسلام مغلوب ہو چکا تھا اب چاہیے تو یہ تھا کہ وہ میدان کی طرف ہٹ آتے اور مسلمانوں کی باقی ماندہ قوت کو کھنکھاتے، مہینہ کو تاخت و تاراج کرتے، پیغمبر کی بے بنیاد خبر شقاوت سے طمع ہونے کے بعد انہیں قتل کر دیتے اور اس بارے میں کسی شک و شبہ کو شکر نہ ہوتے لیکن خدا نے ان کے دلوں میں عجیب خوف ڈال دیا ایسا خوف ہوا جس کو کفر و بہت پرستی کا غاصب ہے۔ یہ خوف ان میں اتنا باکڑیں ہوا کہ روایات کے مطابق میں وقت وہ میدان اُمہ سے ہٹ کر کھڑے کے قریب پہنچے تو ایک شکست خوردہ لشکر کی صورت میں نظر آتے تھے۔ آیت کہتی ہے: ہم بہت جلد ہی کفار کے دلوں میں خوف ڈال دیں گے۔ (یعنی جس طرح جنگ اُمہ کے موقع پر تم دیکھ چکے ہو) اسی طرح آئندہ کے لیے بھی یہی امید رکھو۔ قابل توجہ امر یہ ہے کہ ان کے دلوں میں رعب و خوف کا سبب یوں بیان کیا گیا ہے: و بعد انشور کو با اللہ سالہ یعنی سالہ میں سلطانہ یعنی اسی وجہ سے کہ انہوں نے بدلیل بہت سی چیزوں کو خدا کا شریک قرار دیا تھا۔ درحقیقت جو بے ہودہ لوگ دیں و زبان کی ہیروی نہیں کرتے اور رائی کو پہاڑ بنا بیٹے ہیں اور چتر اور لکڑی کو اپنا معبود سمجھتے ہیں وہ حوادث زمانہ کے مقابلہ سے عاجز ہوتے ہیں کیونکہ وہ بہت جلد ماسبحہ کے استقباب میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور زندگی میں کسی معمولی حادثہ کا بھی سامنا نہیں کر پاتے۔ مثال کے طور پر وہ یہ سنیں کہ مدینہ کے مسلمان جنگ اُمہ کے زخمیوں کو ساتھ لے کر مدینہ دوبارہ میدان اُمہ میں ہٹ آئے ہیں تو یہ بات ان کی نگاہ میں بہت بڑی ہوتی ہے اور وہ اس سے لرزہ برآمد ہو جاتے ہیں جیسا کہ آج کی دنیا میں بھی ہم یہ دیکھتے ہیں بڑے بڑے صاحبان اقتدار معمول سے واقف پریشان ہو جاتے ہیں اور رائی کو پہاڑ سمجھ جیتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کے لیے حکم اور مضبوطی اسے کا انتخاب نہیں کیا ہوتا۔

وما و مہر النار و مہن مشوی العظماء

یہ افراد اپنے اور معاشرے پر غم کرتے ہیں اس بنا پر ان کے لیے سوائے جہنم کی، آگ کے کوئی پناہ گاہ نہیں اور وہ کسی بڑی پناہ گاہ ہے۔

دشمن کا خوفزدہ ہونا کامیابی کا ایک راستہ ہے

بہت سی روایات میں ملتا ہے کہ پیغمبر اکرم فرمایا کرتے تھے کہ خداوند عالم کی طرف سے مجھے عطا کی گئی خصوصیات میں سے ایک



یہ ہے کہ وہ دشمن کے دل میں خوف ڈال کر مجھے کامیابی سے نوازے۔

یہ بات جنگ میں کامیابی کے ایک اہم عامل کی طرف اشارہ ہے جو آج کل کے زمانہ میں خصوصی طور کے لائق ہے کہ کامیابی کا اہم ترین عامل مجاہد کا جذبہ جو تاسا ہے اور جتنا اثر یہ عامل ہے اتنا ان کی افروزی قوت اور ساز و سامان کی زیادتی بھی مؤثر نہیں۔ اسلام روح ایمان کو تقویت بخشتا ہے جہاد کے لیے عشق و دہش پیدا کرتا ہے۔ اعزاز و شہادت کی تپا پیدا کرتا ہے اور خدا سے قادر پر چھوڑ کر ناسکھاتا ہے اسلام اس روح اور جذبے کی پرورش اپنے مجاہدین میں اعلیٰ ترین طریقہ سے کرتا ہے۔ جیکہ خرافات کے تواسے بہت پرست جن کا سہارا ہے شعور و بے ارادہ اور بے جان بت تھے اور جو معاد و قیامت اور حیات بعد موت کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے وہ جن کے افکار یہود کیوں سے آلودہ تھے ان کا جذبہ کمزور اور ناتواں تھا اور مسلمانوں کی ان پر کامیابی کا مؤثر عامل یہی روحانی امتیاز تھا۔

۱۵۶. وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحْسُونَهُمْ بِأَذْيِهِ حَتَّى إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مَن بَعْدَ مَا آرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ مِنْكُمْ مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ○

۱۵۷. إِذْ تَضَعُونَ وَلَا تَلْنُونَ عَلَى أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أَخْرَاكُمْ فَأَنَابَكُمْ عَمَّا بَيْنَكُمْ نَكِيلًا تَحْزَنُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا آصَابَكُمْ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ○

۱۵۸. ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنًا نَّعَاسًا يَغْشَو طَائِفَةً مِنْكُمْ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قَتَلَنَا هُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى



مَصْنَعًا جَدِيدًا ۚ وَلِيُبَيِّنَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ  
وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ○

ترجمہ

۱۵۱ اندانے تم سے اپنا وعدہ (جنگِ اُحد میں دشمن پر کامیابی کا) پورا کر دیا جبکہ (ابتداءً جنگِ اُحد میں) تم دشمنوں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے (اور یہ کامیابی جاری تھی) یہاں تک کہ تم مست ہو گئے اور (موجوں کو چھوڑنے لگے اور) آپس میں نزاع کرنے لگے اور جو (دشمن پر غلبہ) تم چاہتے تھے وہ تمہیں دکھایا لیکن اس کے بعد تم نے نافرمانی کی۔ تم میں سے بعض دنیا کے خواہشمند تھے اور بعض آخرت کے خواہاں تھے پھر خدا نے تمہیں ان سے پھیر دیا (اور تمہاری فتح شکست سے بدل گئی) تاکہ تمہارا امتحان ملے اور اس نے تمہیں معاف کر دیا اور خدا مومنین کے لیے فضل کرنے والا اور بخشنے والا ہے (یاد کرو وہ وقت) جب تم پہاڑ پر چڑھ رہے تھے (اور تمہارا ایک گروہ بیاباں میں بکھرا ہوا تھا) اور تم پیچھے رہ جانے والوں کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے اور پیغمبرِ پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے۔ اس کے بعد تم پر پے در پے مصائب آئے اور یہ اس لیے تھا (تاکہ جنگِ خنہ کے) ہاتھ سے چلے جانے سے تم تلکین نہ ہو اور نہ ہی ان آلام کی وجہ سے جو تم پر آپس میں اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو خدا اس سے آگاہ ہے۔

۱۵۲ پھر اس غم و اندوہ کے بعد امن و آرام کا تم پر سایہ نازل کیا اور یہ ایک اونگھ کی صورت میں تھا جو (واقعہ اُحد کی بعد) رات میں آتم میں سے ایک گروہ کو عارض ہوئی تھی لیکن ایک دوسرے گروہ کو اپنی جان کی فکر تھی (اور انہیں نیند نہیں آئی تھی) وہ لوگ خدا کے بلھے میں زمانہ جاہلیت کے سے بُرے گمان کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا کامیابی کا کچھ حصہ میں نصیب ہو گا۔ کہہ دو: تمام (کامیابیاں اور) کامِ اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ اپنے دل میں کچھ باتیں چھپائے ہوئے ہیں مگر کاہنہ سے سامنے اٹھانے نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کامیابی میں جبار کوئی حصہ ہوتا تو ہم قتل نہ ہوتے۔ کہہ دو: اگر تم اپنے گھر یا میں بھی جوتے تو وہ لوگ کہ قتل ہوتا مگر ان کی قسمت میں تھا (وہ دشمن) ان کے بستر پر آپڑتے (اور انہیں قتل کر دیتے) اور یہ اس لیے کہ خدا تمہارے سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کی آزمائش کرے اور تمہارے دلوں میں جو (ایمان) ہے اس کے ظہور کو پرکھے۔ اور تمہارے سینوں کے اندر جو کچھ ہے اللہ اس سے باخبر ہے۔



تفسیر

## کامیابی کے بعد شکست

جنگ اُص کے واقعات میں گزر چکا ہے کہ مسلمان ابتداً جنگ میں اتحاد اور بڑی دلیری کے ساتھ لڑے اور جلد ہی کامیاب ہو گئے اور دشمن کا لشکر پراگندہ و منتشر ہو گیا جس سے مارے شکوہ اسلام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی لیکن کوہِ عینین کے دوسے میں عبداللہ بن جبر کی سرکردگی میں لڑنے والے تیر اندازوں کی نافرمانی اور ان کے اس محاسن کو چھوڑنے اور دوسرے لوگوں کی مالِ قیمت جمع کرنے کی مشغولیت سے ورقِ ہی الٹ گیا اور لشکرِ اسلام ایک زبردست شکست سے دوچار ہوا۔

کافی شبید دے کر اور بہت نقصان اُٹھا کر جب مسلمان مدینہ کی طرف پلٹ آئے تو ایک دوسرے بکتے تھے کہ کیا خدا نے ہم سے فتح و کامیابی کا وعدہ نہیں کیا تھا، پھر اس جنگ میں ہمیں کیوں شکست ہوئی، اس پر مندرجہ بالا آیات میں انہیں جواب دیا گیا اور شکست کے اسباب کی نشاندہی کی گئی۔ اب ہم آیات کی تفصیل تفسیر کی طرف آتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِإِذْنِهِ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ

اس جرم میں ارشادِ خداوندی ہے کہ کامیابی کے بارے میں خدا کا وعدہ بالکل درست تھا اور اس کی وجہی سے تم ابتداً جنگ میں کامیاب ہوئے اور حکمِ خدا سے تم نے دشمن کو تتر بتر کر دیا۔ کامیابی کا یہ وعدہ اس وقت تک تھا جب تک تم استقامت و پامردی اور فرمانِ پیغمبر کی پیروی سے دست بردار نہیں ہوئے اور شکست کا دروازہ اس وقت کھلا جب شستی اور نافرمانی نے تمہیں آگھیرا۔ یعنی اگر تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ کامیابی کا وعدہ بلا شرط تھا تو تمہاری بڑی غلط فہمی ہے بلکہ کامیابی کے تمام دوسرے فرمانِ خدا کی پیروی کے ساتھ مشروط ہیں۔ البتہ یہ کہ خدا نے مسلمانوں سے اس جنگ میں کامیابی کا وعدہ کب کیا تھا، اس بارے میں دو احتمال ہیں۔ پہلا یہ کہ مراد عمومی وعدہ ہے جسے جو خدا کی طرف سے مسلمانوں کو دشمنوں پر کامیابی کے بارے میں دیئے جانے والے تھے۔ دوسرا یہ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر جنگ اُص سے پہلے وعدہ ہے چکے تھے اور ان کا وعدہ خدا کا وعدہ ہے۔

وَتَنَادَىٰ جُثُلًا مِّنْهُمْ اِلَٰهَٰمُ رُدُّوْا لَنَا دِيَارَنَا وَنَجِّنَا مِنْ يَدِ الْغَٰلِبِیْنَ

اس میں کوہِ عینین کے تیر اندازوں کی طرف اشارہ ہے اور ان کی کیفیت بیان کی گئی ہے کہ وہ تیر انداز جو پہاڑ کے دوسے پر تھے ان میں مورچہ چھوڑنے کے بارے میں اختلاف پڑ گیا اور ان میں جیشِ ترے نافرمانی اور مخالفت کی مادی یہ قرآن کہتا ہے کہ ہمیں تمہاری آرزو تھی ویسی ہی نظروں میں سما جانے والی کامیابی دیکھ لینے کے بعد تم نے راہِ عصیان اختیار کی اور حقیقت میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے تم نے جو لازمی تھی وہ کوشش کی لیکن اس کو برقرار رکھنے کے لیے تم نے استقامت و پامردی نہیں دکھائی اور ہمیشہ

۱۔ تَحُسُّونَهُمْ۔ اہم سے ہے۔ اس کا معنی ہے کسی کے خلاف ختم کر دینا اور اسے قتل کر دینا۔ یعنی تم انہیں قتل کرتے تھے۔

۲۔ اِذَا۔ یہاں پر شرط نہیں۔ میں۔ اور وقت کے معنی میں ہے۔



کامیابیوں کی حفاظت کرتا ان کے حمل سے زیادہ مشکل ہوا کرتا ہے۔

منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرة

اس موقع پر تم میں سے ایک گروہ دنیا چاہتا تھا وہ ملی قیمت اکٹھا کرنے لگا جب کہ دوسرا گروہ میں میں عبداللہ بن جبر اور دیگر تیر انداز شامل تھے جو ثابت قدم رہے وہ آخرت اور خدائی جزا و ثواب کے خواہاں تھے۔

ثم صرفکم عنہم لیستلکم

یہاں ورتق اٹھ گیا اور خدائے تباری کا یہاں کی شکست سے بدل ڈالنا کہ تباری آزمائش کسے اور تمہیں تنبیہ کسے اور تباری تمہیں کسے۔

ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المؤمنین

اس کے بعد خدائے تباری ان سب نافرمانیوں سے درگزر کیا جبکہ تم سزا کے مستحق تھے کیونکہ خداوند عالم مؤمنین کے لیے ہر قسم کی لغتوں کو فروگذا نہیں کرتا۔

اذ تصعدون ولا تلون علی احد والرسول یدعوکم فی اخوکم

اس آیت میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کے لیے جنگ احمد کے انجام کا نقشہ کیسپنا ہے اور فرماتا ہے ایسا کرو اس وقت کو جب تم ہر طرف منتشر تھے اور جگہ سب تھے اور پیچھے کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے کہ تمہارے باقی بچائی کس حالت میں ہیں بلکہ غیر مجھے سے تمہیں پکار رہے تھے "التم عباد اللہ التم عباد اللہ ہانف رسول اللہ" خدا کے بند و میری طرف پلٹ آؤ میری طرف پلٹ آؤ میں خدا کا رسول ہوں لیکن تم میں سے کوئی ان کی پکار پر کان نہیں دھرتا تھا۔

فانابکم غصا بغیر

اس وقت یکے بعد دیگرے غم و اندوہ تم پر ٹپے کیونکہ تم ایک طرف جنگ میں شکست، کئی افروں اور بباد رسپا ہیوں کی شہادت اور کئی زخمیوں کے غم میں مبتلا تھے تو دوسری طرف پیغمبر کریم کی خبر شہادت کے جیل جانے کی پریشانی اور پھر ان کے بچی ہونے کا غم تھا اور یہ سب کچھ تمہاری لغتوں اور نافرمانیوں کا نتیجہ تھا۔

لکیلا تحزنوا علی ما فاتکم ولا ما اصابکم

غم و اندوہ کا یہ سیلاب اس لیے تھا کہ اب تم مایہ فیمت ہاتھ سے پر ٹپکے ہوئے پاؤ اور کامیابی کی راہ میں جو مشکلات اور زخم تمہیں پہنچے ہیں ان کی فکر کرو۔

واللہ خبیر بما تعملون

لہ نقصہ و ن ماہ اصحاب سے ہے۔ معزات میں بالغ کے بقول اس کا سنی ہے سلع زمینوں پر چلنا یا اوپر کی طرف ہانا جبکہ صعد کا معنی صرف اوپر کی طرف ہانا ہے۔ آیت میں یہ لفظ شاید اس لیے آیا ہے کہ جہاں گئے انہوں میں کچھ پہاڑ پر چڑھ گئے تھے اور بعض یہاں میں سرگرداں تھے۔

تے - انحریکہ یہاں - ولا شکہ کے معنی میں ہے یعنی تمہارے پیچھے۔





غلامتبار سے اعمال سے آگاہ تھا اور چوری طرح سے اطاعت کرنے والوں، جتنی مجاہدین اور اسی طرح بھاگنے والوں کی کیفیت کو جانتا تھا۔ بنا بریں تم میں سے کوئی بھی اپنے آپ کو قریب نہ دے اور جو کچھ جنگ اُحد میں ہوا ہے اس کے برخلاف دعویٰ نہ کرے اور اگر وہ اقامت پانے گروہ میں داخل ہو تو خدا کا شکر ادا کر دے رنگنا ہوں سے توبہ کرو۔

### زمانہ جاہلیت کے دوسرے

ثم اخذني عديك من بعد الغد امة ناعسا

داعی اُحد کے بعد والی رات بہت دردناک اور اضطراب انگیز تھی۔ مسلمان بچتے تھے کہ قریش کے فاتح سپاہی دوبارہ مدینہ کی طرف پلٹ آئیں گے اور مسلمانوں کے باقی ماندہ مقابلے کی طاقت ختم کر دیں گے اور شاید کسی طرح پرستوں کے واپس آنے کی خبر بھی انہیں پہنچی تھی اور یہ تسلیم تھا کہ اگر وہ پلٹ آتے تو جنگ کا خطرناک ترین مرحلہ پیش آتا۔ اس دوران جتنی مجاہدین اور فرار کرنے والوں میں سے پشیمان افراد جنہوں نے توبہ کر لی تھی اب پروردگار کے نطفہ و کرم پر اعتماد رکھتے تھے اور ان کے لیے پیغمبر اکرم کے وعدوں پر مطمئن تھے۔

اس حالت وحشت میں عوام کی فیند سو گئے تھے جبکہ جنگی لباس میں جبرس اور ہتھیاروں سے بھرے تھے لیکن منافق ضعیف ایمان اور بزدل گروہ ساری رات نگر و پریشانی میں مبتلا رہا اور بادل خواستہ تحقیقی موشنیں کی پیروی کرتا رہا۔ درج بالا آیت رات کی اس کیفیت کی تشریح کرتے ہوئے کہتی ہے کہ پھر اُحد کے دن کے ان تمام فوج داندوہ کے بعد تم پر امن و امان اور راحت و آرام نازل کیا اور یہ وہی جگہ جہاں فوج ختم میں سے ایک گروہ کو آئی۔ لیکن ایک ایسا گروہ بھی تھا کہ جسے صرف اپنی جان کی فکر تھی وہ لوگ سوائے اپنی جانیں بچانے کے اور کوئی چیز نہیں سوچتے تھے۔ اس لیے وہ راحت و آرام سے محروم ہو گئے تھے۔

یہ ایمان کا ایک اہم ترین ثمر ہے کہ مرد مومن اس دنیا میں بھی راحت و آرام سے رہتا ہے جبکہ بے ایمان یا منافق اور کمزور ایمان والے افراد کسی بھی اس کا ذائقہ نہیں چکھتے۔ بعد ازاں قرآن منافقین اور کمزور ایمان والے لوگوں کی گفتگو اور طرز فکر کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے: **يَذُنُونَ بِاللَّهِ عِدَ الْهَقِّ ظَنَ الْجَاهِلِيَّةِ** وہ خدا کے بارے میں زمانہ جاہلیت کا غلط اور ناحق گمان رکھتے اور اپنی گفتگو میں کہتے کہ شاید پیغمبر کے وعدے غلط ہی ہوں۔ اپنے آپ کو یا ایک دوسرے کو کہتے تھے: **هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ** یعنی کیا یہ ممکن ہے کہ اس انکارِ اُحد کی کیفیت کے بعد ہمیں کامیابی نصیب ہو یعنی بہت ہی بعید یا ناممکن ہے۔ قرآن اُن کو جواباً کہتا ہے: **فَلَنَ الْأَمْرُ كَلَهُ** کبہ دو، جی ہاں کامیابی تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ چاہے اور تمہیں اس لائق سمجھے تو تمہیں کامیابی نصیب کرے۔ وہ اب بات کو ظاہر کرنے کے لیے تید نہیں تھے جو وہ اپنے دلوں میں چھپائے بیٹھے تھے کیونکہ وہ اس سے ڈرتے تھے کہ کہیں کفار کی صف میں ان کا شمار نہ ہو۔

يَخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يَبْدُونَ لَكَ

۱۰۰ اُنہوں کا سن ہے، من و امان اور تعاس کا مطلب ہے بلکہ کسی نیند یا ادھم۔





گویا ان کا خیال تھا کہ جنگ اُحد کی شکست دین اسلام کے ناحق ہونے کی علامت ہے۔ اسی لیے وہ کہتے تھے: لو کان لعائن الامرشی۔ مآقتلنا ہلکنا۔ یعنی اگر ہم حق پر جیتے اور کامیابی ہمارے نصیب میں جوتی تو یہاں ہمارے اسٹھ لوگ نہ رہتے۔ نہ اُحد عالم ان کے جواب میں دو چیزوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پہلے یہ کہ یہ تصور زکوٰۃ کوئی شخص میدان جنگ کے سخت حوادث سے بھاگ کر موت سے بچ سکتا ہے (جبکہ ان کا مستقبل کرنا چاہیے) جن کی اہل آگنی ہے چاہے وہ اپنے گھروں میں رہ جائیں ان کے بستر پر دشمن آپڑیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے (قل لو کنتم فی بیوتکم لہربذ الذین کتب علیہم القتلا لاقضاجعہم)

امولیٰ طور پر وہ قوم جس کی اکثریت کے خلاف شکست کا فیصلہ اس کی سستی کی وجہ سے کیا گیا ہو وہ آخر کار موت کا ذائقہ چکھے گی تو کیا ہی اچھا ہے کہ وہ میدان جہاد میں دشمن کی ضرب سے پرانتھار مقابلے میں اسے بیک کبے زیر کر بسترِ عزت و آیزرت سے اس کا کام تمام کر لیا جائے دو سلا یہ کر یہ حوادث رونما ہونے چاہئیں تاہم ان میں جو کچھ ہے وہ آشکار ہو جائے۔ علاوہ ازیں لوگوں کی آہستہ آہستہ تربیت ہو اور ان کی تئیں خاص، ایمان پختہ اور دل پاک ہوں (ولیسلیٰ فہم مطلقہ صود کہم لخصوف فہم بکرا۔ آیت کے آخر میں کہا گیا ہے: واللہ علیہ بذات العتد و دینہم فہم سینوں کے مجیدوں کو جانتا ہے ہی بنا پر وہ صرف لوگوں کے اعمال پر نگاہ نہیں رکھتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ ان کے دلوں کو بھی آزمائے اور انہیں شرک، فحاش، شک اور تردد کی ہر قسم کی آلودگی سے پاک کر دے۔

۱۵۵ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ التَّحِیِّ الْجَمْعِیْنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْہُمْ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ

ترجمہ  
۱۵۵ وہ لوگ جنہوں نے دو گردہوں کے آنے سامنے ہونے کے دن (جنگ اُحد کے روز) فرار کیا، انہیں شیطان نے ان کے چند گناہوں کی وجہ سے بہکا دیا اور خدا نے انہیں معاف کر دیا خدا بخشنے والا اور بردبار ہے۔

تفسیر

ایک گناہ دوسرے گناہ کا سرچشمہ ہے

ان الذین تولوا منکم

یہ آیت بھی جنگ اُحد کے واقعات سے متعلق مسلمانوں سے ایک اور حقیقت بیان کرتی ہے اور وہ یہ کہ جو فرشتے انسان سے شیطانی دوسروں کے باعث صادر جوتی ہیں، وہ دراصل ان گناہ شدہ گناہوں کی وجہ سے پیدا ہونے والی روحانی کمزوریوں کا نتیجہ جوتی ہیں۔ جو انسان کے لیے دوسرے گناہوں کی راہ ہموار کرتی ہیں۔ ورنہ پاک و پاکیزہ دل میں شیطانی توہمات کبھی اثر انداز نہیں ہو سکتے۔



اسی لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو میدانِ محبت سے فراہ کر گئے شیطان نے انہیں چند ایک گنہوں کی وجہ سے پھیلایا مگر خدا نے انہیں بخش دیا اور خدا بخشنے والا اور عظیم ہے۔ یوں خدا ان کی آزمائش کرتا ہے تاکہ وہ آئندہ کامیابی حاصل کرنے کے لیے کوشش کریں وہ پہلے اپنے دل کو گناہ سے پاک کریں۔ اسی بات کا امکان ہے کہ اس گناہ سے مراد وہی دنیا پرستی، مال منیت کو جمع کرنا اور دوزخین جنگ پیچیدگی کی حکم عدولی کرنا ہو یا دوسرے گناہ مراد ہوں جن کے وہ جنگِ اُعدا سے پہلے ترک کر دیتے تھے اور انہوں نے ان کی ایسا قوت کمزور کر دی تھی جس سے بزرگ مروجِ طبری اسی آیت کے ذیل میں ابو القاسم عینی سے نقل کرتے ہیں کہ جنگِ اُعدا کے دن (پیغمبر کے ملاوہ) سوائے تیرہ افراد کے تمام جاگ گئے تھے اور ان تیروں سے آٹھ انصار اور پانچ مہاجر تھے۔ جن میں سے حضرت علی اور طلحہ کے ملاوہ باقی ناموں میں اختلاف ہے ابتر دونوں کے بارے میں تمام کا اتفاق ہے کہ انہوں نے فرار نہیں کیا۔

۱۵۶. يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لَا خَوٰنِيْهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غَزٰٓى لَّوْكَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَرَةً فِى قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ يُحٰٓى وَيُمِيتُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۵۷ وَلٰٓيْنُ قُتِلْتُمْ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ

مِمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

۱۵۸. وَلٰٓيْنُ مُتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تَحْشَرُوْنَ ۝

ترجمہ

۱۵۶۔ اے ایماندارو! تم کفار کی مانند نہ ہو جاؤ کہ جب ان کے بھائی سفر پر یا جنگ کے لیے جاتے ہیں (اور مریات میں یا قتل ہو جاتے ہیں) تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور قتل نہ ہوتے (تم ایسا نہ کہو) تاکہ خدا یہ حسرت ان کے دلوں میں رکھ دے اور زندہ کرنے والا اور مرنے والا خدا ہے (اور زندگی اور موت اس کے ہاتھ میں ہے) اور وہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔

۱۵۷۔ (اب) اگر تم مارا جادیاں قتل ہو جاؤ یا مریاؤ (تو تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوا) کیونکہ خدا کی رحمت اور مغفرت ان تمام چیزوں سے جو انہوں نے (ساری زندگی میں) جمع کیا ہے بہتر ہے۔

۱۵۸۔ اور اگر تم مریاؤ یا قتل ہو جاؤ تو خدا کی طرف پلٹ جاؤ گے (لہذا تم فنا نہیں ہو گے) اس سے تم پریشان ہو۔

## منافقتیں کی مفاہوتی

يا ايها الذين امنوا لا تكونوا كالذين كفروا.....

واقعہ احمد دو عالم سے مسلمانوں کے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہے پہلی بار یہ واقعہ اس وقت کے تمام حالات و کیفیات کا آئینہ دار ہے جس میں مسلمانوں کی حقیقی صورت حال کی عکاسی ہو رہی ہے اور انہیں اپنی کیفیت کی اصلاح کرنے پر ابھارا گیا اور کمزور پہلوؤں کو بہتر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اسی بنا پر قرآن نے اس واقعہ کو نہایت اہتمام سے بیان کیا ہے۔ بہت سی گزشتہ اور آئندہ آیات میں بھی اس واقعے سے تربیت کے لیے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ دوسری طرف یہ واقعہ دشمنوں اور منافقوں کے لیے زہر پاشی کا کام دیتا تھا اس لیے بہت سی آیات میں اس کو زائل کیا گیا ہے مندرجہ بالا آیات بھی ایسی ہی ہیں۔

مذکورہ بالا آیات منافقین کی تخریبی کارروائیوں کو ناکام بنانے اور مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے پہلے مامبِ ایمان افراسے خطاب کرتی ہیں کہ تم کفار کی طرح نہ جوہاؤ کہ جس وقت ان کے بھائی خضر یلگ لانے کے لیے جاتے ہیں اور وہ قتل ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ افسوس اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے مگر یہ وہ یہ باتیں جہدِ دینی کے بھیس میں کہتے ہیں لیکن تم ان زہریلے باتوں سے بچو اور ایسے ملے زبان پر نہ لاؤ۔

ليجمل الله ذلك حسرة وقلوبهم ،

اگر تم مومنین ان کی گمراہ کن باتوں سے متاثر ہونے اور ایسی ہی باتیں کہیں تو فطری طور پر تمہارے جذبے ماند پڑ جائیں گے اور میدان جنگ کی طرف جانے سے اور راہِ خدا میں سفر سے رک جائے گے اور اس طرح لوگ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن تم ایسا نہ کرو اور مضبوط جذبے کے ساتھ میدانِ جہاد میں جاؤ تاکہ ایسی حسرت مناقین کے دلوں میں ہمیشہ کے لیے رہ جائے۔ اس کے بعد قرآن ان کی زہراؤد باتوں کے تین منطقی جواب دیتا ہے :

موت و میات سرجات میں اللہ کے دست قدرت میں ہے۔ سزا و جنگ کرنے سے اس کی قطعی و یقینی حالت نہیں بدل سکتی اور خدا جہوں کے سب احوال سے آگاہ ہے؟ و اللہ یحیی و یمیت و اقلہ بما یقولون بصیر)۔

اب اگر تم راہِ خدا میں مرجاؤ یا قتل ہو جاؤ اور منافقین کے خیال کے مطابق تم پر موت جلد آپڑے تو شہداء کوئی نقصان نہیں ہوا کیونکہ پروردگار کی رحمت و مغفرت ان اموال سے بدرجہا بہتر ہے جو تم یا منافقین اپنی زندگی میں جمع کرتے ہیں

۱۰ وَلَنَقُتِلَنَّهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ هَتَّامٌ لِّمَغْرَمِهِ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةً لِّمَنْ يَعْمَلُونَ (مومنوں اور ایمان لانے والوں کے لئے)

میں آقاؐ نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن ان کی پست ذہنیت مال و دولت اور چند روزہ زندگی کو دھڑلہ زیادہ شہادت پر ترجیح دیتی تھی، اسی لیے اس کے علاوہ چار ذہنیں تھا کہ کیا بات مانا جائے اموال کو کفار شہوت بھری ذہن کی اور دنیا پرستی کے جنون میں جمع کرنے میں، اس سے وہ اعزاز و حاصل کہیں بہتر ہے جو تم راہِ شہادت اور راہِ خدا میں مرجانے سے پاتے ہو۔



موت کا سنی فنا اور نابودی نہیں ہے جس سے تم اتنے پریشان ہوتے ہو بلکہ موت دوسری زندگی کے لیے ایک درجہ ہے جو بہت وسیع اور بادل ہے (اولئ ممتد او قتلتم لا الی ملقہ تحشر و انت لمقابل توہر نکتہ یہ ہے کہ ان آیات میں سفر میں مرجع نے کو شہادت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ان خدوں سے مراد وہ سفر تھے جنہیں وہ خدا کے لیے کیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر میدان جنگ یا بیانی پور گراموں کے لیے سفر کرنا وغیرہ۔ اس دور کے سفر شگلات و معائب سے پڑتے تھے۔ بیماریاں بھی آگھیرتی تھیں لہذا ان میں مرجع نامیدان جہاد میں سفر کرنے سے کم نہیں ہوتا تھا بلکہ بعض سفر میں نے ان سے تہارتی سفر مراد لیا ہے لیکن یہ معنی اس آیت سے بہت بعید ہے کیونکہ یہ حوالہ مال کا ایک ذریعہ تھا اور کافروں کو ایسے سفر پر کیا انوس ہو سکتا تھا۔ ملاوہ انہیں یہ بات جنگ آمد کے بعد مسلمانوں میں کڑھری پیدا کرنے کے لیے موز نہیں ہو سکتی تھی نیز اس سلسلے میں مسلمان اگر کافروں سے جم آجنگ نہ ہوں تو یہ ان کے لیے باعث مسرت و دیاں نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا یہاں سفر میں سفر سے مراد وہ سفر ہے جو میدان جہاد کی طرف تھا یا دیگر اسلامی مقاصد کے لیے۔

۱۵۹۔ فِيمَا رَحِمَهُ مِنَ اللَّهِ لَئِنْ لَمْ يَكُنْ فَطَا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نَفَعُنَا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝  
 ۱۶۰۔ إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ يَتَّخِذْ لَكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

ترجمہ

۱۵۹ رحمت الہی کے سبب تم ان کے سامنے نرم (اور مہربان) ہو اور اگر تم سخت ہو جاتے تو وہ تم سے دور ہو جاتے لہذا انہیں معاف کرو اور ان کے لیے مغفرت طلب کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ کیا کرو لیکن حکم امداد کرو تو (پھر) ٹہا لو خدا پر توکل کرو کیونکہ خدا توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

۱۶۰ اگر خدا تمہاری مدد کرے تو کوئی بھی تم پر غلبہ نہیں پاسکتا اور اگر وہ تمہاری مدد سے دستبردار ہو جائے تو اس کے علاوہ کون تمہاری مدد کرنے والا ہے اور مومنین کو صرف خدا پر توکل کرنا چاہیے۔



تفسیر

امام معانی کا حکم

فیما بعد من الله لنت لهم

اگرچہ اس آیت میں گرد و پیش کے حوائے سے محض پروردگاروں سے متعلق کام پھیر کو دیا گیا ہے لیکن شانِ نازل کے لحاظ سے اس کا تعلق جنگِ احد کے ساتھ ہے کیونکہ جو لوگ اعدادِ احد کے دوران جنگ سے فرار ہوئے تھے وہ پھیر کے گرد جمع ہو گئے اور انہوں نے ہدایت و کشمالی کے عالم میں معافی کی درخواست کی تو خدا تعالیٰ نے اس آیت میں پھیراً رقم سے انہیں مام معافی دینے کے لیے فرمایا لہذا یہ آیت نازل ہوئی تھی جس سے آپ نے فراخ دلی سے توبہ کرنے والے غلاموں کو معاف کر دیا۔

درج بالا آیت میں پھیراً رقم کی ایک بہت بڑی اطلاقی غریبی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تم پروردگار کے لطف و کرم کے سبب ان پر مہربان ہو گئے اور اگر تم ان کے لیے سگائی، سخت مزاج اور تند خو ہو گئے اور ملامتوں پر لطف و عنایت نہ کرتے تو وہ تمہارے پاس سے بچ جاتے۔ نقطہ۔ نفعت میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی باتیں تیز اور سخت ہوں اور غلیظ القلب اسے کہتے ہیں جو سگندیل ہو۔ لطف و بہت کا مل اخبار بھی نہ سکے۔ اس بنا پر ان دونوں میں ترقی دہانی پیدا جاتا ہے لیکن اول الذکر گفتگو میں سختی کرنے اور خوفِ الذکر کام میں سختی کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ نادانوں اور بندگان کے لیے پھیراً رقم کی کامل ہم دلی اور لطف و عنایت کا ذکر کرتا ہے۔

فاحفظ عنہم واستغفر لہم

اس کے بعد حکم دیا گیا کہ ان کی کوتاہیوں سے درگزر فرمائیے اور انہیں اپنے دامنِ جنوں میں جکڑ لیتے اور اس جنگ میں انہوں نے جو بے وفائیاں آپ سے کی ہیں اور جو تکالیف اس جنگ میں آپ کو پہنچائی ہیں، ان کے لیے ان کی مغفرت طلب کیجئے اور ان خود ان کے لیے تم سے سفارش کرتا ہوں کہ انہوں نے میری جو غلطیوں کی ہیں، اجماع۔ ان کی مغفرت طلب کرو دوسرے نقطوں میں جو تم سے مربوط ہے اسے تم معاف کرو اور اچھے سے ربط رکھنا ہے اسے میں بخش دیتا ہوں۔ پھر اللہ نے فرمانِ خدا پر عمل کرتے ہوئے ان تمام کو مام معافی سے دی۔ واضح ہے کہ خود درگزر کرنے کے لیے یہ ایک اہم اور بہت مناسب موقع تھا اور اگر آپ ایسا نہ کرتے تو لوگوں کے بکھر جانے کے لیے فضا ہوا رہتی۔ وہ لوگ جو اتنی بڑی شکست کا اٹنا کر چکے تھے اور بہت سے مقتول و مجروح ہو چکے تھے اگرچہ یہ سب کچھ ان کی اپنی غلطی سے ہوا تھا، ایسے لوگوں کو محبت، درپوش اور تسلی کا ضرورت تھی تاکہ ان کے دل اور جسم کے زخم پر مرہم لگ سکے اور وہ ان سے جان بچ کر تندرست ہو کر لوگوں کے لیے تیار ہو سکیں۔

اس آیت میں ہر ہر پروردگار کے لیے ایک ناگزیر صفت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ ہے ان لوگوں سے درگزر کرنا، نرم مزاجی سے کام لینا اور محبت و مہربانی سے پیش آنا جس سے غلطی سرزد ہوئی ہو اور وہ بعد میں پشیمان ہوئے ہوں اس لیے ظاہر ہے کہ ایک دہر سخت مزاج اور تند خو ہو اور محبت و ہمدردی کے جذبے سے سرشار نہ ہو تو وہ بہت جلد اپنے پروردگاروں میں ناکام ہو جائے



گاہ اور لوگ اس کے پاس سے منتشر ہو جائیں گے اور وہ رہبری کی ذمہ داری سے محسوس ہوئی بعد ازاں بڑے گاہ۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ کے کلمات قصار میں حضرت علیؓ کا ایک فرمان ہے :

”آلہ الریاسة سعة الصدر“

”رہبری فسادِ دل کے ذریعے پہلی پاب ہے۔“

## مشورہ کرنے کا حکم

”و مشاورہ فی الامر“

عام مسائل لینے کے حکم کے بعد ان کی شخصیتوں کی حیات تازہ اور فکری و روحانی طور پر انہیں پھر سے زندہ کرنے کے لیے حکم دیا گیا کہ مسلمانوں سے مختلف کاموں میں مشورہ کیجئے اور ان کی رائے اور نظریہ معلوم کیجئے۔ حکم اس لیے دیا گیا کہ پیغمبر اکرمؐ نے جب اُمہ کے مشورے میں مختلف کاموں میں مشورہ کیا تھا کہ دشمن کا مقابلہ کس طرح کرنا چاہیے۔ ان میں سے اکثر کا نظریہ تھا کہ وہ اُمہ کے دامن میں شکر گاہ اور چٹاؤ ہونا چاہیے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس نقطہ نظر کے اچھے نتائج نہ نکل سکے اس لیے عمومی طور پر ماننے اُبھری کہ پیغمبر اکرمؐ کو آئندہ کسی سے مشورہ نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن قرآن اسی طرز فکر کا جواب دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ پھر بھی ان سے مشورہ کیجئے گا اگرچہ ان کے مشورے کئی مقامات پر منہد ثابت نہیں ہوتے تاہم کلی طور پر مشورہ کے فوائد اس کے نقصانات سے زیادہ ہوتے ہیں اور انفرادی و اجتماعی تربیت اور شخصیت کی سطح کو بلند کرنے میں اس کے فوائد نقصانات سے کہیں بالاتر ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر کی مسائل میں لوگوں سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

اگرچہ آیت ”و مشاورہ فی الامر“ میں فقہ امر ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے جس میں ہر قسم کا کام شامل ہے۔ لیکن مسلم ہے کہ آپؐ احکام الہی میں ان سے مشورہ نہیں کیا کرتے تھے بلکہ انہیں وہ وحی الہی کہہ دیتے تھے۔ اسی بنا پر مشورہ کا ذکر صرف ان احکام کے احوال کے طرز و طریقہ اور ان کو عملی جامہ پہنانے تک محدود ہوتا تھا دوسرے نظریوں میں آپؐ صرف اجرائے قانون کے طریقہ کے بارے میں مسلمانوں کا نظریہ معلوم کر لیتے تھے قانون بنانے میں کبھی کسی سے مشورہ نہ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آنحضرتؐ کوئی پروگرام ان کے سامنے پیش کرتے تو مسلمان یہ پوچھتے کہ کیا یہ حکم الہی ہے جس میں اظہار رائے کی گنجائش نہ ہو یا تو انہیں کے اجراء سے مربوط ہے جس کے لیے وہ لوگ اپنا نظریہ پیش کر سکیں اگر امر دوسری قسم کا ہو تا تو وہ اپنی رائے پیش کرتے اور نہ قبول کر لیتے چنانچہ جنگ بدر میں مسلمان آپؐ کے حکم کے مطابق ایک مقام پر پڑاؤ ڈالنا چاہتے تھے تو ایک صحابی ”جباب بن منذر“ نے پوچھا کہ کیا اس مقام کو خدا کے حکم سے منتخب کیا گیا ہے یا آپؐ کی رائے ہے ؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ بس سلسلہ میں کوئی خاص حکم تو نہیں آیا تو اس نے مختلف وجوہ پیش کیں اور کہا کہ یہ جگہ مناسب نہیں آپؐ حکم دیکھتے کہ شکر اسلام یہاں سے چل چکے اور پانی کے قریب پڑاؤ ڈالنے سے آنحضرتؐ نے اس کی رائے کو پسند کیا اور اس کے مطابق عمل فرمایا۔

۱۰ تفسیر القرآن مجلد ۳ صفحہ ۱۱۱ کا پہلا نسخہ طبعی طور پر روایت درست معلوم نہیں ہوئی۔ مترجم





## اسلام میں مشورہ کی اہمیت

مشورہ اسلام میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ پیغمبر اکرمؐ دی آسمانی سے قطع نظر ایسی قوت فکر کے مالک تھے کہ انہیں کسی قسم کے مشورہ کی ضرورت نہ تھی، پھر بھی آپؐ مسلمانوں کو مشورہ کی اہمیت بتانے کے لیے قانون سازی کو چھوڑ کر دیگر عام معاملات میں مشورہ کیا کرتے تھے تاکہ ان کی قوت فکر و نظر پر ان چیزوں کے اور خصوصیت کے ساتھ صاحب الرائے افراد کی قدر افزائی کیا کرتے تھے یہاں تک کہ بعض دفعہ ان کو طوطا غاظر رکھتے ہوئے ان کی رائے کو ترجیح دیا کرتے تھے جیسا کہ ایک واقعہ جنگ احد کے تذکرے میں پیش کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کی اسلامی پروگراموں میں کامیابی کا ایک اہم راز ان کو یہ طرز عمل تھا۔ مولیٰ طوطا پر جو لوگ اپنے اہم کاموں کو ایک دوسرے کے صلاح و مشورہ سے انجام دیتے ہیں۔ رتعلقہ امور کے مابین خود خوش کے بعد ان کے بارے میں مشورہ دیتے ہیں اس کے برعکس جو لوگ اپنے آپ کو دوسروں کے صلاح و مشورہ سے بے نیاز سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں جسے صاحب فکر و نظر کیوں نہ ہوں زیادہ تر غلطیاں اور المناک اشتباہات میں گرفتار ہو جاتے ہیں علاوہ ازیں مشورہ سے بے نیازی کی وجہ سے مائتہ الناس میں شخصیت کا وقار ختم ہو جاتا ہے اور انکار و نفرت کی ترویج میں رکاوٹ چڑھ جاتی ہے اور موجود استعدادیں ختم ہو جاتی ہیں اور اس طرح کسی طاقت کا بہت بڑا انسانی سرمایہ ہتھ سے نکل جاتا ہے عزیز برائے جو شخص اپنے کام دوسروں کے صلاح و مشورہ سے کرتا ہے اگر وہ کامیابی سے جکتا رہو جائے تو دوسرے لوگ اس کو ضد کی نگاہ سے نہیں دیکھتے کیونکہ دوسرے لوگ اس کی کامیابی کو اپنی طرف سے ہی سمجھتے ہیں اور مولانا انسان اس کام سے حسد نہیں کرتا جسے اس نے خود سر انجام دیا ہو اور اگر کسی وہ شکست کھا جائے تو وہ دوسروں کے اعتراضات کا نشانہ نہیں بنتا کیونکہ کوئی شخص اپنے کام کے نتیجہ پر اعتراض نہیں کرتا نہ صرف یہ کہ اعتراض نہیں کرتا بلکہ ہمدردی و غم خواری بھی کرتا ہے۔

مشورے کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان دوسرے افراد کی شخصیت کی قدر قیمت اور ان کی دشمنی دوستی کا اندازہ بھی لگاتا ہے اور یہ چیز کامیابی کے لیے درکار شناسائی و آشنائی کا سبب بھی بنتی ہے۔

اسلامی روایات میں مشورے کے بارے میں بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے ایک حدیث میں رسول خداؐ نے فرمایا:

”ما مشق عید قط بعشورۃ ولا سعد باستفتاء رای“

کوئی شخص بزرگ مشورے سے بد نصرت اور استبداد رائے سے خوش نصیب نہیں ہو سکتا۔

حضرت علیؑ علیہ السلام نے فرمایا:

”من استبد براہیہ هلك ومن شاور الرجال مشار كھا فی عتولھا“

جو شخص استبداد رائے رکھتا ہو وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور جو لوگوں سے مشورہ کرتا ہے وہ ان کی عقل میں شریک

ہو جاتا ہے۔



پنچراکرم نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

”اذا كان امراتكم خيارككم واغنياكم سمحانكم وامرككم مشورى بينكم فظفروا الارض خيلكم من بطنها واذا كان امرادكم شرادكم ولغياكم بنحلانكم وله يكن امركم مشورى بينكم فبطن الارض خيل لحكم من ظفرها۔“

جس وقت تمہارے ماکم نیک لوگ ہوں اور تمہارے امیر نیک ہوں اور تمہارے کام مشورے سے انجام پائیں تو اس وقت زمین کا ظاہری حصہ باطنی کی نسبت تمہارے لیے بہتر ہے (یعنی یہ زمین بیٹے کے قابل ہے، لیکن اگر تمہارے حکمران بُرے ہوں حکومت منہ خیل ہوں اور کام ایک دوسرے کے مشورہ سے نہ ہوتے ہوں تو اس وقت تمہارے لیے زمین کا نچلا باطنی حصہ، باطنی دکھائی دیتا ہے بہتر ہے۔

یہ سنم ہے کہ ہر شخص سے مشورہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ بعض اوقات ان میں کمزوری کے پہلو جھپٹتے ہیں جن کی بنا پر ان کا مشورہ بد نتیجہ اور پسماندگی کا سبب بن سکتا ہے جیسا کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں قسم کے لوگوں سے مشورہ نہ کرو۔

۱۔ نہیں افراسے مشورہ نہ کرنا کیونکہ وہ تجھے کشش اور دوسلوں کی مدد کرنے سے روکیں گے اور فقر و غربت سے ڈرائیں گے۔

(ادخل في مشورتك بخيلا يعدل بك عن الفضل ويعدك الفقر)

۲۔ بزدلوں سے بھی مشورہ نہ کرنا کیونکہ وہ تجھے اہم کاموں کی انجام دہی سے روکیں گے (و لا جباناً يضمضك عن

الموراة)

۳۔ دریں افراسے مشورہ نہ کرنا کیونکہ وہ دوست کی طمع میں تہیں غم و ستم کی طرف رغبت دلائیں گے (ولا حريصاً يديك

لك النسة بالمجوس)

جس سے مشورہ کیا جائے اُس کی ذمہ داری

جس طرح اسلام میں مشورہ کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے اُسی طرح ان افراد کے بارے میں احکام ہیں جن سے مشورہ کیا جاتا ہے مثلاً یہ کہ غیر غریبی کا دامن ہاتھ سے نہ چھڑی۔ مشورہ میں خیانت کرنے کو گناہ کیسے قرار دیا گیا ہے یہاں تک کہ یہ حکم میر سولہ کے لیے بھی ہے کہ وہ مشورہ طلب کریں تو ان سے کسی قسم کی خیانت نہ کی جائے اور جو صحیح رائے ہو وہی انہیں دی جائے۔

امام زین العابدینؑ علیہ السلام سے نقل شدہ ”رسالہ حقوق“ میں آپؑ نے فرمایا:

”و حق المستشار ان علمت له رأياً اشرت عليه و ان لم تعلم ارشدته الي من يعلم

و حق المشير حليك ان لا تتهمه فيما لا يوافقك من رأيه۔“

تجھ سے مشورہ کرنے والے کا حق یہ ہے کہ اگر کوئی نکتہ یہ کہتے ہو تو اُسے بتادو اور اگر اسی کام کے بارے میں تجھے

۱۔ تفسیر الفتوح رازی۔ صفحہ نمبر ۱۵۸ مقررہ جگہ تک مشورہ۔



مہ نہیں تو اسے ایسے شخص کی طرف رہنمائی کرو جو جانتا ہے اور شورے دینے والے کا حق تجھ پر یہ ہے کہ جس نظر سے  
میں وہ تبارک و تعالیٰ نہیں ہے اس میں اس پر تہمت تراشی نہ کرو گیلہ

## حضرت عمر کی مجلس شوریٰ

اہل سنت کے معتزین درج بالا آیت کے ذیل میں حضرت عمر کی اس چھ رکنی مشاورتی کمیٹی کا تذکرہ کرتے ہیں جو انہوں نے قیصر  
علیف کے انتخاب کے لیے تشکیل دی تھی یہ لوگ مندرجہ بالا آیت اور شورہ کی تمام روایات کو اسی واقعہ پر تطبیق کرنے کی کوشش کرتے  
ہیں۔ اگرچہ اسی موضوع کے متعلق عقائد کی کتابوں میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے لیکن یہاں چند ایک نکات کی طرف اشارہ کیا  
جاتا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ امام اور جانشین پیغمبر کا انتخاب صرف اللہ کے حکم سے ہونا چاہیے کیونکہ اسے بھی پیغمبر کی طرح صحت  
اور ایسے دیگر کمالات کا حامل ہونا چاہیے کہ جن کا علم صرف خدا کے پاس ہے۔ دوسرے نقطوں میں جس طرح پیغمبر کا شورہ سے  
منتخب نہیں کیا جاسکتا ہے اسی طرح امام کا انتخاب بھی شورہ سے نامکن ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مذکورہ افراد کی مجلس شوریٰ ہرگز شورہ کے تقاضوں اور شرائط کو پورا نہیں کرتی کیونکہ اگر مقصود تمام  
مسلمانوں سے مشورہ کرنا تھا تو اسے چھ افراد میں منحصر کرنے کا کیا معنی ہے اور اگر مقصد امت کے صاحبان فکر و نظر سے مشورہ کرنا تھا  
تو وہ صرف چھ نہیں تھے۔ ثمت کے داتا قابل رائے افراد شافعی مسلمان جو خود حضرت پیغمبر اکرم کے مشیر تھے اسی طرح ابوذر، مقداد  
ابن جابر اور ان جیسے دیگر افراد مجلس شوریٰ میں شامل نہ تھے۔ مجلس مشاورت کی حیثیت مشاورت کی بجائے ایک سیاسی چال  
زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ اگر شورہ کے لیے صاحبان اثر و سرور کو جمع کرنا مقصود تھا تا کہ دوسرے لوگ ان کی رائے قبول کر لیں پھر  
بھی یہ حیثیت درست نہ تھی کیونکہ کئی ایک اہم شخصیتیں ان میں شامل نہ تھیں مثلاً سعد بن جابر جو انصار کے سربراہ تھے، ابوذر غفاری  
جو قبیلہ غفار کی ایک عظیم شخصیت تھے اور ان جیسے دیگر افراد اس مجلس مشاورت سے الگ تھلگ تھے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ اس مجلس شوریٰ کے لیے بڑی سخت اور سنگین شرائط مقرر کی گئی تھیں اور مخالفین کو  
موت کی دھمکی تک دی گئی تھی مگر اسلام کے مشاورتی اصولوں اور طریقوں میں ایسی کسی چیز کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

## آخری فیصلے کا مرحلہ

فاذا اعزمت فتوکل علی اللہ

مشورہ کرتے وقت نرم مزاجی اور محبت سے کام لینا چاہیے لیکن جب پختہ ارادہ کر لیا جائے تو اتنا ہی مضبوط بھی ہونا چاہیے  
اور اپنے آپ کو ہر قسم کے تردد اور اختلاف آراء سے دور رکھتے ہوئے مصمم ارادہ کر لینا چاہیے۔ اسی کو قرآن مجید نے مندرجہ بالا آیت  
میں صریح سے تعبیر کیا ہے اور یہی تصیم قاطع ہے۔



یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اس آیت میں مع او شاور ہمہ (کا مفید استعمال کیا گیا ہے لیکن آخری فیصلہ بغیر اگر ہم کے ذمہ کر دیا گیا ہے اور یہاں واحد کا صیغہ (عزمت) استعمال ہوا ہے۔ جمع و منفرد کا یہ فرق ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور وہ یہ کہ اجتماعی معاملات کے مختلف پہلوؤں کو حل کرنا اور اجتماعی صورت میں جائز دینا چاہیے اور تحقیق کرنا چاہیے لیکن جب ایک چیز کو بہت سمجھ لیا جائے تو پھر اس کے اجراء کے لیے ایک ہی ارادے کو کام میں لانا چاہیے ورنہ سب سے سبج سبج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اگر ایک پروگرام پر کسی ایک سرپرست کی بجائے کئی سرپرستوں کے ذریعے عمل درآمد ہو تو یقینی طور پر وہ اختلاف اور شکست سے دوچار ہوگا۔ اسی بناء پر آج کی دنیا میں بھی مشورہ تو اجتماعی صورت میں ہوتا ہے لیکن فیصلے کا نفاذ ایسی حکومتوں کے ذریعے ہوتا ہے جس کے پروگرام ایک شخص کے زیرِ نظر رہ کر انجام پاتے ہیں۔

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ زیرِ نظر آیت کہتی ہے کہ بہت مرادہ کرتے ہوئے خدا پر توکل کرنا چاہیے۔ یہ اس لیے ہے تاکہ عمومی مسائل و مسائل فراہم ہو جانے کے بعد خدا کی لائقانہ تہدیت سے مدد طلب کرنا فراموش نہ ہو جائے۔ البتہ توکل کا یہ مطلب نہیں کہ انسان مادی دنیا میں خدا کے مٹا کردہ اسباب و وسائل کو کام میں نہ لائے۔ جیسا کہ بغیر اگر ہم سے ایک حدیث میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک عرب نے اپنے اونٹ کے پاؤں نہیں باندھے تھے اور اسے محافظ کے بغیر چھوڑ دیا تھا اور اسے وہ خدا پر توکل کرنا سمجھتا تھا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا:

احفظها و متوكل

یعنی۔ پہلے اس کا پاؤں باندھو اور پھر توکل کرو۔

یہاں آیت میں یہ مقصد ہے کہ انسان مالم بادہ کی چار دیواری اور اپنی محدود قدرت و توانائی پر انحصار نہ کرے اور اپنی نگاہیں پروردگار کی حمایت و لطف پر لگائے رکھے۔ یہ مخصوص توجہ انسان کو امن و سکون، اطمینان اور عظیم روحانی تقویت سے جکڑا کرتی ہے جو مشکلات کے عالم میں انسان کے لیے بہت مؤثر ہوتی ہے۔

اس کی مزید تفصیل سنو توکل اور عالم طبیعت سے استفادہ کرنے کے زیرِ عنوان انشاء اللہ سورہ خلاق کی آیت ۳ — ومن یحق الله یجعل له مخرجاً — کے ذیل میں پیش کی جائے گی۔

ان الله یحب المتوكلین

بعد والی آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اہل ایمان کو صرف خدا پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ خدا توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

ختمنا اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ توکل کا عمل مکمل مشورہ کرنے اور تمام امکانی وسائل جو انسانی اختیار میں ہیں سے استفادہ کرنے کے بعد آتا ہے۔

توکل کا نتیجہ

ان ینصرکم الله فلا غالب لکم وان یتخذ لکم فتن ذالذی ینصرکم من بعدہ



یہ آیت گزشتہ آیت کی تکمیل کرتی ہے اس میں خدا پر توکل کے سلسلے میں ایک حکمت بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ خدا کی قدرت تمام قدرتوں سے بالاتر ہے لہذا وہ میں کی حمایت کرے گا دوسرا کوئی بھی اس پر کھیاں مائل نہیں کر سکتا۔ وہ ذات جیسی تمام کامیابیوں کا سرچشمہ ہے اس پر بھروسہ کرنا چاہیے اسی سے مدد مانگنی چاہیے۔

یہ آیت اہل ایمان کو ترغیب دلاتی ہے کہ ہر قسم کے ظاہری وسائل میں سروسونے کے باوجود خدا تعالیٰ کی ناقابل شکست قدرت پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

در اصل گزشتہ آیت میں دسے سخن پیچیدہ کریم کی طرف تھا اور انہیں حکم دیا گیا تھا لیکن اس آیت میں تمام مومنین مخاطب ہیں۔ انہیں فرمایا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ کی طرح خدا کی ذات پاک پر بھروسہ کریں۔ اسی آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: **وَعَلَى اللَّهِ خَلِيقَتُهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا عَنِ الْعَالَمِينَ**۔ یعنی مومنین کو صرف ذات خدا پر توکل کرنا چاہیے۔

ہم کہے واضح ہے کہ خدا تعالیٰ مومنین کی حمایت یا عدم حمایت بلا وجہ نہیں کرتا بلکہ ان کی اہلیت کے مطابق ہی کرتا ہے۔ جو خدا کے حکم کو پاؤں تلے روندتے ہیں اور مادی و روحانی توانائیاں فراہم کرنے سے غافل رہتے ہیں خدا کی مدد اور حمایت ان کے لیے نہیں ہوتی مگر جو لوگ صرف بستہ ناصیبت اور مزاج راسخ سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، تمام حکم و دیگر مسائل بھی دشمن کے مقابلے میں فراہم کرتے ہیں انہی کے سر پر خدا کا دست حمایت ہوتا ہے۔

۱۷۱۔ **وَمَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَفْعَلَ دُونَ يَفْعَلُ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ثُمَّ تَوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ** ○

ترجمہ

۱۷۱۔ تم گمان کرتے ہو کہ ہو سکتا ہے پیغمبر تم سے خیانت کرے مالا محال ممکن نہیں ہے کہ کوئی پیغمبر خیانت کرے اور جو شخص خیانت کرے گا وہ دوزخیانیت کی چیز کے علاوہ (میدان مشرقی) پیش ہوگا پھر ہر شخص کو وہ کچھ دیا جائے گا جو اس نے کیا ہوگا (اس بنا پر) ان پر ظلم نہیں ہوگا (بلکہ وہ اپنے اعمال کا نتیجہ ہی دیکھیں گے)۔

تفسیر

ہر قسم کی خیانت ممنوع ہے

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَفْعَلَ

اس طرف ترجمہ رکھتے ہوئے کہ مندرجہ بالا آیت جنگ عہد کے سلسلے کی آیات کے بعد آئی ہے اور ان روایات پر غور رکھتے ہوئے جو صدر اول کے مفسرین نے نقل کی ہیں، یہ آیت جنگ عہد کے سپاہیوں کی بعض بے بنیاد عذر تراشیوں کے جواب میں ہے۔ اس کی



وضاحت کچھ یوں ہے کہ جنگ احد کے بعض تیرانداز جب اپنا احساس مورچہ مال قیمت جمع کرنے کے لیے چھوڑنا چاہتے تھے تو ان کے سرخاس نے انہیں حکم دیا کہ وہ یہ مورچہ نہ چھوڑیں اور ساتھ ہی ان سے کہا کہ رسول خدا انہیں مال قیمت سے محروم نہیں رکھیں گے لیکن ان دنیا پرستوں نے اپنے اصلی چہرے چھپانے کے لیے کہا کہ ہمیں یہ ڈر ہے کہ پیغمبر تقسیم خزانہ میں نظر انداز کریں گے لہذا ہمیں اپنے لیے خود ہاتھ پاؤں مارنے چاہئیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنا مورچہ چھوڑا اور مال قیمت سینے لگ گئے اور پھر وہ دوتا تک حوادث پیش آئے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

قرآن ان کے جواب میں کہتا ہے: کیا تم گمان کرتے ہو کہ پیغمبر تم سے خیانت کریں گے جبکہ ممکن نہیں کہ کوئی پیغمبر خیانت کرے اور اے کان لسنجہ! ان بفضلہ

اس نیت میں خداوند عالم نے سامت مقدس انبیاء کو خیانت سے کاغذ منورہ قرار دیا ہے۔ ارشاد فرماتا ہے: بنیادی طور پر ایسی چیز مقام نبوت کے شایان شان ہی نہیں یعنی خیانت کا نبوت سے کوئی جوڑ نہیں مگر پیغمبر خاتم ہو تو پھر رسالت الہی کی ادائیگی اور تبلیغ احکام میں اس پر یقین انہیں کیا جاسکتا۔

بغیر کبے واضح ہے کہ اس آیت میں انبیاء سے ہر قسم کی خیانت کی نفی کی گئی ہے اس کا تعلق مال قیمت کی تقسیم سے جو یہ لوگ کی امانتوں کی حفاظت سے یا پھر دمی حاصل کرنے اور اسے بندگان خدا تک پہنچانے سے۔

تعبیب ہے کہ جو شخص پیغمبر کو دمی الہی کے بارے میں ایمن بھتا ہو کیسے گا، اگر مکتبہ ہے کہ وہ نعوذ باللہ جگہ مال قیمت کے بارے میں نامواکم وے گھیا ہے اس کے حق سے محروم کر دے گا۔

البتہ واضح ہے کہ خیانت کی کسی شخص کو اجازت نہیں چاہے وہ پیغمبر ہو یا کوئی اور، لیکن جنگ احد کے بہادر سواروں کی گفتگو جو کہ پیغمبر کے بارے میں تھی لہذا آیت بھی پہلے انبیاء کے متعلق بات کرتی ہے اور پھر مزید کہتی ہے: ومن یسل یائت بفسل یومر القیامۃ۔ یعنی جو شخص بھی خیانت کرے گا وہ روز قیامت اس چیز کا بدلہ اپنے دوش پر بطور سند اٹھائے ہوئے مانوگا جس میں اس نے خیانت کی ہو گی یا میدانِ مشرق میں اسے اپنے ساتھ لے گا۔ اس طرح وہ سب کے سامنے ذلیل و رسوا ہوگا۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دوش پر آٹھالانے یا اپنے ساتھ لے آنے سے مراد یہ نہیں کہ بعینہ وہی چیز آٹھالائیں گے بلکہ یہاں اس کی جواب دہی کا جوہر مراد ہے لیکن قیامت میں انسانی اعمال سمجھنے کے مسئلے کی طرف نظر کی جائے تو اس تفسیر کی ضرورت باقی نہیں رہتی بلکہ جیسے مندرجہ بالا آیت کا ظاہری مفہوم شاہد ہے بعینہ وہی چیزیں بطور سند قیامت کاروں کے دوش پر ہوں گی یا ان کے ہمراہ ہوں گی جن میں خیانت کی گئی ہے۔

شعرتو فی کل نفس ما کسبت و ہا لا یظلمون

پھر ہر شخص کو وہ کچھ دیا جائے گا جو اس نے انجام دیا ہے یا کسب کیا ہے یعنی لوگ اپنے اعمال کو بعینہ وہاں پائیں گے لہذا

۱۔ یہ فرقہ "نفل" سے خیانت کے معنی میں بیگیا ہے۔ اصل میں "نفل" کا معنی ہے پانی کا تدبیری اور معنی طور پر رفتوں کی جڑوں میں پہنچنا۔ خیانت جو معنی طور پر اوندھیرا ہوتی ہے اس لیے اسے بھی "نفل" کہتے ہیں۔ تشنگی سے پیدا ہونے والی اندرونی حالت کو بھی "نفل" اسی وجہ سے کہتے ہیں۔





اس بناء پر کسی شخص پر ظلم مست نہیں ہو گا کیونکہ ہر شخص کو وہ کچھ مل جائے گا جو اس نے حاصل کیا تھا یا کیا تھا، چاہے اچھا ہو یا بُرا۔  
 مندرجہ بالا آیت اور دو احادیث جو پیغمبر اکرم پر خیانت کا الزام لگانے کی مذمت کے ضمن میں صادر ہوئیں انہوں نے مسلمانوں پر  
 عیسب تریقی اثرات مرتب کیے۔ ان کی تاثیر تھی کہ ان سے چھوٹی سے چھوٹی خیانت بھی سرزد نہیں ہوتی تھی خصوصاً مالِ قیمت اور دیگر  
 مالی معاملات میں بہت تیار تھا کہ بہت قیمتی خاتمِ کم حجم ہونے کے باوجود دین میں خیانت کرنا کچھ مشکل تھا، مکمل پیغمبر اکرم اور آپ کے بعد ہر سرکار  
 حکام کے پاس بغیر دست برد کے لائے جاتے تھے اور یہ ہر دیکھنے والے کے لیے تعجب فیض امر تھا۔ یہ وہی زمانہ تھا جس نے دنیا کی عقلیت کے وحشی اور  
 غارت گر عرب تھے جو تعلیمات اسلامی کے نتیجے میں انسانی تربیت کے اس دہے پر پہنچ گئے تھے۔ گویا میدانِ لشکر کو اپنی آنکھوں سے  
 دیکھ رہے تھے کہ میں میں احوال میں خیانت کرنے والوں کو سب کے سامنے اس عالم میں پیش کیا جائے گا کہ وہ احوال ان کے دوش پر پڑیں  
 گئے جن میں انہوں نے خیانت کی ہوگی۔ یہی وہ ایمان تھا جو انہیں اس قدر بیدار کرتا تھا کہ وہ خیانت کا خیال بھی ترک کر دیں۔  
 فیری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے:

بب سلمان حائن میں داخل ہوئے اور مالِ قیمت جمع کرنے لگے ایک مسلمان مالِ قیمت میں سے ایک نہایت  
 قیمتی چیز مالِ قیمت جمع کرنے والوں کے پاس لے آیا۔ وہ اس چیز کو دیکھ کر تعجب کرنے لگے اور اس سے کہنے لگے اہم نے  
 آج تک اس قسم کی قیمتی چیز نہیں دیکھی۔ پھر انہوں نے اس سے پوچھا، تم نے اس میں سے کچھ لیا بھی ہے؟ وہ کہنے لگا،  
 خدا کی قسم اگر یہ خدا کے لیے نہ ہوتا تو میں ہرگز اسے تمہارے پاس نہ لاتا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ شخص بڑی روحانی شخصیت کا  
 مال ہے۔ پھر انہوں نے اس سے خواہش کی کہ وہ اپنا تقارف کر دے۔ وہ کہنے لگا، انہما میں ہرگز تم سے اپنا تقارف  
 نہیں کرناؤں گا، کہیں تم میری تعریف و توصیف کرنے لگو میں نہیں چاہتا کہ دوسرے میری تعریف کریں لیکن میں خدا  
 کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس کی بڑا وثواب پر راضی ہوں۔

۱۶۲۔ اَفَمِنْ اَتْبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَاٰ يَسْخَطَ مِنَ اللّٰهِ وَمَا وُجَّهَتْ  
 وَبَشَّ الْمَصِيْرُ ○

۱۶۳۔ هُمْ دَرَجَاتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِصِيْرٍ يَّمْلِكُوْنَ ○

ترجمہ

۱۶۲۔ وہ جو رضائے خدا کی پیروی کرے کیا وہ اس کی مانند ہے جو خشم و غضبِ خدا کی طرف لوٹے اور جس کی جائے قرار جہنم  
 ہے جس کا انجام بہت ہی بُرا ہے۔

۱۶۳۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے درگاہِ خدا میں درجہ و مقام ہے اور جو کچھ وہ انجام دیتے ہیں خدا اسے دیکھتا ہے۔



## تفسیر

## جہاد میں شرکت نہ کرنے والے

اَفَمَنْ اتَّبَعَ رِضْوَانُ اللَّهِ

آیات گذشتہ میں جنگ اُمد کے مختلف پہلوؤں اور اس کے نتائج پر بحث ہو چکی ہے۔ اب باری ہے منافقین اور ان کمزور ایمان والے مسلمانوں کی جو منافقین کی اتباع کرتے ہوئے میدان جنگ میں حاضر نہ ہوئے۔ ہدایات میں ہے کہ جب پیغمبر اکرمؐ نے جنگ اُمد کے لیے چلنے کا حکم صادر فرمایا تو منافقین کا ایک گروہ اس بیان سے شامل نہ ہوا کہ بقول ان کے انہیں جنگ کے وقوع پزیر ہونے کا یقین نہیں تھا۔ بعض کمزور ایمان والے مسلمان بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔ زیر نظر آیت ان کی اسی حالت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتی ہے: وہ لوگ جو حکم خداوندی کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں یا وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو غضب خدا کی طرف لوٹ گئے ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم اور ان کا انجام کار بڑا اور تکلیف دہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ھ۔ درجات جہنم ھ۔ یعنی ان میں سے ہر کوئی بارگاہ الہی میں درجہ اور اہمیت رکھتا ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ نہ فقط یہ کہ حق پرور منافق اور جاہلین آپس میں فرق رکھتے ہیں بلکہ ہر شخص جو ان دونوں میں سے کسی میں گھرا ہے فساد کاری و جاننازی یا اتفاق و حق دشمنی میں فرق کا ایک خاص درجہ رکھتا ہے جو ضرر سے شروع ہو کر مدغم و مدموم سے بالاتر تک باری و ماری رہتا ہے۔

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ ایک روایت میں حضرت امام علیؑ بن موسیٰ رضاؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

ہر آدمی کے درمیان آسمان و زمین کے درمیان فاصلے جتنا فاصلہ ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

اہلِ بیست درجات بالا میں رہنے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے آسمان پر ستارہ دکھائی دیتا ہے۔

اب توجہ رہے کہ عموماً درجہ پیر میوں کو کہا جاتا ہے کہ ان کے ذریعے انسان بلند نقطے کی طرف جاتا ہے لیکن جن پیر میوں کے

ذریعے نیچے کی طرف ہایا جاتا ہے انہیں ”درک“ (در وزن مرکب) کہا جاتا ہے۔ اسی سے سورہ بقرہ آیہ ۲۵۲ میں انبیاء کے بارے میں ہے:

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ

سورہ نسا آیہ ۱۴۵ میں منافقین کے بارے میں ہے:



ان المنفقین فی الدارک الامسئل من ہنار

لیکن زیر بحث آیت میں کیرنگ دونوں گروہوں کے متعلق گفتگو ہے اس لیے مؤمنین سے متعلقہ تعبیر اختیار کی گئی اور لفظ ”درجہ“ استعمال کیا گیا (اس طرز بیان کو ادبی اصطلاح میں تفسیر کہتے ہیں)۔  
آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: و اظہ بصیر بما یعملون۔ یعنی خدا سب کے اعمال دیکھتا ہے اور کامل طور پر جانتا ہے کہ ہر شخص اپنی نیت، ایمان اور عمل کے لحاظ سے کس درجے کا اہل ہے۔

### ایک موثر طریقہ تربیت

قرآن مجید میں دینی، اخلاقی اور اجتماعی سعادت سے مربوط مسائل کو سوال کے قالب میں ڈھال دیا گیا ہے اور مسئلہ کے دونوں پہلوئوں کے سامنے پیش کر دیئے گئے ہیں تاکہ وہ اپنی عقل و فکر سے ایک کو انتخاب کرے۔ یہ طریقہ بے غیر مستقیم (INDIRECT) کہنا چاہیے تربیتی امور میں بہت موثر ہوتا ہے کیرنگ انسان عموماً مختلف امور میں سے سب سے زیادہ اہمیت اپنے افکار و نظریات کو دیتا ہے۔ جب کوئی مسئلہ ایک قطعی اور حتمی صورت میں پیش کیا جائے تو بعض اوقات انسان اس کے مقابلے کی کوشش کرتا ہے اور اسے ایک اجنبی فکر کی حیثیت سے دیکھتا ہے لیکن جب اسے سوال کی صورت میں پیش کیا جائے اور اس کا جواب دل پسہ و جہل اور دل کے اندر سے نکلے تو اسے اپنی فکر اور اپنی رسائی سمجھتا ہے اور اسے ایک جانی پہچانی فکر کی حیثیت سے قبول کرتا ہے لہذا اس کے مقابلے کی کوشش نہیں کرتا۔ یہ طرز تعلیم بالخصوص بحث و دھرم لوگوں اور بچوں کے لیے موثر ہے۔ قرآن مجید میں اس طریقے سے بہت کام لیا گیا ہے اس کے چند نمونے یہ ہیں۔

۱۔ هل یستوی الذین یسلمون و الذین لا یسلمون

یعنی — کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں۔ (زمر - ۹)

۲۔ قل هل یتوٰی الاحسن و البصیر افلا تتفکرون

یعنی — کیسے: کیا ناپا اور مینا برابر ہیں، کیا تم سوچتے نہیں۔ (انعام - ۵۰)

۳۔ قل هل یتوٰی الاحسن و البصیر ام هل تستوی الظلمات و النور

یعنی — کیسے کیا ناپا اور مینا برابر ہیں، آیا تاریکیاں اور روشنی برابر ہیں۔ (رحہ - ۱۶)

۱۶۳۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُولًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ  
یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْہُمْ وَ یُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ وَاِنْ  
کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

ترجمہ ۱۶۳۔ خدا نے مؤمنین پر احسان کیا (انہیں ایک عظیم نعمت بخشی جبکہ ان میں انہی کی جنس سے ایک پیغمبر مبعوث کیا جو ان کے



سامنے اس کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ اس سے پہلے وہ فحش گمراہی میں تھے۔

تفسیر

خدا کی بہت بڑی نعمت

لَعَنَ مِنَ اللَّهِ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ

اس آیت میں عظیم ترین نعمت — یعنی ”بعثت پیغمبر اسلام“ کے متعلق لکھو ہے۔ حقیقت میں یہ ان سوالات کا جواب ہے جو مسلمانوں کے دل میں جگمگاتے رہتے تھے۔ وہ سوچتے تھے کہ ہم ان شکات و مصائب میں کیوں گرفتار ہوئے۔ قرآن انہیں کہتا ہے، اگر تمہیں اس راہ میں نقصان اٹھانا پڑا ہے تو یہ نہ بھول جاؤ کہ اللہ نے تمہیں ایک بہت بڑی نعمت عطا کی ہے، اس نے پیغمبر بوعث کیا ہے جو تمہاری تربیت کرتا ہے اور تمہیں کھلی گمراہیوں سے روکتا ہے، اس عظیم نعمت کی حفاظت کے لیے تم جتنی بھی کوشش کرو اور جتنی جتنی تمہیں دینا پڑے حقیر ہے۔

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اس نعمت کا ذکر لَعَنَ مِنَ اللَّهِ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ (خدا نے مومنین پر امان کیا) سے شروع ہوتا ہے۔ جو ابتدائی نظر میں مناسب معلوم نہیں ہوتا لیکن ”نست“ کے اہلِ حق کی طرف توجہ دانی باطنی کو مطلب پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ مفروضات میں داخل کیا جاتا ہے کہ یہ لفظ ”اصل“ میں سے ہے جس کا معنی ہے ”وہ پھر جن سے چیزوں کو نکالا جاتا ہے“۔ اسی لیے ہر قسمی چیز اگر وہ علی پہلو کہتی ہو تو اسے ”نست“ کہتے ہیں یعنی کسی نے دوسرے کو علی طور پر عظیم نعمت عطا کی ہو تو اس کا استعمال بالکل زیبا اور مناسب ہے لیکن اگر کوئی اپنے چھوٹے کام کو باتوں سے بڑا کر کے دکھانے تو یہ انتہائی بُرا اور قبیح ہے لہذا انسان جتنا بوجہ اور مذموم ہے وہ باتوں میں اپنے اسامات کو بڑا شمار کرنا ہے لیکن اس امان کا تذکرہ جو عظیم نعمتوں کی عطا جو مناسب اور زیبا ہے۔ مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، پروردگار نے مومنین پر امان کیا یعنی انہیں عظیم نعمت عطا کی۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ صرف مومنین کا ذکر کیوں کیا گیا ہے جبکہ بعثت پیغمبر تو تمام نوع بشر کی ہدایت کے لیے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر اور تاثیر کے لحاظ سے صرف مومنین ہی اس عظیم نعمت سے استفادہ کرتے ہیں اور عطا اسے اپنے سے مخصوص کر لیتے ہیں۔

اس کے بعد فرماتا ہے: پیغمبر کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ خود انہی کی جنس اور نوع بشری سے ہے (مِنْ أَنْفُسِهِمْ) وہ نہ صرف یادِ دیگر مخلوق کی نوع میں سے نہیں ہے۔ یہاں سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ وہ ضروریاتِ بشر کو کس طرح جان سکے اور انسانوں کے دکھ درد، مشکلات، مصائب اور مسائل زندگی کو کس کس طرح اور کیوں ان کی تربیت کے لیے اقدام کرنے کی طرف خود متوجہ ہو سکے۔ ملاوہ ازیں انبیاء کے تربیتی پروگرام کا اہم ترین حصہ ان کی اپنی زندگی اور عملی تعلیمات تھیں۔ ان کے اعمالِ تربیت کے لیے بہترین نمونہ اور ذریعہ تھے کیونکہ ”عمل کی زبان“ سے ہر زبان میں بہتر تبلیغ کی جاسکتی ہے اور یہاں صورت میں ممکن ہے جب تبلیغ کرنے والا اپنے دماغ کا ہم جنس ہو۔ اس کی جسمانی، طبعی اور روحی بناوٹ ایک ہی ہو۔ مثلاً اگر انبیاء عظماء کے ہم جنس ہوتے تو لوگوں کی طرف سے یہ سوال باقی رہتا کہ اگر وہ گناہ نہیں کرتے تو کیا اس کی وجہ نہیں کہ وہ شہوت و غضب اور طرح طرح کی انسانی اقدیات اور بشری خواہشات و سرشت کے حامل

نہیں ہیں اور یوں اہلبیاد کا ملی تبلیغات کا پردہ رلام ختم ہو کر وہ جالتہا ہی بے اُبیاد کا انتخاب انسانوں میں سے انہی ماحبات و حروریات سے  
غرائز اور طابع کے ساتھ کیا گیا ہے تاکہ وہ سب کے لیے نوز عمل بن سکیں۔

يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

پھر فرمایا: پھر پڑھائے ان کے سامنے عین اہم پر وگرام پیش کیے ہیں!  
پھر ان کے سامنے پردہ گور عالم کی آیات پڑھنا، نکادت کرنا اور ان کے کانوں اور افکار کو ان آیات سے آشنا کرنا۔  
دوسرا تعلیم۔ یعنی ان حقائق کو ان کی روح تک پہنچانا۔

میسرے تزکیہ نفس معنی اخلاقی و انسانی ملکات کی تربیت اور نشوونما۔ چونکہ ملی بدعت تربیت ہے لہذا آیت میں اس کا ذکر تعلیم  
سے پہلے آیا ہے تاکہ فطری تربیت کے نام سے تعلیم تربیت پر مقدم ہے۔

وہ لوگ جو انسانی حقائق سے بالکل دور ہیں وہ تربیت کا اثر انسانی سے قبول نہیں کرتے بلکہ ایک مدت تک ان کے کانوں کو  
ارشادات الہی سے آشنا کرنا پسے گا اور ان میں پہلے سے موجود دشت و اجنبیت کو دور کرنا پسے گا پھر تعلیم کا سر لا شروع ہوگا اور  
اس کے بعد تربیت کی باری آئے گی جو کہ سامنے پر وگرام کا حاصل ہے۔

مگر یہ آیت میں تزکیہ سے مراد شرک، باطل عقائد اور یہودہ خصائل اور بری حیوانی عادات کی آلودگی سے پاک کرنا ہو کر  
جب تک انسان کا باطن ان غلط عقوتوں سے پاک نہ ہو تو ممکن نہیں کہ وہ کتاب الہی اور حقیقی حکمت و دانائی کی تعلیم کے لیے آمادہ ہو سکے۔  
جیسے ایک گھٹی پر موجود بے نقوش جب تک صاف نہ ہو جائے اس پر خوبصورت اور دلکش نقوش بجا طور پر ثبت نہیں ہو سکتے ہیں  
مندرجہ بالا آیت میں تزکیہ نفس کو تعلیم معنی بلند اور اعلیٰ اسلامی معارف پر مقدم کیا گیا ہے۔

وَنُفِخُ فِي الصُّورِ وَنُحْشَرُ الْمَيِّتِينَ

ایک عظیم نعمت کی اہمیت اس وقت واضح ہوتی ہے جب اس سے فائدہ حاصل کرنے کے زمانے کا اس سے قبل کئے جانے  
سے موازنہ کیا جائے اور ان دونوں کا فرق جان لیا جائے۔ زیر نظر جگہ میں قرآن کہتا ہے: "اسلام سے قبل کے زمانے پر ایک نگاہ کرو  
تبدیلی کیا حالت تھی اور تمہارے ایام کیسے گزر رہے تھے اور اب کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہو۔"

یہ امر قابل توجہ ہے کہ قرآن زمانہ جاہلیت کی کیفیت کو "حضلہ ممبین" یعنی "واضح گمراہی" قرار دیتا ہے کیونکہ گمراہی و  
ضلالت کی کئی قسمیں ہیں۔ بعض گمراہیاں ایسی ہوتی ہیں کہ انسان آسانی سے ان کے باطل ہونے کو نہیں سمجھ سکتا اور کسی ایسا ہوتا ہے  
کہ جو شخص حقوری ہی عقل بھی رکھتا ہفتا بھولتا ہے۔

دنیا کے لوگ اور خصوصاً جزیرۃ العرب کے رہنے والے جزیرۃ اسلام کی بشت کے زمانے میں واضح ضلالت و گمراہی میں مبتلا  
تھے۔ تاہم ان کا دباؤ، بدعتی، جہل و نادانی اور طمع طمع کی معنوی آلودگیوں نے اس زمانے میں تمام دنیا کو گھیر رکھا تھا اور یہ غیر مناسب  
کیفیت کسی پر بھی ڈھکی چھپی تھی۔

۱۶۵۔ اَوَلَمْ نَأْصَابِكُمْ مَصِيبَةً قَدْ أَصَابَتْكُمْ مِثْلِهَا قُلْتُمْ لَا هَذَا



قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

ترجمہ

۱۶۵

(جنگ اُحد میں) تم پر مصیبت آئی جبکہ جنگ بدر میں اس سے دو گنا دشمن، پر بھی تم غالب آچکے ہو تو تم کہنے لگے کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی ہے بلکہ دو گنا یہ خود تمہاری طرف سے ہے (کہ تم نے جنگ اُحد کے میدان میں حکم پیغمبر کی مخالفت کی) خدا ہر چیز پر قادر ہے (اور اب بھی اگر تم اپنی اصلاح کرو تو آئندہ وہ تمہیں کامیابی دے گا)۔

تفسیر

جنگ اُحد پر ایک اور نظر

اس آیت میں واقعہ اُحد پر ایک اور نگاہ ڈالی گئی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ بعض مسلمان جنگ کے ان ناک نتائج پر غمگین اور پریشان تھے اور بار بار اپنی پریشانی کا اظہار کرتے تھے۔ خداوند عالم مندرجہ بالا آیت میں ان سے تین نکات کا ذکر کرتا ہے۔  
 ۱۔ تم صرف ایک ہی جنگ کے نتائج سے پریشان نہ ہو جاؤ بلکہ جتنی مرتبہ دشمن سے مقابلہ ہوا ہے اس کا موازنہ کرو۔ اگر اس میدان میں تم پر مصیبت آئی ہے تو دوسرے میدان (بدر) میں اس سے دو گنا دشمن پر تم بھی غالب آچکے ہو کیونکہ انہوں نے اُحد میں تمہارے سرِ آدمی شہید کیے ہیں جبکہ تم میں سے کوئی قید نہیں ہوا لیکن جنگ بدر میں تم نے ان کے سرِ آدمی قتل کیے اور سرِ ہی گرفتار کیے تھے۔

اولما اصابکم مصیبه قد اصابکم مثليها۔

حقیقت میں ”خدا اصابکم مثليها“ یعنی تم نے دشمن کو دو گنا نقصان پہنچایا تھا۔ ایک جواب ہے جو سوال سے پہلے آیا ہے۔

۲۔ تم کہتے ہو کہ یہ مصیبت ہمیں کہاں سے دامن گیر ہوئی۔ ”قلتم ان هذا“۔ لیکن اسے پیغمبر ان سے کہتے ہیں کہ اس مصیبت کا باعث خود تم ہو اور حوالہ شکست کو اپنی ہی ذات میں تلاش کرو۔ ”ساھل هو من عند انفسکم“۔ تم ہی تھے جنہوں نے حکم پیغمبر کی مخالفت میں کوہِ عینین کا ساس مورچہ چھوڑ دیا اور تمہی نے جنگ ختم ہونے سے پہلے اور اس کے حتمی فیصلے سے قبل مالِ قیمت جمع کرنا شروع کر دیا اور تم ہی دشمن کے نئے حملے کے وقت میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ تمہاری یہی کتابیاں اور گناہ اس شکست کو لاتے ہو گویا تمہیں قتل کا سبب بنیں۔

۳۔ اب آئندہ تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خدا ہر چیز پر قادر و توانا ہے اور اگر تم اپنی کمزوریوں کی تلافی کرو تو اس کی حمایت تمہارے شاملِ حال ہر کی ۱ ان الله علىٰ كل شيء قدير۔





۱۴۶۔ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّغَىٰ الْجَمْعُ فَيَا ذِي اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ۝  
 ۱۴۷۔ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ  
 ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ مَقْتَالًا لَا آتِبِعَنَّكُمْ هُمْ لِلْكَفَرِ يَوْمٍ إِذَا قَرَّبُ  
 مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۝  
 اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ۝

ترجمہ

۱۴۶۔ اور اُس روز (اُحد کے دن) جب دو گروہ (مومنین و کفار) آپس میں نہرو آنا ہوئے تو تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ  
 حکم خدا (اور قانون مکافات) کے مطابق تھی اور اس بنا پر تھی کہ اہل ایمان پہچانے جائیں۔

۱۴۷۔ اور یہ بھی وہی تھی کہ جن لوگوں نے منافقت کی ہے وہ پہچانے جائیں وہ نہیں کہہ دیا گیا تھا کہ آؤ اور راہ خدا میں  
 جنگ کرو یا (کم از کم) اپنے حرم کا دفاع کرو۔ انہوں نے کہا اگر ہمیں یقین ہوتا کہ واقعاً جنگ ہوگی تو ہم تمہاری  
 پیروی کرتے (لیکن ہمیں تو پتہ ہے کہ جنگ نہیں ہوگی) یہ وہ لوگ اُس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ نزدیک  
 تھے وہ اپنے منہ سے وہ کچھ کہتے تھے جو ان کے دل میں نہیں ہوتا تھا اور خدا اس چیز کو جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔

تفسیر

مختلف گروہوں کو الگ الگ پہچانا جانا چاہیے

مندرجہ بالا آیت یہ بات یاد دلاتی ہے کہ (اُحد کی طرح) جو مصیبت بھی پیش آتی ہے ایک تو یہ گروہ بلا سبب نہیں ہوتی  
 اور دوسرا یہ گروہ آزمائش کا ذریعہ بھی ہوتی ہے تاکہ اس آیت میں چھ مجاہدین اور منافقین یا کمزور ایمان لوگوں کی صفوں کو  
 ایک دوسرے سے جدا کرنے کا ذکر ہے۔ اسی لیے آیت کے پہلے حصے میں فرمایا گیا ہے وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّغَىٰ الْجَمْعُ  
 فَيَا ذِي اللَّهِ۔ اُحد کے دن جب مسلمانوں کو بہت پرستوں سے آنا سنا ہوا اُس وقت جو کچھ تم پر گرا وہ حکم خدا سے تھا اور  
 اُسی کی مشیت اور ارادے سے ظہور پذیر ہوا۔

خلقت کے عمومی قانون کے مطابق مردانہ قوت کی کوئی مذکوریت ہوتی ہے اور بنیادی طور پر یہ جان محل و اسباب کی دنیا



ہے اور یہ ایک ثابت و دائمی اصول ہے اور اس کے مطابق بھی کہ جو فوج بھی میدان جنگ میں شستی کہے گی اور مائل دولت اور غنیمت کی لالچ میں پڑ جائے گی اور اپنے جہد و محاکم کا حکم فراموش کر دے گی تو وہ شکست کھا جائے گی۔ اس بناء پر اذن اللہ (حکم خدا) سے مراد اُس کا وہی ارادہ و مشیت ہے جو قانون طبیعت کی شکل میں عالم ہستی پر حکم فرما ہے۔

آیت کے دوسرے حصے میں فرمایا گیا ہے: **وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا**۔ اس جنگ کا ایک مقصد یہ تھا کہ مومنین اور منافقین کی مضمض ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں اور صاحب ایمان اور کمزور ایمان والوں میں امتیاز ہو سکے۔

واقعا ہمد میں مسلمانوں میں سے تین گروہ نمایاں ہو گئے:

**پہلا**۔ اس میں چند محدود افراد تھے جو آخری لمحوں تک ثابت قدم رہے اور دشمن کے ہر غیر کے سامنے آخری دھمک ڈٹے رہے۔ ان میں سے بعض نے جام شہادت نوش کیا اور بعض شدید زخمی ہوئے۔

**دوسرا**۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں اضطراب اور تزلزل پیدا ہو گیا تھا اور وہ آخر تک استقامت نہ دکھ سکے اور بالآخر ہجرت کر رہے ہوئے۔

**تیسرا**۔ یہ منافقین کا گروہ تھا۔ یہ لوگ راستے ہی سے واپس لوٹ گئے تھے، طرح طرح کے بہانے کر کے جنگ سے سڑ موڑ گئے اور مدینہ کی طرف پلٹ گئے۔ ہم جلد ہی اُن کے ببانوں کا تذکرہ کریں گے۔ یہ گروہ بعد اشد بن ابی سلول اور اس کے ہم سو ساتھیوں پر مشتمل تھا۔

اگر اُرد میں سخت مرکز ہش نہ آتا تو یہ مضمض کبھی الگ الگ نہ ہوتیں اور ہر گروہ کے لوگ اپنی مخصوص مناسبت کے باوجود کسی مضمض میں نہ سمیٹے جاتے اور ممکن تھا کہ دعویٰ کرتے وقت ہر شخص اپنے آپ کو بہترین مومنین قرار دیتا۔

درحقیقت آیت میں دو چیزوں کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ پہلی جنگ احد کی شکست کی علتِ فاعلی اور دوسری اس کی علتِ فاعلی اور اس کا آخری نتیجہ۔

اس نکتے کا ذکر بھی ضروری ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں فرمایا گیا ہے: **لِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا** (تاکہ وہ لوگ پہچانے جائیں جنہوں نے نفاق کیا ہے)۔ یہ نہیں فرمایا **لِيَعْلَمَ الْمُنَافِقِينَ** (تاکہ منافق پہچانے جائیں) اور اگر منافقوں میں نفاق کا ذکر فعل کی صورت میں ہوا ہے صفت کے طور پر نہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ نفاق ابھی تک ان سب میں صفت ثابت کے طور پر نہیں تھا۔ اسی لیے تاریخ اسلام میں ہے کہ ان میں سے بعض کو تو برکی توفیق نصیب ہوئی اور وہ مومنین کی صفوں سے وابستہ ہو گئے۔

اس کے بعد قرآن اس گفتگو کا تذکرہ کرتا ہے جو جنگ سے قبل مسلمانوں اور منافقوں کے درمیان ہوئی۔ فرمایا:

**وَقِيلَ لَهُمُ اتَّعَالُوا فَاتُّعَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا**

ایک مسلمان (ابن عباس کے قول کے مطابق عبد اللہ بن عمر بن حزام) نے جب دیکھا کہ عبد اللہ بن ابی سلول اپنے ساتھیوں کے ساتھ لشکر اسلام سے کن راکش ہو کر مدینہ کی طرف پلٹنے کا حکم ادا کر چکا ہے تو اس سے کہا: **أَوْ دَفَعَا** کے لیے اور



اس کی راویں جنگ کرو یا کم از کم جو خطر تھا اسے وطن اور قوم خلیہ کو درپیش ہے اس کا ہی دفاع کرو۔

مگر ان لوگوں نے ایک بے ہودہ بہادری اور کہنے لگے: لَوْ نَفْلُو قِتَالًا لَا تَبْعُنَا حُكْمًا۔ ہمیں اگر معلوم ہوتا کہ جنگ ہوگی تو ہم بے دریغ قربانی پیروی کرتے، جہاد خیال ہے کہ یہ نئی کسی جنگ اور خون ریزی کے بغیر ختم ہو جائے گی۔ ایک اور غم کے مطابق منافقین کہنے لگے، اگر ہمارے جنگ سے تو بہار سامنے دیتے لیکن ہماری نگاہوں میں تو یہ جنگ نہیں بلکہ ایک طرح کی خودکشی ہے کیونکہ شکر اسلام اور کفر میں جو عدم توازن نظر آ رہا ہے اس کے پیش نظر ان سے جنگ کرنا حتمی کا کم نہیں خصوصاً جبکہ شکر اسلام کے پڑاؤ کی جگہ بھی نامناسب ہے۔

بہر حال یہ باتیں بیانے سے زیادہ وقعت نہیں کھیتی تھیں۔ جنگ کا ہونا بھی یقینی تھا اور مسلمان ابتداء میں کامیاب اور فتح مند بھی ہو گئے تھے۔ اب اگر انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے تو یہ ان کے اپنے اشتباہات اور غلات و زریوں کا نتیجہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا: وَهُوَ لِلْكَافِرِينَ مَذْذِرٌ مُّذِرٌ لِّأَعْيُنِنَا ۚ قَدْ كَفَرْنَا بِكَ يَا بَنِي إِدْرِيسَ ۚ إِنَّكَ عَلَىٰ شَرِّ مُّبِينٍ۔ اسی مذروہ ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے اسی جیسے سے ختم یا یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفر و ایمان کے کئی درجے ہیں جو انسان کے حقیقت اور طرز عمل سے وابستہ ہیں۔

يَقُولُونَ بَأْسًا وَهُمْ مَعَ الْكَافِرِينَ ۚ قَدْ كَفَرْنَا بِكَ يَا بَنِي إِدْرِيسَ ۚ إِنَّكَ عَلَىٰ شَرِّ مُّبِينٍ۔ اور ان کی نیت ان کی گفتگو سے بالکل میل نہیں کھاتی۔ انہوں نے اپنی اس تجویز میں امراد کہتے ہوئے کہ جنگ نہ ہونے کے اندر ہونی چاہیے یا دشمن کے حملوں کے خوف سے اور یا پھر اسلام سے قطعیت ہونے کی وجہ سے جنگ میں شرکت نہیں کی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْسِبُونَ لیکن خدا اس سے مکمل طور پر آگاہ ہے جو کچھ منافق چاہتے ہوئے ہیں اور وہ اس بیان میں بھی ان کے چہرے سے نقاب اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کو ان کے مقاصد سے آگاہ کرتا ہے اور آخرت میں بھی ان کا سب پگانے گا۔

الَّذِينَ قَالُوا لَا خِوَايَهِمْ وَقَعَدُوا وَالْوَاطِعُونَ مَا قُتِلُوا قُتِلُوا  
فَادْرَعُوا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ○

ترجمہ ۱۶۸ منافقین (وہ میں نہیں نے اپنے بھائیوں سے ان کی حمایت سے دستکش ہو کر کہا کہ اگر وہ ہماری پیروی کرتے تو قتل نہ ہوتے۔ کہہ دو کیا تم لوگوں کی موت کی پیش منی کر سکتے ہو تو اپنی موت کو اپنے آپ ہی سے دور کرو، اگر تم سچے ہو۔

تفسیر

منافقین کی بے بنیاد باتیں

منافقین خود بھی جنگ اُحد سے کنارہ کش رہے اور دوسروں کے حملے کم کرنے کی کوشش کرتے رہے اور پھر مجاہدین واپس آئے



تو انہیں سزاؤں سے ڈرنا اور کہنے لگے کہ اگر تم جلدی بات مانتے تو تباہی آتی تمل نہ ہوتے۔

مندرجہ بالا آیت میں قرآن اُن کی اس بے بنیاد بات کا جواب دیتا ہے: "لَنْذَرْنَاكَ الْخَوْفَ وَالْهَمَّ وَقَدْ وَاسَّيْنِي۔ جنہوں نے جنگ سے کنارہ کشی کی اور اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر ہماری اطاعت کی ہوتی تو تم قتل نہ ہوتے۔ ان سے کہیے، اگر تم آئندہ کے حادثہ کی پیش بینی کر سکتے ہو تو اپنے آپ ہی سے موت دور کرو، اگرچہ بے جو۔

یعنی حقیقت میں تباہی دعویٰ ہے کہ تم عالم غیب جو حادثہ نے دوسرے حادثہ سے باخبر، تو ایسا دعویٰ کرنے والے شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی موت کے عمل و احوال کی پیش بینی کر سکتے ہوئے انہیں بے کار کر دے، کیا تم میں یہ قدرت و طاقت ہے۔

پھر اگر تم میدانِ جہاد اور راہِ افتخار میں قتل نہیں ہوتے تو کیا تمہیں عمرِ جاودا مل جائے گی اور کیا تم موت کو ہمیشہ کے لیے اپنے سے دور کر سکتے ہو۔ جب تم موت کے مسلم قانون کو ختم نہیں کر سکتے تو پھر ذلت کے بستر پر کیوں مرتے ہو اور میدانِ جہاد میں دشمن کا مقابلہ کرتے ہو عزت سے ہام شہادت نوش کیوں نہیں کرتے۔

زیرِ نظر آیت میں ایک اور قابلِ غور نکتہ بھی ہے اور وہ یہ کہ مومنین کو بھائی کہا گیا ہے جبکہ مومن ہرگز منافق کا بھائی نہیں ہے۔ دراصل یہ انہیں ایک قسم کی سزاؤں سے ڈرنا کہ تم مومنین کو اپنا بھائی سمجھتے تھے تو پھر ان مساں نموں میں ان کی حمایت سے دست کش کیوں ہو گئے ہو۔ اسی لیے اخوانہ کے فوراً بعد ہمارا مطلقہ قصد و ادبک سے بیٹھ گئے آیا ہے، تو کیا انسان برادری کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور پھر ایک دم اپنے بھائی کی حمایت چھوڑ کر بھی بیٹھ جاتا ہے۔

۱۶۹۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرَوِّقُونَ ۝

۱۷۰۔ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَهُمْ لِحَاقٌ بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

۱۷۱۔ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

ترجمہ ۱۶۹۔ راہِ خدا میں قتل ہوئے لوگوں کے بارے میں ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ وہ مرد ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں سے روزِ دی پائے ہیں۔ ۱۷۰۔ وہ خدا کی عطا کردہ فزاواں نعمتوں پر خوش ہیں اور وہ دُعا بھی کر رہے ہیں اور ان سے ابھی اگر نہیں ملے ان کے بارے میں بھی خوشی ہیں (کیونکہ وہ اُس جہاں میں اس کے عظیم مراتب کو دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں) کہ ان کے لیے کوئی خوف ہے اور نہ ملال۔



۱۷۱ اور وہ خدا کی نعمت اور اس کے فضل سے (خوشحال و مسرور ہوتے ہیں) اور (وہ دیکھتے ہیں کہ) خدا (شہید ہونے والوں اور شہید ہونے والے مجاہد) میں ان کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

## تفسیر

### زندہ جاوید

بعض مغربی کے نزدیک مندرجہ بالا آیات شہدائے اُحد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور بعض دوسرے سمجھتے ہیں کہ یہ شہدائے بعد سے تعلق ہیں لیکن حق یہ ہے کہ گذشتہ آیات سے ان کا ربط ظاہر کرتا ہے کہ یہ جنگ اُحد کے بعد نازل ہوئی ہیں لیکن ان کا عمومی مفہوم یہی ہے جو تمام شہداء جن میں بدر کے چودہ شہداء بھی شامل ہیں پر محیط ہے۔ اسی لیے امام محمد باقرؑ سے ایک حدیث میں تشریح ہے کہ آپؐ نے فرمایا: یہ آیات شہداء بعد و اُحد، بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ ابن سعدؒ نیز کرم سے روایت کرتے ہیں:

خدا نے شہداء اُحد کی اس طرح کو خطاب کرتے ہوئے ان سے پوچھا کہ تمہاری کیا آرزو ہے تو انہوں نے کہا: ہمارا گھر ہم اس سے زیادہ کیا آسودہ کر سکتے ہیں کہ ہم ہمیشہ کی نعمتوں میں مستغرق ہیں اور تیس ہزار عرش کے سائے میں رہتے ہیں، ہمارا تقاضا صرف یہ ہے کہ ہم دوبارہ دنیا کی طرف لوٹ جائیں اور پھر سے تیری راہ میں شہید ہوں۔ اس پر خدا نے فرمایا: میرا نفع فیصلہ ہے کہ کوئی شخص دوبارہ دنیا کی طرف نہیں لوٹے گا۔ انہوں نے عرض کیا: جب ایسا ہی ہے تو ہماری تمنا ہے کہ ہمارا اسلام پھیلے، اسلام کو پہنچا دے، ہمارے حالات بہت سارے پسماندگان کو بہت سے اور انہیں ہماری حالت کی بشارت دے تاکہ انہیں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔

اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

بہر حال یوں لگتا ہے کہ جنگ اُحد کے بعد کچھ کمزور ایمان لوگ بیٹھ جاتے اور اپنے ان دوستوں اور عزیزوں کا انصاف کرتے جو اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے اور کہتے کہ وہ کیوں مارے گئے اور ختم ہو گئے۔ خصوصاً جب انہیں کوئی نعمت حق اور ان کی عدم موجودگی کے خیال سے انہیں بہت دکھ ہوتا۔ وہ اپنے آپ سے کہتے کہ ہم تو ایسے ناز و نعمت سے بہرہ ور ہیں لیکن ہمارے بھائی بیٹے قبروں میں سوئے ہوئے ہیں اور ان کے ہاتھ بالکل خالی ہیں۔

ایسے افکار اور ایسی باتیں نہ فقط ریکورڈ مست اور واقع کے مطابق نہ تھیں بلکہ باقی رہ جانے والوں کے جذلوں کو بھی کھرا کرنے کا باعث تھیں۔ زیرِ نظر آیات نے ایسے افکار پر خط بطلان کھینچ دیا اور شہیدوں کے بلند مقام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا (اور انہیں

۱۔ تفسیر تفسیر جلد ۱، صفحہ ۹۰، بولہ عیاشی۔

۲۔ مومن ایسا ہی ہوتا ہے جو بعض مواقع استثنائی میں کھینچا، مٹا دے اور حکومت میں رجعت (مترجم)



الذین قتلوا فی سبیل اللہ مو امنا ۔ یہاں روئے غنی نقد پیغمبر کی طرف ہے تاکہ دوسرے خود اندازہ کر لیں۔

آیت کے اس حصے کا مفہوم ہے کہ اسے پیغمبرؐ یہ گمان ہو گا کہ جو لوگ ماہِ فدا میں مارے گئے ہیں وہ مردہ ہیں۔ مہل

احیاء عند ربہم یروزحیون۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے ہاں سے نعمتیں حاصل کرتے ہیں۔

یہاں زندگی سے مراد برزخ کی زندگی ہے جو موت کے بعد کے زمانے میں ادراج کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ مادی و جسمانی زندگی

نہیں۔ البتہ یہ زندگی شہداء سے مخصوص نہیں اور غیر بہت سے لوگ بھی اس زندگی کے حامل ہیں۔ لیکن شہیدوں کی زندگی چونکہ بہت

انواع و اقسام کی نعمتوں سے مالا مال ہے۔ مگر وہ ان آیت میں جو شروع میں شہداء ہی میں اس لیے صرف انہی کا نام لیا گیا ہے اور وہ اس

تقدیر حیاتِ معنوی کی نعمتوں سے بہرہ ور ہیں گویا برزخ میں رہنے والے باقی لوگوں کی زندگی ان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

اس کے بعد شہداء کی حیاتِ برزخ کی بہت سی خوبیوں میں سے ایک پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

فرحین بما آتاهم اللہ من فضلہ۔ وہ فرح و دلچسپی میں جو خدا نے اپنے فضل و کرم سے انہیں دی ہیں ان سے وہ خوشحال ہیں۔

ان کی دوسری مسرت اپنے ان مجاہد بھائیوں کے بارے میں ہے جنہوں نے میدانِ جنگ میں جامِ شہادت نوش نہیں کیا اور

ان سے مل نہیں پائے۔ وہ ان کے مقامات اور اجر و ثواب کو اس جہاں میں اپنی طرح دیکھتے ہیں، اس بنا پر وہ مسرور و شادمان ہیں جیسا

کہ قرآن کہتا ہے: ویستبشرون بالذین لم یصلحوا بملہم من غلظہم۔ مثلاً اس کے بعد فرماتا ہے: والاخوف

عیدہم ولاہم یجزون۔ یعنی شہداء مسوس کہتے ہیں کہ ان کے مجاہد بھائی ان چیزوں کے بارے میں کوئی غم نہیں کرتے جو وہ بعد

موت دنیا میں چھوڑ آئے ہیں اور نہ ہی انہیں تباہی و تاراج کے وشتاک کا خوف ہے۔

اس جملے کی ایک اور تفسیر بھی ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ شہداء اپنے ان مجاہد بھائیوں کے مقامات بلند دیکھ کر خوش ہوتے ہیں جو ان

کے ساتھ نہیں مل سکے اور اس کے علاوہ انہیں خود بھی آئندہ کو کوئی خوف اور گداز نہ ہو گا غم نہیں ہے۔

یستبشرون بمعملہ موت اللہ و فضل

یہ آیت درحقیقت ان بشارتوں کی زیادہ تاکید اور توضیح ہے جو شہادت کے بعد شہداء کو حاصل ہوتی ہیں۔ وہ دو وجوہ کی بنا پر

پر غرور اور مسرور ہیں:

پہلی یہ کہ وہ خدا کی نعمتیں پائیتے ہیں، نعمتیں ہی نہیں بلکہ اس کا فضل میں کامیابی ہے ان نعمتوں کی زیادتی اور تکرار۔

دوسری یہ کہ وہ دیکھتے ہیں کہ خدا انہیں کا اجر و فائدہ نہیں کرتا، شہیدوں اور سچے مجاہدین جو جامِ شہادت نوش نہیں کر سکے، کا اجر

فائدہ کرتا ہے۔ وان اللہ لا یضییع اجر العساکرِ حمیدین۔ درحقیقت جو کچھ انہوں نے پہلے سنا، بھلا تھا اب وہ اسے واضح

طور پر دیکھیں گے۔

۱۔ جن نعمتیں دو طرح کے لوگوں کے لیے حیاتِ برزخ کے کافی ہیں ایک بہت زیادہ نیک اور دوسرے بہت زیادہ بُرے۔

۲۔ استبشرون کا معنی ہے بشارت پانا یا غنیمت حاصل کرنے پر غرور جو نایاد نعمتوں کے نعمت پانے پر مسرور ہونا اور اس کا معنی بشارت دینا نہیں ہے

۳۔ دوسرے الفاظ میں پہلی تفسیر کے لیے لاخوف عیدہم ولاہم یجزون۔ مکی تفسیر میں لیا گیا ہے کہ جاننے والوں کی طرف کوئی دیکر دوسری تفسیر کی دقت

خود شہداء کی طرف رہتی ہیں۔





## روح کی بقا کا شاہد

ہر آیات مراحت سے بقا و روح پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے زیر نظر آیات بھی ہیں جو موت کے بعد حیاتِ شہداء کے بارے میں ہیں۔ بعض نے یہ جو احتمال دیا ہے کہ حیات سے مراد ان کی مجازی زندگی ہے اور مقتصدان کی زحمات کے آثار اور نام و نشان کی بقا ہے یہ مفہوم آیات کے معنی سے بہت بعید ہے۔ یہ مفہوم مندرجہ بالا آیات کے کسی حصے سے پیدا نہیں ہوتا چاہے شہداء کے روزی حاصل کرنے کا ساطر ہو یا مختلف حوالوں سے ان کے سرور و انبساط کا تذکرہ۔ علاوہ ان میں زیر نظر آیات جو در بندہ نعمات و برزخ پر واضح دلیل ہیں۔ اس کی تشریح سورہ مؤمنون کی آیت ۱۰۱ کے ذیل میں تفصیل سے پیش کی جائے گی۔ مذکورہ آیت یوں ہے:

وَمَنْ قَوْلِ الْغُلَامِ مَوْجَّحٍ إِلَىٰ قَوْمٍ لَّا يَعْلَمُونَ

## شہیدوں کا اجر

مقام شہداء کی اہمیت کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ ہر قوم و ملت اپنے شہداء کے لیے ایک مخصوص مرتبے کی تلاش کرتی ہے لیکن اسلام نے ماہِ خدا کے شہداء کو جو احترام دیا ہے وہ بے نظیر ہے۔ ذیل میں لکھنؤ کی جہاد کی بارگاہی ہے جو اسلام کی نظر میں احترام شہداء کا ایک واضح نمونہ ہے۔ اسلام کی اپنی تعلیمات کی وجہ سے ایک مختصر سی پیمانہ جماعت میں ایسی قوت و طاقت آگئی جس نے دنیا کے عظیم ترین شاہی نظاموں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ مذکورہ روایت یہ ہے:

امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما السلام امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں:

ایک مرتبہ آنحضرتؐ خطبہ دے رہے تھے اور لوگوں کو جہاد کا شوق دلانے لگے۔ اس دوران میں ایک نوجوان کھڑا ہو گیا۔ اسی نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! مجھ سے راہِ خدا میں جنگ کھنڈواؤں کی فضیلت بیان فرمائیے۔ امام نے جواب میں فرمایا: ایک دفعہ میں خیرِ خدا کی ساری پراپ کے چھ سوار تیار ہوئے جنگ ذاتِ اسلام سے واپس آئے تھے۔ یہی سوال جو تو نے مجھ سے کیا ہے میں نے رسول اللہؐ سے کیا، تو آپؐ نے فرمایا: جب مجاہد میدانِ جہاد میں شرکت کا پختہ ارادہ کر لیتے ہیں تو خداوندِ عالم جہنم سے آزادی ان کے لیے متعدد کر دیتا ہے اور جب وہ ہتھیار اٹھا کر میدانِ جنگ کا رخ کرتے ہیں تو ان کا ان پر فخر کرتے ہیں اور جب ان کی بیوی بچے، عزیز و اقارب انہیں الوداع کہتے ہیں تو وہ اپنے گناہوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔ پھر وہ جو بھی کام کرتے ہیں اسی کا اجر دوگنا ہو جاتا ہے اور ہر دن کے بدلے ان کے لیے ہزار عبادت کا اجر لکھا جاتا ہے اور جب وہ دشمن کے آسنے سامنے جھکتے ہیں تو پورے عالم کے لوگ ان کے میزانِ ثواب کا اندازہ نہیں کر سکتے اور جب وہ میدانِ جنگ میں قدم رکھتے ہیں، نیز و تیر کا تبادلہ ہونے لگتا ہے اور پھر درست بدست لڑائی شروع ہو جاتی ہے تو فرشتے اپنے پر بال سے انہیں گھیر لیتے ہیں اور خدا سے میدان میں ان کی ثابت قدمی کی دعا کرتے ہیں۔ اس وقت ایک ندا کی آواز دیتا ہے: الجنت تحت ظللال السیوف (یعنی جنت تلواروں کے سایے میں ہے)۔ اس وقت شہید کے جسم پر دشمن کے وار زیادہ آسان اور گرمیوں میں ٹھنڈا



پانی پینے سے زیادہ خوشگوار ہوتے ہیں اور جب شہید اپنی سواری سے کودتا ہوا کرتا ہے تو زمین تک پہنچنے سے پہلے جہنم بہشت اس کے مقابل کو آتی ہیں اور اسے ان تمام عظیم روحانی و مادی نعمتوں کی خبر دیتی ہیں جو خدا تعالیٰ نے اس کے لیے فراہم کر رکھی ہیں اور جب شہید زمین پر گر جاتا ہے تو زمین کہتی ہے: آفرین ہے پاکیزہ روح کے لیے جو پاکیزہ بدن سے پرواز کر رہی ہے، تیرے لیے خوشخبری ہے۔ ان لک ما لا عين رأت ولا اذن سمعت ولا خطر عور قلب بشدہ یعنی تیرے اظہار میں ایسی نعمتیں ہیں جنہیں کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہے نہ کسی کان نے ان کے بارے میں سنا ہے اور نہ کسی دل میں ان کا خیال آیا ہے۔ نیز خدا فرماتا ہے: میں اس کے پس ماندگان کا سر پرست ہوں، جو کوئی انہیں خوش کرے گا اُس نے مجھے خوش کیا اور جو انہیں ناراض کرے گا اُس نے مجھے ناراض اور غضب ناک کیا۔ یہ

۱۴۶۔ الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ

لِلَّذِينَ احْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا اَجْرَ عَظِيمٍ ۝

۱۴۷۔ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ

اِيْمَانًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝

۱۴۸۔ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ اِلَى الْوَدُنِ وَفَضِّلْ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا

رِضْوَانَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ۝

ترجمہ

۱۴۶۔ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی خدا اور رسول کی دعوت کو قبول کیا (اور ابھی اُن کے جنگ اُمد کے زخم تازہ تھے کہ وہ عمار الاسد کے میدان کی طرف چل پڑے) ان میں سے نیک عمل کرنے والوں اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے اجر عظیم ہے۔

۱۴۷۔ وہ ایسے اشخاص تھے جن سے بعض لوگوں نے کہا کہ (شکر دشمن کے) افراد نے تم پر حملہ کرنے کے لیے (اکٹھ کر لیا ہے) ان سے ڈرو لیکن ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور وہ کہنے لگے کہ خدا ہمارے لیے کافی ہے اور وہ ہمارا بہترین مددگار ہے

۱۔ یہ اس روایت کا خلاصہ ہے جو عظیم اسلامی مفسر مرحوم طبری نے مجمع البیان میں مندرجہ بالا آیت کے ذیل میں درج کی ہے۔



۱۷۴ اسکی وجہ سے وہ (اسی میدان سے) پروردگار کی نعمت و فضل کے ساتھ اس عالم میں لوٹے کہ انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی اور خدا صاحب فضل و بخشش ہے۔

تفسیر

غزوہ حمراء الاسد

ہم کہہ چکے ہیں کہ جنگ اُحد کے اختتام پر ابوسفیان کا خاتج لشکر بڑی تیزی سے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ روماء کے مقام پر پہنچے تو اپنے کیے پر بہت پشیمان ہوئے اور انہوں نے مدینہ کی طرف لوٹنے اور باقی ماندہ مسلمانوں کو تارود کر کے کا ارادہ کیا۔ یہ اطلاع پیغمبرؐ کو پہنچی تو آپؐ نے فوراً حکم دیا کہ جنگ اُحد میں شریک ہونے والا لشکر دوسری جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔ آپؐ نے یہ حکم خصوصیت سے دیا کہ جنگ اُحد کے زخمی بھی لشکر کی صفوں میں باثباتی ہوں۔ ایک صحابی کہتے ہیں:

میں بھی زخموں میں سے تھا لیکن میرے بھائی کچھ دنوں بعد سے زیادہ شدید تھے۔ ہم نے ارادہ کر لیا کہ جو بھی حالت ہو ہم پیلر اسلام کی خدمت میں پہنچیں گے۔ میری حالت چونکہ میرے بھائی سے کچھ بہتر تھی، جہاں میرا بھائی زخمی پاتا میں اسے کدے سے پامال کرتا۔ بڑی تکلیف سے ہم لشکر تک جا پہنچے پیغمبر اکرمؐ اور لشکر اسلام۔ حمراء الاسد کے مقام پر پہنچ گئے اور وہاں پڑاؤ ڈالا۔ یہ جگہ مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھی۔

یہ خبر جب لشکر قریش تک پہنچی خصوصاً جب انہوں نے مقابلے کے لیے ایسی آمادگی کر لی تھی جس میں میدان جنگ میں پہنچ گئے ہیں تو وہ پریشان ہو گئے اور شاید انہیں یہ فکر بھی لاحق ہوئی کہ مدینہ سے تازہ دم فوج ان سے آئی ہے۔

اس موقع پر ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے ان کے دلوں کو اور کمزور کر دیا اور ان میں مقابلے کی ہمت نہ رہی۔ یہ واقعہ یہ ہوا کہ ایک لشکر جس کا نام سیدہ فزاعی تھا مدینہ سے مکہ کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے پیغمبر اکرمؐ اور ان کے اصحاب کی کیفیت دیکھی تو اتنا ہی متاثر ہوا۔ اس کے انسانی جذبات میں حرکت پیدا ہوئی۔ اس نے پیغمبر اکرمؐ سے عرض کیا: آپؐ کی یہ حالت و کیفیت ہمارے لیے بہت ہی ناگوار ہے، آپؐ تمام کتے تو ہمارے لیے بہتر ہوتا۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چل پڑا اور روماء کے مقام پر ابوسفیان کے لشکر سے ملا۔ ابوسفیان نے اسی سے پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں سوال کیا تو اس نے جواب میں کہا: میں نے مدد دیا کہ دیکھا ہے کہ وہ ایسا عظیم لشکر ہے جو مجھے قہراً تعاقب کر رہے ہیں جس جیسا لشکر اس سے پہلے میں نے نہیں دیکھا اور وہ تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔

ابوسفیان نے اضطراب اور پریشانی کے عالم میں کہا: تم کیا کہہ رہے ہو، مجھ نے انہیں قتل کیا، زخمی کیا اور منتشر کر کے رکھ دیا تھا۔ سیدہ فزاعی نے کہا: میں نہیں جانتا کہ تم نے کیا کیا ہے۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ ایک عظیم اور کثیر لشکر اس وقت تبارا تعاقب کر رہا ہے۔

ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ وہ تیزی سے پیچھے ہٹ جائیں اور مکہ کی طرف پلٹ جائیں اور اس مقصد کے لیے

کہ مسلمان ان کا مقابلہ نہ کریں اور انہیں پیچھے ہٹ جانے کا کافی موقع مل جائے مانبہوں نے قبیلہ بنی النقیس کی ایک جماعت سے خواہش کی کہ وہ پیغمبر اسلام اور مسلمانوں تک یہ خبر پہنچا دیں کہ ابوسفیان اور قریش کے بٹ پرست باقی ماندہ اصحاب پیغمبر کو ختم کرنے کے لیے ایک عظیم لشکر کے ساتھ تیزی سے مدینہ کی طرف آ رہے ہیں۔ یہ جماعت گندم ٹھریں سے لیے لیے مدینہ جا رہی تھی جب یہ اطلاع پیغمبر اسلام اور مسلمانوں تک پہنچی تو انہوں نے کہا: **حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنَعُوْهُ**، انوکھیل (خدا ہمارے لیے کافی ہے اور وہ ہمارا بہترین حامی اور مدافع ہے)۔ انہوں نے بہت انتظار کیا لیکن دشمن کے لشکر کی کوئی خبر نہ ہوئی۔ لہذا تین روز توقف کے بعد وہ مدینہ کی طرف لوٹ گئے۔ مندرجہ بالا آیات اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِقَوْلِهِ وَالرَّسُولَ مِنْ بَيْنِ مَا حَايَاهُمْ الْمَقْرَجَةُ ۖ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ  
وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ .

جہنوں نے خدا اور پیغمبر کی دعوت قبول کی اور جنگ اُمد میں اُٹھائے تھے دشمنوں کے باوجود دشمن سے دوسری جنگ کے لیے آمادہ ہو گئے ان میں سے نیک عمل کرنے والوں اور تقویٰ اختیار کرنے والوں یعنی پاکیزہ نیت والہ غلوں کا دل سے میدان میں شرکت کرنے والوں کے لیے اجر عظیم ہے۔

زیرِ نظر آیت میں ایک گروہ کے لیے جو بزرگِ مخلص کی گلیاں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی کچھ ایسے افراد تھے جو صحیح طور پر فہم نہ تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ منظرہ (ان کی سے بعض) اس طرف اشارہ ہو کہ اُن کے پیغمبر و لوگوں میں سے بعض کسی جہان سے اسی میدان سے کنارہ کش ہو گئے۔

اس کے بعد قرآن نے ان کی پامروئی و استقامت کی ایک درشاں نشانی کا یوں تذکرہ کیا ہے، الذین قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ايمانا قتلوا احسبنا الله ونعم الوكيل۔ یعنی۔ یہودی لوگ تھے جنہیں کچھ لوگوں نے عقیدہ عبدالقیس کے لوگ یا ایک دو طاقتور کے مطابق تنہی بن مسعود جو غبرلوٹے تھے کہا کہ دشمن کی فرج صبح ہو گئی ہے اور وہ عداوت کرنے کو تیار ہے، ان سے ڈرو لیکن وہ نہ صرف یہ کہ ڈرے نہیں بلکہ اس کے برعکس ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے کہا خدا ہمارے لیے کافی ہے اور وہ بہترین حامی ہے۔

اسی استقامت، ایمان اور زبردست پامروئی کے تذکرہ کے بعد قرآن ان کے عمل کا تجزیہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

فَاَنْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ وَاَنْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ — یعنی وہ اس میدان سے اللہ کے فضل و نعمت کے ساتھ لوٹے۔ نعمت و فضل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا کہ دشمن سے کسی خطرناک ٹکراؤ کے بغیر ہی دشمن ان سے بھاگ گیا اور یہ صحیح مسلم بغیر کوئی نصرت اٹھانے پر آمینہ ملے آئے۔

فضل و نعمت میں یکن ہے یہ فرق جو کہ نعمت استمعاق کے طور پر ہجرت کے مفہوم میں جو اور فضل استمعاق سے بڑھ کر اور اس پر اضافہ ہو۔



اس کے بعد تاکید کے طور پر ہے: لَعْنَةُ يَمْسُحُ سَوْءٌ۔ یعنی انہیں اس واقعہ میں تھوڑی سی تکلیف بھی نہیں پہنچے گی۔  
 وَاتَّبِعُوا رِضْوَانِ اللَّهِ خوشنودی خدا ان کے ہاتھ آئی انہوں نے فرمان خدا کی اتباع کی واللہ ذو فضل عظیم  
 اور خدا کے پاس عظیم فضل و انعام ہے جو حقیقی مومنین اور سچے جاہلین کے انتظار میں ہے۔

### تریت الہی کی فوری تاثیر

جنگ اعداء و اقارب و امراء و اعداء میں کی تفصیل گندہ کی ہے۔ ان دونوں مواقع پر مسلمانوں کے جذبے کا سناڑ دیا جائے تو انسان کو  
 تعجب ہوتا ہے کہ ایک شکست خوردہ جماعت جس کے جذبے بند نہ تھے، تعداد کافی نہ تھی اور جس میں بہت سے زخمی بھی موجود تھے اتنی  
 تھوڑی سی مدت میں چوٹا ید چوبیس گھنٹے میں نہ جیتی تھی اس کی حالت اتنی بدلی کہ وہ عزم راسخ اور بڑے دلہے اور جذبے کے ساتھ دشمن  
 کے تعاقب پر آمادہ ہو گئی یہاں تک کہ قرآن ان لوگوں کے متعلق لکھا ہے جب انہیں اطلاع ملی کہ دشمن نے ان پر حملے کے لیے اکٹھا کر لیا ہے  
 تو وہ نہ صرف یہ کہ ڈر سے نہیں بلکہ ان کا ایمان اور جوہرگی اور ان کی استقامت میں اضافہ ہو گیا۔ دراصل یہ بہت و مقصد پر ایمان رکھنے  
 کی خاصیت ہے کہ انسان پر شکست و مصائب جس قدر بڑھیں اور وہ انہیں زیادہ قریب سے دیکھے اس کی پامردی و استقامت میں  
 اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ درحقیقت ایسے میں اس کی تمام روحانی و مادی قوتیں غلے کا مقابلہ کرنے کے لیے مجتمع ہو جاتی ہیں۔ ایک پھولی  
 سی جماعت میں یہ عجیب و غریب تغیر انسانی تربیت کرنے والی آیات قرآن اور پیغمبر اسلام کے مرثوہ دل آویز ارشادات کی فوری اور  
 گہری تاثیر کا غماز ہے اور یہ بات بذات خود ایک جزے سے کم نہیں۔

۱۴۵ اِنَّكَ اَنتَ الَّذِي تَخْشَى الشَّيْطَانَ يَخَافُ اَوَّلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوْنَ  
 اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

ترجمہ

۱۴۵ یہ مرنے والا شیطان ہی ہے جو اپنے پیروکاروں کو دے بنیاد باتوں اور انوہوں کے ذریعے ڈراتا ہے۔ ان سے نہ ڈرو  
 صرف مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر

یہ آیت غزوہ عمواس کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کا ضمیر ہے۔ لفظ "خَلَّكَ" ان لوگوں کی طرف اشارہ  
 ہے جو مسلمانوں کو فوج قریش کی طاقت سے ڈرتے تھے تاکہ ان کے دلوں کو کمزور کریں۔ اس بناء پر آیت کا معنی یہ ہے کہ نسیم بن سوط  
 یا کوردان عبد القیس کا عمل فقط ایک شیطانی عمل ہے جو شیطان کے دوستوں کو ڈرانے کے لیے ہے یعنی ایسے دوسرے مرنے والے شیطان کے  
 دوستوں پر ہی اثر انداز ہوتے ہیں یہی اہل ایمان اور ثابت قدم لوگ ایسے دوسروں سے کبھی افر نہیں لیتے۔ اس بناء پر جب تم شیطان



کے پرو نہیں ہو تو تمہیں ان دوسروں سے متزلزل نہیں ہرنا چاہیے۔

نیم بن مسعود یا کاروان جبرائیل کو اس لیے شیطان قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان کا عمل واقعتاً شیطان تھا اور یہ اس کے ابھام اور دوسرے ظہور پذیر ہوا تھا۔ قرآن و احادیث میں ہر نبی سے اور مذکورہ کام کو شیطان ہی قرار دیا گیا ہے چونکہ ایسے ہر کام کا انجام شیطان ہی سے ملتا ہے۔

یہ شیطان سے مراد خود ہی اشخاص ہیں اور یہ ان مواقع میں سے ایک ہے جہاں شیطان اپنے انسانی مصلحت کے لیے متحمل ہوتا ہے کیونکہ شیطان کا ایک وسیع معنی ہے اور اس کے مفہوم میں تمام گمراہ کرنے والے شامل ہیں، وہ انسان ہوں یا غیر انسان۔ بیشک سورہ انفصاح آیہ ۱۱۲ میں ہے:

وَكَذِبَتْ جَهَنَّمُ أَنْ تَكُلِي نَجَسَ شَيْءٍ طَيِّبٍ ۚ فَتَذَرُ الْغَايِبَ ۚ

یعنی۔ ادا کی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے انسانی اور بنیاتی شیطانوں میں سے دشمن قرار دیے ہیں۔

وہاں ان کہتے ہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو مجھ سے اور میرے حکم کی نافرمانی سے ڈرو یعنی ایمان اور غیر خدا کا خوف ان دونوں کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ہے:

فَقُلْ يُؤْمِنُ أَنتُمْ بِرَبِّكُمْ ۖ فَلَا تَخَافُ بَغْيًا وَلَا كَرِهًا ۚ

یعنی۔ جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لے آتا ہے وہ کسی نقصان اور نقصان سے نہیں ڈرتا۔ (آج - ۷۳)

اس بنا پر اگر کسی دل میں غیر خدا کا خوف پیدا ہو تو یہ ایمان کے کامل نہ ہونے کی دلیل ہے اور شیطان دوسروں کے نفوذ کی نشانی ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اس بے کن عالم ہستی میں پناہ گاہ صرف خدا ہے اور صرف وہی موثر بالذات ہے اور اس کی قدرت کے مقابلے میں کسی کی کوئی قدرت نہیں۔

اصل طور پر ہمیں اپنے ولی یعنی خدا کا شرکین و منافقین کے ولی یعنی شیطان سے موازنہ کریں تو یہ بات ان پر قطعاً واضح ہو جائے گی کہ خدا کے مقابلے میں اس کی کبھی قدرت و طاقت نہیں ہے۔ اس لیے اہل ایمان کو معمولی سی پریشانی بھی نہیں ہونی چاہیے۔ اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں کہیں ایمان نفوذ کرتا ہے لازمی طور پر وہاں جرات و شہادت بھی نفوذ کرتی ہے۔

۱۶۷۔ وَلَا يَحْزَنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوكَ اللَّهُ شَيْئًا ۚ يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حِظًّا فِي الْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

۱۶۸۔ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوكَ اللَّهُ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝





ترجمہ

۱۷۶۔ جو لوگ راہِ کفر میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں وہ تمہیں ٹلگین نہ کر دیں کیونکہ وہ ہرگز خدا کو نقصان نہیں پہنچا سکتے (علاوہ انہیں) خدا چاہتا ہے (کہ انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دے اور اس کے نتیجے میں) آخرت میں ان کا کوئی حصہ قرار نہ دے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

۱۷۷۔ جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر فریاد ہے وہ خدا کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

تفسیر

پیغمبر کے لیے تسلی

وَلَا يَحْزَنُكَ الَّذِينَ يَسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ

اس آیت میں روئے سخن پیغمبر اکرم کی طرف ہے۔ اُنہ کے دردناک واقعہ کے بعد خدا تعالیٰ نے انہیں تسلی دی کہ اسے پیغمبر پر جو تم دیکھتے ہو کہ راہِ کفر میں ایک گروہ دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کے واسطے سے ٹلگین دھڑول نہ ہوتا وہ خدا کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے (انفسہم لن يضروا الله شبيهاً) بلکہ وہ خود اس راہ میں نقصان اٹھائیں گے۔ اصول طور پر نفع و ضرر اور سود و زیان ایسے موجودات کے لیے ہے جن کا وجود خود ان سے نہیں ہے لیکن خداوندِ مطلق وابدی جو ہر لحاظ سے بے نیاز ہے اور اس کا وجود غیر محدود ہے، لوگوں کا کفر و ایمان اور سی و کوشی اس کے لیے کیا اثر رکھتی۔ جبکہ لوگوں کا ایمان ان کے اپنے تکامل و ارتقاء کا باعث ہے اور کفر کی وجہ سے وہ خود تنزل و سقوط کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔

يَوْمَذِئِكَ لَا يَجْعَلُ اللَّهُ حَقْلًا فِي الْآخِرَةِ وَلَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ

خدا چاہتا ہے کہ اس راہ میں انہیں آزاد رکھے اور وہ اتنی تیزی سے راہِ کفر طے کریں کہ آخرت میں تنہوڑا سا حصہ بھی نہ پائیں بلکہ عذابِ عظیم ان کے انتظار میں ہو۔

درحقیقت آیت کہتی ہے کہ اگر وہ لوگ راہِ کفر میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرتے ہیں تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ خدا ان کی گرفت نہیں کر سکتا بلکہ خدا نے تو انہیں آزادیِ عمل دے رکھی ہے وہ جو کچھ کر سکتے ہیں کریں اور اس کا نتیجہ نعمتِ اخروی سے ان کی محرومی ہے۔ اس بناء پر نہ صرف یہ کہ آیت جبر پر دلالت نہیں کرتی بلکہ آزادیِ ارادہ کی ایک دلیل ہے۔

بعد ازیں آیت میں بات کو وسعت دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْاٰيٰتِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْاٰيٰتِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْاٰيٰتِ (یعنی راہِ کفر پر تیزی سے جانے والے ہی ایسے نہیں بلکہ وہ تمام لوگ جو ایمان ذلت سے دے کر راہِ کفر اختیار کیے ہوئے ہیں اور ایمان کے بدلے کفر فرید چکے ہیں وہ ہرگز خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ اس کا نقصان خود انہی کو پہنچے گا۔ آیت کے آخر میں خدا تعالیٰ



فرماتا ہے: وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

یہاں عذاب الیم ہے جیسا کہ مشرۃ آیت میں ”عذاب عظیم“ آیا ہے۔ تعبیر کا یہ فرق اس بناء پر ہے کہ پہلی آیت میں جن کا ذکر ہے وہ کفر کے راستے میں زیادہ تیزی سے آگے چل رہے ہیں۔

۱۷۸. وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا أُمِّلَ لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمَلِّ لَهُمْ لِيُزِدُوا إِشْيَاءَ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝

ترجمہ

۱۷۸. جو کافر ہو گئے ہیں (اور انہوں نے راہِ سرکش اختیار کی ہے) وہ یہ خیال نہ کریں کہ اگر ہم انہیں مہلت دیتے ہیں تو یہ ان کے نفع میں ہے، ہم تو یہ مہلت انہیں اس لیے دیتے ہیں کہ وہ زیادہ گناہ کر لیں اور ان کے لیے رُسوا کن عذاب ہے۔

تفسیر

جن پر بیماری بوجھ ہے

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا أُمِّلَ لَهُمْ

گدہ مشرۃ آیت میں دشمنانِ حق کی بہت زیادہ سہی و کاوش کے ضمن میں رسول اکرمؐ کو قتل دی گئی ہے اور ان کی دل جوئی کی گئی ہے اب اس آیت میں روئے نئی دشمنوں کی طرف ہے۔ اس میں انہیں درپیش بدلتی کسبائے میں گھٹک ہے۔ یہ آیت درحقیقت دھوکہ اُمد اور اس کے بعد کے واقعات سے مربوط مباحث کی تکمیل کرتی ہے کیونکہ ایک جگہ روئے سخن نبی کریمؐ کی طرف تھا، دوسرے مقام پر مومنین کی طرف اور اب اس جگہ مشرکین مخاطب ہیں۔

مندرجہ بالا آیت مشرکین کو تنبیہ کرتی ہے اور انہیں ڈراتی ہے کہ وہ خدا کے عطا کردہ وسائل کسی بھارل جانے والی کامیابیوں اور آزادی عمل کو اس بات کی دلیل قرار نہ دیں کہ وہ صالح افراد میں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں صحیح یا یہ ان کے لیے خوشنودی خدا کی نشان دہی اس کی وضاحت یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ گناہوں سے کم آوردہ گناہگاروں کو جس بیداری کے ذریعے متوجہ کرتا ہے، کبھی ان اعمال کے عکسِ عمل کے ذریعے بیدار کرتا ہے اور یا کبھی ان سے سزا دہنے والے اعمال کی مناسبت سزاؤں کے ذریعے بیدار کرتا ہے اور اس طرح انہیں راہِ حق کی طرف واپس لاتا ہے۔ یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو ابھی ہدایت کی

۱۷۹. ”نملی“ کا معنی ہے ”غذوکتا“ لیکن بہت سے مواقع پر یہ لفظ مہلت دینے کے معنی میں بھی آتا ہے، جبکہ مہلت خود ایک قسم کی مدد ہے یہاں یہ لفظ مہلت کے معنی میں ہی ہے۔



اہلیت رکھتے ہیں اور لطف الہی کے حامل ہیں۔ حقیقت دین و عبادت عمل اور تکالیف و زمکات ایسے لوگوں کے لیے نعمت شمار ہوتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیدقلم بعض الذی  
عملوا لعلہم یرجعون

شکل پر اصرار یا توں میں تباہی و فحشانی لوگوں کے اعمال کا نتیجہ ہے تاکہ خدا ان کے بعض اعمال کا مزہ نہیں چکھتا  
شاید اس طرح یہ لوگ پلٹ آئیں۔ (روم - ۴۱)

لیکن وہ لوگ جو گنہگار ہیں اور میان میں فرق ہو جائیں اور فحشانی و سرکش اور افرامانی کے آخری سرے تک پہنچیں، خدا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ اصطلاح میں یوں کہا جاتا ہے کہ انہیں موقع دیتا ہے کہ ان کی گنہگار گناہ سے جوصل ہو جائے اور وہ زیادہ سے زیادہ مزا کے مستحق ہو جائیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پیچھے کے تمام ناپی تباہ کر دیے ہیں، واپس ہونے کے لیے ان کے پاس کوئی راستہ نہیں رہا، حیا و شرم کا پردہ چاک کر چکے ہیں اور ہدایت خداوندی کی اہلیت بالکل کھو چکے ہیں۔  
مندرجہ بالا آیت اس مفہوم کی تاکید کرتے ہوئے کہتی ہے، جو کافر ہو گئے ہیں وہ یہ گناہ نہ کریں کہ ہم نے انہیں جو ہدایت دی ہے وہ ان کے فائدے میں ہے بلکہ انہیں ہدایت تو اس لیے دی جاتی ہے تاکہ وہ گنہگار سرکش میں اضافہ کریں اور ان کے لیے سزا کر دینے والا خدا ہے۔

دنیلؑ نے اسلام کی شیروان خاتون حضرت زینب کبریٰ علیہا السلام نے شام کی جابرہ و سرکھوت کے دربار میں سرکش و زید کے سامنے اپنے خلیے میں اسی آیت سے استدلال پیش فرمایا کہ زید نامی برگشتہ گنہگار کا واضح معنی اق تھا۔ خلیے میں آپ نے فرمایا: **تو آج فحش ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ چوڑھوئے وسیع و مرین دنیا ہم پر تلگ کر رکھی ہے اور آسمان کے کنارے کو ہم پر بند کر دیا ہے اور قیدیوں کی طرح ہمیں دیار بدیاد پھرا رہا ہے اس لیے یہ تیری قدرت و طاقت کی نشانی ہے اور یا خدا کے ہاں تیری قدر و منزلت ہے اور جاسے ایسے اس کے ہاں کوئی راہ نہیں۔ یہ سب تیرا شہادہ ہے۔ یہ توئی اور آزادی خدا نے تجھے اس لیے دی ہے تاکہ تیری پشت بارگاہ سے بھاری ہو جائے اور دردناک مذاہب تیرے نظر میں ہے۔ خدا کی قسم اگر حوادث زمانہ مجھے ایک قیدی عورت کی شکل میں تیرے پایہ تخت میں سے لے لے میں تو اس سے یہ خیال مت کر کہ میری نظریں تباری کوئی تھوڑی سی کمی بیشی یا تہ و توقعت ہے۔ میں تجھے چھوٹا، پست، بر ملا سے حقیر اور طاقت، سرزنش اور پشکار کا مستحق سمجھتی ہوں۔ جو کہ تجھ سے جو ملتا ہے کہ ہے۔ خدا کی قسم تو ہمارے نور کو خاموش نہیں کر سکتا۔ تو دبی جاؤ اور ہمارے تائین حق کو خاموش کر سکتا۔ تو نابود ہو جائے گا اور یہ تاجناک مسترد یونہی چمکتا رہے گا۔**

ایک سوال اور اس کا جواب

یہ سوال بہت سے ذہنوں میں موجود ہے کہ بہت سے سنگ گنہگار اور اناہودہ و امن لوگ اس طرح نعمات میں کیوں مستغرق ہیں اور



انہیں سزا کیوں نہیں تھی۔ زیر نظر آیت سے مننی حد پر اس کا جواب بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ ایسے لوگ ہیں جو تابعی، صلح نہیں اور انہیں سنت و فریض اور آزادی ارادہ و اختیار کے اصول کے مطابق ان کی حالت پر چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ یہ سقوط کے آخری مرحلے تک پہنچ جائیں اور زیادہ سے زیادہ سزا کے مستحق ہو جائیں۔

علاوہ ازیں قرآن کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض درجات خدا ایسے لوگوں کو فراہم نہیں دیتا ہے اور جب وہ کامیابی اور مسرت کی لذت میں فرق ہوتے ہیں تو ہر ایک تمام چیزیں ان سے چھین دیتا ہے تاکہ اسی دنیا میں زیادہ سے زیادہ عذاب اور سزا کا مزہ چکھ لیں کیونکہ ایک دم خوشحال زندگی کا چھن جانا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے، دنیا کا ارشاد الہی ہے:

فَلَمَّا هَمَّوْا بِمُخْرَاجِهِ فَفَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۖ فَخَرُّوا سُجَّدًا فَطَاعُوا ۚ

اِخْلُوعًا ۚ وَكَانَ أَهْلُ مِصْرَ

جب انہوں نے وہ نصیحتیں جو انہیں کی گئی تھیں فراموش کر دیں، تو ہم نے ہر اچھائی اور خیر کے دروازے ان کے لیے کھول دیے تاکہ وہ خوش ہو جائیں پھر ہر ایک جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا تھا واپس لے لیا لہذا وہ انتہائی تکلیف اور غم میں مبتلا ہو گئے۔

(انعام - ۳۹)

درحقیقت ایسے اشخاص ان لوگوں کی طرح ہیں جو عظم و تشدد سے کسی درخت پر چڑھ جاتے ہیں، وہ جتنا اوپر جاتے ہیں زیادہ خوش ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ درخت کی چوٹی پر جا پہنچتے ہیں۔ ہر ایک نعمت آمدنی آتی ہے جو انہیں اوپر سے نیچے گرتی ہے جس سے ان کی سب بٹیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔

## ایک ادبی نکتہ

آیت کی تفسیر میں ہم نے جو کچھ کہا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ لیزدادوا اشما میں لام عاقبت ہے نہ کہ لام فایت و اس کی وضاحت یہ ہے کہ بعض اوقات حرف لام عربی لغت میں ایسے موقع پر آتا ہے جو انسان کو مضرب و مطلب ہو۔ مثلاً

لَتُخْرِجَنَّ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ

ہم نے قرآن مجید کی طرف اس لیے بھیجا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکی سے روشنی کی طرف دعوت دو۔ (ابراہیم ۱)

واضح ہے کہ لوگوں کی ہدایت خدا کو مضرب و مطلب ہے۔ لیکن کسی لام حرف ایسی جگہ بھی استعمال ہوتا ہے جو انسان کی ہمت و غرض اور پسند نہ ہو بلکہ اس کے عمل کا نتیجہ ہو۔ مثلاً

لَيَكُونَنَّ لَهُمْ جَذَعٌ مُّؤْتَمِرَةٌ

فرعون کے ساتھیوں نے موسیٰ کو پانی میں سے اٹھایا تاکہ انہیں کامرواں کا دشمن ہو جائے۔ (قصص - ۸)

یہ بات مسلم ہے کہ فرعون کے ساتھیوں نے موسیٰ کو پانی میں سے اٹھایا تاکہ وہ کل کو ان کا دشمن ہو جائے لیکن یہ سب ان کے کام کا نتیجہ تھا۔ یہ دونوں تعبیری درصورت اویات عرب میں جگہ بآتی زبانوں میں بھی دکھائی دیتی ہیں۔

یہاں سے ایک اور سوال کا جواب بھی واضح ہو جاتا ہے کہ خدا نے کیوں کہا ہے کہ لیزدادوا اشما ہم پہلے ہیں کہ ان کے



مگر وہ زیادہ جوں پر یہ اعتراضی اس صورت میں جو سکتا تھا جب ہم "ہم ملت" جوتا اور یہ بدعت و غرض کے طور پر جوتا اور کام عاقبت کے طور پر نہ جوتا اور یہ نتیجہ کے لیے نہ جوتا۔ اسی بناء پر آیت کا معنی یوں ہو گا: ہم انہیں بہت دیتے ہیں۔ ان کا انجام یہ ہے کہ ان کی ہشت بارگاہ سے بوجھل ہو جائے۔ لہذا یہ آیت نہ صرف یہ کہ جبر کی دلیل نہیں بلکہ اختیار اور ارادے کی آزادی کی دلیل ہے۔

۱۷۹۔ مَا كَانَ لِلَّهِ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۚ وَمَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ فَأَمِينُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

ترجمہ

۱۷۹

ممكن نہ تھا کہ خدا مؤمنین کو اسی شکل میں چھوڑ دیتا جس میں تم ہو کر یہ کرنا پاک کو پاک سے جدا کر دے۔ نیز (یہ بھی) ممکن نہ تھا کہ خدا تمہیں غنی رازوں سے آگاہ کرے کہ اس طرح تم ظلم فحش کے ذریعے زمینیں اور منافقین میں تیز کرنے لگے۔ کیونکہ یہ طریقہ سنت الہی کے خلاف ہے۔ لیکن خدا اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے اس پر ایمان لے لے اور کچھ غنی رازوں پر انہیں مطلع کرتا ہے جو ان کی رہبری کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ پس (اب جب کہ یہ دنیا پاک اور ناپاک میں تیز کر کے لیے کشالی ہے) خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ اگر تم ایمان لے آؤ گے اور تم نے تقویٰ اختیار کر لیا تو تمہارے لیے اجر عظیم ہو گا۔

تفسیر

مسلمانوں کی تطہیر

ماخذ اُحد سے پہلے منافقین کا موضوع مسلمانوں میں زیر بحث نہیں آیا تھا اسی لیے وہ زیادہ تر کفار ہی کو اپنا دشمن سمجھتے تھے لیکن اُحد کی شکست کے بعد بچے مسلمانوں کی وقتی کمزوری اور منافقین کی کارکردگی کے لیے زمین ہوا ہو جانے پر انہیں سمجھایا گیا کہ ان کے "دشمنی نظر" انہیں میں ہی پرکڑی نگاہ رکھنا پڑے گی۔ یہ خطرناک دشمن منافق تھے۔ جنگ اُحد کے نتائج میں سے یہ ایک بہتر نتیجہ تھا۔

زیر نظر آیت جو اس مقام پر لاقدا اُحد کے سلسلے کی آخری آیت ہے اس حقیقت کو ایک عمومی قانون کی صورت میں بیان کرتے ہوئے کہتی ہے: مَا كَانَ لِلَّهِ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ — ممکن نہیں کہ خدا منافقین کو اسی حالت میں رہنے دے جس میں تم ہو اور ان کی تطہیر نہ کرے "در طیب کو خبیث سے متاثر نہ کر دے۔ یہ حکم سب کے لیے

ایک جیسا اور عمومی ہے۔ پروردگار کی ایک داخلی سنت ہے کہ جو شخص ایمان کو دعویٰ کرے اور سماعتوں میں مل جل کر رہنے لگے اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ کوئی خارجی غلطی آئے یا دشمنوں سے آزار نہ ملے۔ اس کے بعد وہی راز فاش ہو جائیں گے۔

مگر تنہا یہاں یہ سوال کیا جاتا اور بعض روایات کے مطابق کچھ سنانوں نے ایسا سوال کیا بھی کہ وہ خدا جو رب کے معنی اس طرح سے آگاہ ہے اس کے لیے کیا حادثہ ہے کہ وہ لوگوں کو ان کی کیفیت سے آگاہ کرے اور علم غیب کے ذریعے مومن اور منافق میں تمیز کر دے؟

آیت کا دوسرا حصہ اسی سوال کا جواب ہے جس میں فرمایا گیا ہے: **وَمَا كُنَّا لَنُفْلِحَ لَكَ عَلَى الْغَيْبِ**۔ یعنی خدا تمہیں پوشیدہ راز اور علم غیب نہیں دے گا کیونکہ معنی اسرار پر آگاہی عام لوگوں کے خیالات کے برعکس شکل کو مل نہیں کرتی بلکہ بہت سے مواقع پر رازوں کے حیاں جو جانے سے ہر خارج کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اجتماعی گرو میں کھل جاتی ہیں آئینہ کے چراغ منجمد جاتے ہیں اور عام لوگ سبھی دکاوش چمڑ بنیتے ہیں۔

سب سے بہر بات یہ ہے لوگوں کی قدر و قیمت کا تعین ان کی کارکردگی کے حوالے سے ہونا چاہیے کسی اور طریقے سے نہیں بلکہ اس کے بعد مذکورہ حکم سے انبیاء اپنی کماستثناء یوں بیان کیا گیا ہے: وَلٰكِنْ هَلْ يَبْعَثُ مِنْ رَسَلِهِ مَنْ يَشَاءُ۔

فما جب چاہتا ہے اپنے پیغمبروں میں بعض کو منتخب کرتا ہے اور لاتناہی علم غیب کے کسی گوشے سے انہیں مطلع کر دیتا ہے اور لوگوں کے ایسے سراپا کی انہیں خبر دیتا ہے جس سے ان کی رہبری کی تحکیم کیے ضروری ہوتی ہے۔ لیکن میرا حال کلی دعویٰ اور دائمی قانون یہی ہے کہ لوگوں کی پہچان کا آئینہ ان کے اعمال ہی میں۔ اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر ذاتی طور پر عالم غیب نہیں ہوتے نیز یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ خدا کے عطا کردہ علم کے ذریعے بعض غیبی امور سے آگاہ ہوتے ہیں۔ بلکہ اچھا ایسے افراد ضروری ہیں جو غیب سے آگاہ ہوتے ہیں اور وہ کس قدر آگاہ ہیں یہ بات خدا کی شہادت والہستہ۔

کہے بغیر واضح ہے کہ اس آیت میں بھی مشیت سے مراد دیگر آیات کی طرح وہی ارادہ ہے جس میں حکمت و صلت کا فرما ہوا ہے۔  
یعنی خدا ہے اہل جنت سے اور اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے اسے مراد فیہ سے اگلا کر دیتا ہے۔

فَامِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَاِنْ تَوَلَّوْا يَتَخَذُوا كُرْسٰى عَظِيْمًا

آیت کے آخر میں یہ بات ذہن نشین کر دینی چاہیے کہ یہ زندگی ایک آزمائش ہے، اس میں پاک اور ناپاک کو جدا جدا کر دیا جاتا ہے اور مومن و منافق میں تمیز کی جاتی ہے تو پھر تم اس آزمائش کی کھالی سے بھی طرح سے نکل آؤ اور خدا اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لے آؤ لیکن صرف ایمان لےنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ فرماتا ہے: اگر ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو عظیم اجر و ثواب تمہارے انتظار میں ہے۔

آیت میں یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ مومن کو طیبہ پاکیزہ قرار دیا گیا ہے۔ جم جانتے ہیں پاکیزہ اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنی پہلی خلقت پر برقرار رہے اور خارجی چیز میں اسے نجاست اور ناپاک رکھ دیں۔ پاکیزہ پانی، پاکیزہ کپڑا اور دیگر مشیاء شب پاکیزہ میں جب انہیں خارجی الودگی کے عوامل نہ لگیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان انسان کی پہلی فطرت ہے۔

۱۰۔ ونبطلونکم بشیئ من الخوف وطمع۔ (مترجم۔ وہاں کی تغیر میں خدا کی آیتوں کے ترک سے میں اس بات کا تخیلی جائزہ دیا ہوا ہے کہ خدا کی آیتیں ایک طرح کی حریمیت ہیں مگر خدا ان کے ذریعے علم حاصل کرتا ہے۔ مزید وضاحت کے لیے مذکور آیت کی تفسیر دیکھئے۔





۱۸۰۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا  
لَهُمْ ذَلِيلٌ هُوَ شَرُّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ  
خَبِيرٌ ۝

ترجمہ

۱۸۰۔ جو بخل کرتے ہیں اور خدا نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ دیا ہے خرچ نہیں کرتے وہ یہ گمان نہ کریں کہ یہ ان کے لیے  
کوئی اچھی چیز ہے بلکہ یہ ان کے لیے بڑی چیز ہے۔ بہت جلدی روز قیامت جن کے بارے میں انہوں نے بخل کیا  
وہی چیزیں طوق کی طرح ان کی گردن میں ڈال دیں گے اور آسمانوں اور زمین کی میراث خدا کے لیے ہے اور جو کچھ  
تم انجام دیتے ہو خدا اس سے آگاہ ہے۔

تفسیر

قید و بند کا بھاری طوق

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ

زیر نظر آیت میں قیامت کے دن بخیلوں کے انجام کی وضاحت کی گئی ہے۔ بخیل جو بخل جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور دولت و ثروت  
کی حفاظت میں کوشاں رہتے ہیں لیکن اسے بند گان خدا پر خرچ کرنے سے اجتناب کرتے ہیں۔

آیت میں اگرچہ واجب مال حقوق کا نام نہیں لیا گیا لیکن روایات اہل بیت میں اور اقوال فضیلین میں اسے مانعین زکوٰۃ سے مخصوص قرار  
دیا گیا ہے اور آیت میں اس قدر شدت و کثافت دینی ہے وہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے مراد مستحب انفاق اور خرچ کرنا نہیں ہے  
فرمایا گیا ہے: جو لوگ بخل کرتے ہیں اور خدا نے جو اپنے فضل و کرم سے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ نہیں کرتے وہ یہ گمان نہ  
کریں کہ یہ ان کے نفع میں ہے بلکہ یہ تو ان کے نقصان میں جا پڑتا ہے۔ پھر قیامت میں ان کے انجام کا تذکرہ ہے: سَيُطَوَّقُونَ مَا  
بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ جن ہموال میں وہ بخل کرتے ہیں بہت جلد انہیں طوق بنا کر ان کی گردن میں ڈال دیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مال سے واجب حقوق اور انہیں کیے گئے اور معاشرے کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ انفرادی ہونے  
کی نذر ہو گیا ہے اور بعض اوقات اجتماع امور میں خرچ ہو گیا ہے اور یا بلا وجہ سے جمع کر کے رکھ دیا گیا اور اس سے کسی نے فائدہ نہیں



اشیاء اور دیگر اہل انسانی کی طرح جسم و احوال کے قانون کے مطابق روز قیامت جسم ہوگا اور روح ناک صورت عذاب کا ذریعہ بن کر اٹھے گا۔  
ایسا مال طوق کی شکل میں جسم ہوگا اور گردن میں ڈالا جائے گا۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان اس کو تمام تر بوجھ اٹھانے کا ذمہ دار ہے اگرچہ اس نے اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا ہو۔ وہ زیادہ مال جو جنوں کی مدد کو کشتی سے جمع کیا جائے اور اس کی حفاظت کی جائے مگر وہ معاشرے کی خدمت کے لیے نہ ہو وہ اپنے مالک کے لیے زنجیر اور زندان کے سوا کچھ نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے مال سے یقیناً مددگار بنے گا جتنا ہے لیکن مدد سے گزر جائے تو ایک طرح کی قید اور بے کار بوجھ کے سوا اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہوگا کہ اس کی روحانی برکات سے فائدہ حاصل کیا جائے اور اسے مثبت کاموں پر خرچ کیا جائے۔ ایسا مال فقط روز قیامت اپنے مالک کے لیے ایک بیماری طوق بنے گا بلکہ اس دنیا میں بھی یہ ایسا ہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ فرق ہے کہ قیامت میں آشکار ہوگا اور اس دنیا میں انتہائی مخفی ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر جنوں اور حماقت کی ہوگی کہ انسان مال کے سبب کتاب، حفاظت اور بچاؤ کے لیے درکار زمینیں اور گھنٹیں اٹھانے کے علاوہ مال حاصل کرنے کی بہت سی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کندھے پر اٹھائے لیکن اس سے اسے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔  
کیا قید و بند کا طوق اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہے؟

تفسیر مباحثی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

”مَنْ خَصَّ بِأَهْلِهِ مَالًا كَثِيرًا فَهُوَ كَالْغَنِيِّ فِي مَالِهِ كَوْنًا كَوْنًا“

”جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا خدا اس مال کو آگ کے طوقوں میں بدل دے گا۔ اس کے بعد کہا جائے گا۔

”یہ بات ثابت تو ہے کہ آیت میں مال کو مانتھہ اللہ من فضله کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام اسباب اور دولت کے پیداوار میں ذرائع کا مقصد مالک خدا ہے۔ جو کچھ کسی کو دیا گیا ہے یہ اس کا فضل و کرم ہے۔ اس لیے یہ گنجائش نہیں کہ کوئی شخص اس مال و دولت کو مالک حقیقی کی راہ میں خرچ کرنے سے منکر ہو۔ بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ اس جملے کا مستلزم عام ہے اور اس میں تمام نعمات الہی شامل ہیں۔  
کہ علم و دانش بھی شامل ہے لیکن یہ احتمال آیت کے ظاہری معانی پر مبنی نہیں ہوتا۔

اس کے بعد آیت ایک اور نکتے کی طرف اشارہ کرتی ہے: ”وَلِيْلَهُ مِيرَاثُ الْمَسْكُوٰتِ وَالْمَرْحُومِ“۔ یعنی یہ مال داد و خیر اور جہاد گاہ خدا کے لیے خرچ ہو یا نہ ہو آخر کار اپنے مالکوں سے بچا ہو جائے گا اور خدا تمام آسمانوں اور زمین کی دولتوں کا وارث ہے۔ جب ایسا ہی ہے تو پھر کیا ہی اچھا ہے کہ ان اموال کے جدا ہونے سے پہلے ان کی معنوی اور روحانی برکات سے فائدہ اٹھایا جائے۔  
ذکر الھی حسرت اور ذمہ داری کا بوجھ اٹھایا جائے۔

آیت کے آخر میں ارشاد ہے: ”فَلَا تَتَّبِعُوا مَنَّا مَنَّا“۔ بغل کر گئے تو بھی وہ جانتا ہے اھا اگر انسانی معاشرے کے منا میں سے کاہن لاؤ گے تو بھی اسے معلوم ہے اور وہ ہر شخص کو اس کے سبب مل اجڑے گا۔ ”وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ“۔

۱۸۱۔ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ  
سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْآيِبِيَاءُ بِغَيْرِ حَقٍّ ۖ وَنَقُولُ ذُوقُوا  
عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝



۱۸۷۔ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيْدِيَكُمْ وَاَنْ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلّٰمٍ لِّلْعَبِيدِ ۝

ترجمہ

۱۸۱۔ خدا نے ان لوگوں کی بات سنی ہے جو کہتے ہیں کہ خدا فقیر ہے اور غنی ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کبار یہ ہم لکھ لیں گے اور اسی

طرح ان کا پیغمبروں کو تاقی قتل کرنا بھی (ہم نے لکھ رکھا ہے اور ہم انہیں کہیں گے کہ جلائے والا عذاب چکھو)۔

۱۸۲۔ یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی آگے بھیجی ہوئی کائی ہے اور خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

شان نزول

یہ آیات یہودیوں کی سرزنش کے لیے نازل ہوئی ہیں۔

ابن عباس کہتے ہیں:

پیغمبر اکرم نے بنی قینقاع کے یہودیوں کو خط لکھا۔ اس میں انہیں غنا زاد کہنے، زکوٰۃ دینے اور خدا کو قرض ٹھینے کی دعوت دی گئی۔

اس خط کا مقصد اس گھری گیا جو یہودیوں کی مذہبی تعلیم و تدریس کا مرکز تھا اس کا نام بیت المدارس تھا۔ قاصد نے یہ خط یہودیوں کے سب سے بڑے عالم فحاش کے ہاتھ میں دیا۔ اس نے خط پڑھنے کے بعد غصہ پیچھے میں کہا: اگر تمہاری باتیں سچی ہیں تو پھر یہ کہنا چاہیے کہ خدا فقیر ہے اور ہم غنی ہیں کیونکہ اگر وہ فقیر نہ ہوتا تو ہم سے قرض کی خواہش نہ کرتا بلکہ بلا وہ از ہی محمد (ص) کا اعتقاد ہے کہ خدا نے تمہیں سود کھانے سے منع کیا ہے حالانکہ وہ خود تمہارے اتفاق اور فرما کرنے کے بعد رہا اور سود کا وعدہ کرتا ہے۔

بعد میں فحاش نے یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ اس نے یہ باتیں کہی ہیں۔ اس موقع پر آیات نازل ہوئیں۔

پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے: خدا نے یہودیوں کی کفر آمیز باتیں نہیں سنی۔ وہ کہتے تھے کہ خدا فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ اب گروہ وگوں کے سامنے انکار کرتے ہیں مگر خدا کے سامنے تو انکار نہیں کر سکتے کہ وہ سب باتوں کو سنتا ہے، وہ آواز کی ان کمزور ترین اور قوی ترین سب لہروں کو سنتا ہے جن کے لہراک سے انسانوں کے کان عاجز ہیں (لنسمع اللہ قول الذین قالوا ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء)۔ اس لیے ان کا انکار کرنا فضول ہے۔

۱۔ خدا کو قرض دینے سے مراد ماہ خدایں خرچ کرنا ہے۔ یہاں قرض کا لفظ انسانوں کے جذبات کو متحرک کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

۲۔ یا شاذ ہے آیت من یقرض اللہ قرضاً حسناً کی طرف۔ (مدید - ۱۷)

۳۔ آیت یرجعوا الی الصدقات کی طرف اشارہ ہے۔ (مجموعہ - ۳۸۷)

۴۔ اسباب التفریط از واقعی، صفحہ ۷۰ اور تفسیر روح البیان زیر بحث آیات کے ذیل میں۔



اس سے مزید فرمایا: مستکب ہا قتالوا۔ یعنی نہ صرف یہ کہ ہم ان کی باتیں سنتے ہیں ان سب کو کھٹے بھی ہیں۔ واضح ہے کہ کھٹنے سے مراد ہماری طرح کاغذ پر کھٹنا نہیں ہے بلکہ مردانہ عمل کی حفاظت کرنا ہے۔ قانون بقائے مادہ کی ترمیم کے مطابق مادہ ختم نہیں ہوتا لیکن توانائی (ENERGY) میں بدل سکتا ہے اور یوں باقی رہتا ہے۔ اسی طرح قریشکین خدا کا کھٹنا بھی حفاظت عمل کی ایک قسم ہے جو ہر قسم کی کتابت سے بالاتر ہے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ ان کی کفریہ باتوں ہی کو نہیں کھتا بلکہ وہ جو انبیاء و مرسلین کو قتل کرتے رہے ہیں اسے بھی ثبت کیا گیا ہے (وَقَتْلَهُمُ الْاَفْجَاکَہُ)۔ یعنی یہودیوں کی طرف سے انبیاء کا مقابلہ کرنا اور ان کے سامنے صاف آراء ہونا کوئی نئی چیز نہیں یہ پہلی مرتبہ کسی پیغمبر کو مذاق نہیں اڑا رہے بلکہ اپنی طریق تاریخ میں ایسے بہت سے جرائم کا ارتکاب کر چکے ہیں۔ وہ لوگ کہ جن کی جہالت اس حد تک پہنچ گئی تو کہ وہ انبیاء کو قتل کر دیں ان کے لیے کوئی تعجب کی بات ہے کہ وہ ایسی کفرانیز باتیں اپنی زبان پر لائیں۔

مگر یہ کہ جیسے کہ قتل انبیاء کا تعلق پیغمبر اسلام کے زمانے سے تو نہیں تھا لیکن جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ یہ نسبت اس بناء پر ہے کہ وہ اپنے بڑوں کے کاموں پر راضی تھے۔ اس لیے اس جواب دہی میں خریک تھے۔

باقی رہا ان کے اعمال ثبت کیے جانے اور ان کے اعمال کی نگرانی کا مسئلہ تو یہ ہے وجہ نہیں ہے بلکہ یہ تو اس لیے ہے تاکہ دنیا میں سب ان کے سامنے رکھ دیا جائے اور ہم ان سے کہیں کہ اس وقت اپنے اعمال کا نتیجہ ملانے والے نذاب کی شکل میں چکھو اور بقول ذوقوا عذاب المحریق)۔

یہ دردناک نذاب جس کی اس وقت تم محض چکھ رہے ہو خود تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ تم ہی تھے جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ خدا کو کسی پر ظلم نہیں کرے گا ذلک بما قعدت ایدیکم و ان الله لیس بظلام للعبید۔۔۔ اصولی طور پر اگر تم جیسے ظالم اپنے اعمال کا بدلہ نہ پاؤ گے اور وہ بھی نیک لوگوں کی صف میں کھڑے کیے جائیں تو یہ انتہائی ظلم ہے اور اگر خدا ایسا نہ کرے تو وہ ظالم یعنی بہت زیادہ ظلم کرنے والا ہو گا۔ بیچ ابلاغ میں حضرت امیر المؤمنین علی سے منقول ہے:

وایمر الله ما کان قوم قط فی خبیث نعمۃ من هیش خزال عنہم الا بذنوب

اجتہحوھا لان الله لیس بظلام للعبید۔

خدا کی قسم نعمت یا فوگرو سے اس وقت تک نعمت نہیں چھینی گئی جب تک وہ گناہوں کا مرکب نہیں ہوا۔

(اس کے بعد امام علیہ السلام نے قرآن کو یہی جملہ بعد سنہ پیش کیا کہ) لان الله لیس بظلام للعبید۔ (کیونکہ خدا

اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا اور کسی نعمت کے بل شخص سے نعمت طلب نہیں کرتا)۔

یہ آیت ان آیات میں سے ہے جو ایک طرف سے جبروں کے مذہب کی نفی کرتی ہیں اور دوسری طرف انفعال کے معاملے میں ملامت کا عمومی اصول بیان کرتی ہیں۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ زیر نظر آیت مراحمہ سے کہتی ہے کہ خدا کی طرف سے ہر سزا اور اجر ان اعمال کی بر سے ہے جو لوگ اپنے قصدا و ارادے سے انجام دیتے ہیں۔ ذلک بما قعدت ایدیکم یعنی یہاں کاموں کے سبب ہے جنہیں تمہارے ہاتھ لگے ہیں چکے ہیں یہ

ما شہد بہ منہم آئمہ



دوسری طرف زیر بحث آیت صراحت سے کہتی ہے کہ خدا کبھی غم نہیں کرتا اور اس کی سزا کا قانون عدالت مطلق کے محور کے گرد گردش کرتا ہے۔ حد پر اسی چیز کا اکتہ تو رکھتے ہیں۔ شیعہ اور اہل سنت کا ایک گروہ جسے معطل کہتے ہیں۔ عدل کے قائل ہیں۔ ان کے مقابلے میں اہل سنت کا دوسرا گروہ جسے شاعر کہتے ہیں۔ اس کا اس سلسلے میں عجیب و غریب عقیدہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اصولی طور پر خدا کے بارے میں علم کا تصور ہی نہیں ہو سکتا اور وہ جو کام انجام دے میں بہت سبب یہاں تک کہ اگر تمام نیک لوگوں کو جہنم میں اور تمام ظالموں کو بہشت میں لے جائے تو بھی اسی نے کوئی علم نہیں کیا اور کوئی شخص اس میں چوں و چرا نہیں کر سکتا۔

زیر نظر آیت میں ایسے عقائد کو قطعی طور پر رد کر دیا گیا ہے۔ آیت کہتی ہے کہ اگر خدا کچھ افراد کو خطا کام کیے بغیر سزا دے تو وہ ظالم بلکہ ظلام ہو گا۔ لفظ ظلام بالذکر کا معنی ہے جس کا معنی ہے بہت غم کرنے والا۔

خدا تو کم سے کم علم نہیں کرتا پھر عباد اس لفظ کا استعمال شاید اس بناء پر ہو گا کہ وہ لوگوں کو کفر و کفر سے اور برے کاموں پر ابھارنے والے اور ان میں پیدا کرے پھر ان اعمال کے جرم میں جو انہوں نے مجبوراً انجام دیے ہیں انہیں سزا دے تو یہ جھوٹا نام نہیں ہو گا بلکہ اس طرح تو وہ ظلام و بہت زیادہ غم کرنے والا ہی قرار پائے گا۔

۱۸۳۔ اَلَّذِينَ قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ عِندَ اِلَيْنَا اَلَا نُوْمِنُ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَأْتِيَنَا  
بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهٗ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ  
بِالذِّمِّ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝  
۱۸۴۔ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوْا بِالْبَيِّنٰتِ وَالذُّبْرِ  
وَ الْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝

ترجمہ

۱۸۳ (یہ وہی) ہیں جنہوں نے کہا کہ خدا نے ہم سے بیان کیا ہے کہ ہم کسی پیغمبر پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ دھجڑہ کے بلے پر ایسی قربانی نہ کرے جسے (آسمانی) آگ کھا جائے۔ ان سے کہیے کہ پھر تم نے مجھ سے پہلے آنے والے انبیاء کو کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو جیکر وہ واضح دلائل اور جو کچھ تم کہتے ہو سہے کر آئے تھے۔

۱۸۴۔ پس اگر یہ (دیہانت تراش) تیری تکذیب کرتے ہیں (تو یہ کوئی نئی بات نہیں) یہ تم سے پہلے پیغمبروں کی (بھی) تکذیب کی جگہ

ما شبہ از صفہ مابقتہ لہ افعال کی نسبت۔ افعال کی طرف اس لیے دی گئی ہے کہ یہ تکذیب اکثر کام باتوں سے انجام پاتے ہیں لیکن یہ حکم ہاتھ کے اعمال سے مخصوص نہیں اسی لیے تو کہتے ہیں کہ ظالم کو اس کے ہاتھ سے انجام پایا ہے مگر ہو سکتا ہے کہ کام میں اس کے ہاتھ کا کوئی دخل نہ ہو۔



ہیں جبکہ وہ (پیغمبر) واضح دلائل، متین دلائل تحریری اور ضامش کتاب لائے تھے۔

## شان نزول

یہودیوں کے چند سرکردہ افراد پیغمبر اکرم کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے ہم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ خدا نے تمہیں ہماری طرف سے بھیجا ہے اور تم پر کتاب بھی نازل کی ہے مگر خدا نے تو رات میں ہم سے یہ جہاد لیتے کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے ہم اس پر ایمان لے آئیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ ہمارے سامنے ایک جانور کی قربانی کرے اور آسمان سے اگ سے جوڑے جلاوے، اگر تم ایسا کر دکھاؤ تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔

اس پر مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں۔

## تفسیر

### یہودیوں کی بہانہ تراشی

الذین قالوا انت الله عهد الینا.....

قبول اسلام سے پہلے کے یہودیوں کی عجیب و غریب بہانے ملتے تھے۔ ان میں سے ایک کی طرف زیر نظر آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ کہتے تھے خدا نے ہم سے جہاد لیتا ہے کہ ہم کسی پیغمبر کی دعوت اس وقت تک قبول نہ کریں جب تک وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی نہ کرے جسے آسمان سے آگ لگنا چاہیے۔

مفسرین کہتے ہیں یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ انبیاء الہی اپنی حقانیت ثابت کرنے کے لیے لازمی طور پر اس مخصوص جہاد کے حامل تھے جس کو وہ جانور ذبح کرتے ہیں اور آسمانی پہلی کے ذریعے وہ لوگوں کے سامنے مل جاتا ہے۔

یہودی یہ فرمائش اگر اتفاقاً ایک جہاد کے لیے کرتے ذکر بیٹ احمدی اور بہاد مذہبی کے طور پر تو ایک بات قطعی لیکن اگلی جہاد تاریخ اور پیغمبر اسلام سے ان کی کشمکش واضح طور پر یہ حقیقت ثابت کرتی ہیں کہ ان کا مقصد ہرگز تحقیق حق نہ تھا بلکہ وہ معاشرتی دباؤ اور واضح قرآنی استدلال سے فرار کے لیے نئی تجویزیں پیش کرتے رہتے تھے اور اگر ان کی کوئی تجویز زیر عمل بھی جاتی تب بھی وہ ایمان نہیں لاتے تھے۔ وہ تو اپنی کتب میں پیغمبر اسلام کی سب نشانیاں پڑھ چکے تھے پھر بھی قبول حق سے گریزاں تھے۔

قرآن ان کے جواب میں کہتا ہے: قل قد جاء کمرسل من قبل بالبینات وبالذی قلتم فقلتم فقلتموہم ان کمنتموہم قین۔ یعنی ان بہاد تراشیوں کے جواب میں ان سے کہیے کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل کے کئی انبیاء آئے، وہ اپنے ساتھ واضح نشانیاں بھی لے کر یہاں تک کہ انہوں نے اس مرتے قربانی بھی تمہارے سامنے کی، اگر تم سے ہر تو پھر ان پر ایمان کیوں نہیں لائے اور انہیں کیوں قتل کیا؟ حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور چند دیگر انبیاء بنی اسرائیل کی طرف اشارہ ہے جن کے باوجود قتل ہو چکے تھے۔





بعض متاخرین تفسیر نگار حضرات مثلاً تفسیر انوار کے مؤلف قربانی کے سنیے کے بارے میں ایک اور احتمال ذکر کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ کوئی جانور ذبح ہو اور لگ بھگ اڑھائی گھنٹہ پر تھما لیں اسے آگ سے جلادے بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ ان کے مذہبی احکامات میں قربانی کی ایک قسم مل ہوئی قربانی کی تھی۔ اس کے مطابق وہ ایک جانور ذبح کرتے تھے اور خاص رسوم کے مطابق اسے لگ بھگ دیتے تھے ان مراسم کی تفصیل کومات سفرہ بیان کی پہلی فصل میں موجود ہے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ خدا نے ہم سے عہدے لکھتے کہ ملی ہوئی قربانی کا یہ حکم ہر آسمانی دین میں ہو گا اور جو حکم دین اسلام میں یہ نہیں ہے بلکہ ہم تم پر ایمان نہیں دیتے۔

لیکن یہ احتمال تفسیر آیت میں بہت بعید ہے کیونکہ نقل تو اس لفظ کا مطلب بینات پہ ہے کہ ان کا مقصد ایک مجوزہ کام ہے جو کہ اس تفسیر چمٹتی نہیں ہوتا دوسرا یہ کہ ایک جانور ذبح کر کے جلادینا ایک ضلّ کا کام ہے اور ایسا کام انبیاء کے لئے جوئے آسمانی احکامات میں سے نہیں ہو سکتا۔

فان كذبوك فقد كذب رسول من قبلك

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کا تسلی دیتا ہے اور ان کی دہرائی کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ آپ کی باتیں نہیں مانتے تو آپ پریشان نہ ہوں کیونکہ ایسا پہلے بھی بہت دفعہ ہو چکا ہے۔ آپ سے پہلے کئی پیغمبر آئے ہیں جن کی انہوں نے تکذیب کی ہے۔

جلو اہا البینات والزبور والکتاب المنیر

بلکہ ان انبیاء کے پاس واضح نشانیاں بھی تھیں، وہ انکار جو جسے بھی دیتے تھے البینات، حکم و بلند مرتبہ کتب بھی ان کے پاس تھیں (الزبور) اور وہ ضیاء بخش کتابوں کے بھی حامل تھے (الکتاب المنیر) جو توجہ دہے کہ زبور، زبور کی جمع ہے جس کا معنی ہے یہی کتاب جو استحکام و پرنگی سے کسی نئی جو کوئی جویرہ اور دراصل کھنے کے معنی میں ہے لیکن اس سے ہر طرح کا کھنا مراد نہیں بلکہ ایسا کھنا جس میں استحکام ہو۔ ہائی رہی یہ بات کہ "الزبور" اور "المنیر" میں کیا فرق ہے، جبکہ دونوں ان الفاظ کتاب کے بارے میں ہیں تو ممکن ہے یہ اس وجہ سے ہو کہ پہلے لفظ ان انبیاء کی کتب کے بارے میں جو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے اور دوسرا لفظ تو اوتار انجیل کے بارے میں ہو کیونکہ قرآن نے سورہ مائدہ آیت ۴۴ میں ان کے لیے لفظ "نور" استعمال کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

انا انزلنا التورۃ فیہا ہدی و نور

اور دوسری آیت ہے:

واقتنوا الانجیل فیہ ہدی و نور

بعض مغزین کا خیال ہے کہ زبور آسمانی کتب کے صرف اس حصے کو کہتے ہیں جو وحی نصیحت پر مشتمل ہو لیکن آسمانی کتاب یا کتاب میر کتب کے ان اصول کہتے ہیں جن میں انفرادی و اجتماعی قوانین ہوں (جیسا کہ موجودہ زبور جو حضرت داؤد کی طرف نصیحت میں بھی دھلا نصیحت ہی ہے)۔

۱۸۵۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ وَإِنَّمَا تُوَفُّونَ أَجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۚ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝



ترجمہ ہر شخص موت کا ذائقہ چکھتا ہے اور تم روز قیامت اپنا اجر مکمل طور پر حاصل کرو گے جس جو لوگ جہنم کی آگ کی زد سے دور رہے اور بہشت میں داخل ہو گئے وہ سعادت سے بہکنار ہوئے اور حیات دنیا سرمایہ فریب کے سوا کچھ نہیں۔

تفسیر

### موت کا اٹل قانون

مناہضین اور بے ایمان لوگوں کی بہت دھرمی کے تذکرے کے بعد اس آیت میں موت کے عری قانون کا تذکرہ ہے اور قیامت میں لوگوں کے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تاکہ اس سے پیغمبر اکرمؐ اور مومنین کی دلجوئی بھی ہو جائے اور گناہ پیشہ منافضین کو تنبیہ بھی پہنچے تو آیت میں ایک ایسے قانون کا تذکرہ ہے جو اس عالم کے تمام زندہ موجودات پر حاکم ہے۔ فرمایا: تمام زندہ چیزیں چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے ایک دن موت کا مزہ چکھیں گی (کل نفس ذائقۃ الموت)۔

اگرچہ بہت سے لوگ چاہتے ہیں کہ وہ یہ بھول جائیں کہ وہ فنا پذیر ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر ہم اسے طرغوش بھی کریں جب بھی وہ ہمیں نہیں بھلائے گی۔ اس دنیا کی زندگی آخر کار ختم ہو جائے گی اور ایک دن ایسا آئے گا جب موت ہر شخص کی تلاش میں آئے گی اور ہر ہموں اس جہان سے رخصت سفر باندھنا پڑے گا۔

اس آیت میں "نفس" سے مراد جسم و جان کا مجموعہ ہے اگرچہ بعض اوقات قرآن میں "نفس" صرف روع کے لیے استعمال ہوا ہے۔ چکھنا یہاں احساس کامل کی طرف اشارہ کر رہا ہے کیونکہ بعض اوقات انسان کوئی غذا اٹکھتے دیکھتا ہے یا دھتے سے چھوٹا ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی مکمل احساس پیدا نہیں کرتا لیکن چکھنے سے مکمل احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ گویا اگر غفلت میں بالآخر موت ہی ہر موجود زندہ کے لیے ایک طرح کی غذا ہے۔

و انما تنفون اجور کمر یوم القیامۃ

پھر فرمایا کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد جنا و سزا کا مہل شروع ہوتا ہے۔ یہاں مل ہے جہاں کے بغیر اور وہاں جہاں ہے عمل کے بغیر۔ تنفون کا معنی ہے مکمل وصولی یہ عقد نشانہ ہی کرتا ہے کہ روز قیامت انسان کو پورے طور پر جزا دی جائے گی۔ اس بنا پر اس میں کوئی نفع نہیں کہ عالم برزخ میں بھی انسان اپنے اعمال کے کچھ نتائج اور جزا کا سامنا کرے گا کیونکہ برزخ کی جزا و سزا مکمل نہیں ہے۔

فمن ذخر عن النار و ادخل الجنة فقد فاز۔

”ذخر“ کا اصل معنی ہے انسان کا اپنے تئیں کسی چیز کی قوت کشش سے بہت تامل نہ کرنا اور ”فاز“ کا اصل معنی ہے نجات اور محبوب بلکہ مائی ہو۔

زیر نظر جگہ میں فرمایا گیا ہے جو لوگ آتش جہنم کے دائرہ کشش سے دور ہوں گے اور بہشت میں داخل ہوں گے وہ نجات یافتہ



بول گئے اور اپنے محبوب و مطلوب کو پا لیں گے۔

گویا دوزخ اپنی پوری قوت سے انسانوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور پھر تو یہ ہے کہ جو عوامل انسان کو دوزخ کی طرف کھینچتے ہیں ان میں عجیب و غریب قوت جذب موجود ہوتی ہے۔ یہی تیز رو ہوس رانیاں وغیرہ شروع جنسی لذتیں، جاہ و منصب اور ناچار دولت و ثروت انسان کے لیے قوت جاذبہ نہیں رکھتیں؟

اس تبصرے ضمنی طور پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر لوگ کوشش نہ کریں اور ان پر غریب عوامل کی قوت جاذبہ سے دور نہ ہوں تو آہستہ آہستہ ان کی طرف کھینچے جائیں گے۔ لیکن جو لوگ تعلیم و تربیت کے ذریعے اپنے اوپر تدریجاً کنٹرول پالیتے ہیں ان نفس مطمئنہ کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو وہ حقیقی نجات یافتہ لوگوں میں شمار ہوتے ہیں اور اسی واسطے ان کا لطف اٹھاتے ہیں۔

وما الحیوة الدنیا الا متاع العسور

یہ جگہ شریعت بحث کی تکمیل کرتا ہے۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ حیات دنیا تو فقط غرور کمینہ متاع ہے۔ یہ زندگی اور اس کے مرکز و عوامل دور سے بہت پر غریب ہیں لیکن جب انسان اسے پالتا ہے اور اسے قریب سے چھو رہا ہے تو عملی طور پر اسے اندر سے غافل و غیور نظر آتی ہے اور متاع غرور کا بھی پس بھی منہوم ہے۔

ملاحظہ فرمائیے مادی لذتیں دور سے تو خالص دکھائی دیتی ہیں لیکن جب انسان ان کے قریب جاتا ہے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ یہ طرح طرح کے رنج و اہم سے آلودہ ہیں۔ یہ بھی مادی دنیا کے فریبوں میں سے ایک فریب ہے۔ اسی طرح مومن انسان ان کے غنا پذیر سی کی طرف بھی تو جھنسن کرتا لیکن بہت جلد اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کس قدر جلدی زائل اور فنا ہونے والی ہیں۔

یہ تبصیرات قرآن و احادیث میں بار بار آئی ہیں اور ان سب کا بہت ایک ہی ہے کہ انسان عالم مادیہ اور اس کی لذات کو اپنا آفری بہت و مقصد قرار نہ دے کیونکہ اس کے نتیجے میں تو انسان طرح طرح کے جرائم اور گنہوں میں غرق ہو جاتا ہے اور انسانی کمال اور تقاد کی حقیقت سے دور ہو جاتا ہے لیکن مادی دنیا اور اس کی نعمات سے اس حواس سے استفادہ کرنا کہ یہ تکمیل بشریت کا ذریعہ میں نہ صرف مذہب و قبیح نہیں بلکہ لازم اور ضروری ہے۔

۱۸۴۔ لَتَبْلُوْنَ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذٰی كَثِيْرًا ۚ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْر ۝

ترجمہ

۱۸۴۔ یہ طے شدہ ہے کہ تمہارے اموال اور تمہاری جانوں کے ذریعے تمہاری آزمائش کی جائے گی اور جن لوگوں (یعنی یہودیوں) کو تم سے پہلے آسمانی کتاب دی گئی ہے اور اسی طرح دینہوں نے شرک کی راہ اختیار کر رکھی ہے ان سے



تم بہت سی تکلیف دہ اور آزار رساں باتیں سنو گے اور اگر تم نے صبر و استقامت اور تقویٰ اختیار کیا (کہ جو تمہارے لیے زیادہ مناسب ہے) تو پھر یہ امر حکم اور قابلِ اطمینان امور میں سے ہے۔

## شان نزول

جب مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اپنے گھر اور کاروبار سے دور ہو گئے تو مشرکین نے ان کے اموال کی طرف دستِ تجاوز و زور کیا اور انہیں اپنے زیرِ تصرف سے آئے اور جو شخص جس ان کے ہاتھ لگا اسے زبانی اور جہانی اذیت پہنچانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔

دوسری طرف جب مسلمان مدینہ آئے تو وہاں پر انہیں یہودیوں کی بدگوئی اور آزار رسانی کا سامنا کرنا پڑا۔ خاص طور پر ان میں سے ایک ہذہبان اور کینہ پرور شاعر تھا۔ اس کا نام کعب بن اشرف تھا۔ وہ مسلسل پیغیرِ کریم اور مسلمانوں کی ہجو کرتا تھا اور مشرکین کو ان کے خلاف ابھارتا تھا۔ یہاں تک کہ مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کے بارے میں غزل سرائی اور مشت بازی سے نہیں چوکتا تھا۔ اس کی بے حیائی اور گستاخی آخر اس حد تک پہنچ گئی کہ پیغیرِ کریم نے مجبوراً اس کے قتل کا حکم صادر کر دیا اور وہ مسلمانوں کے ہاتھوں فی اللہ واستقر ہو گیا۔

مفسرین کی نقل کردہ روایات کے مطابق مندرجہ بالا آیت انہی موضوعات کی طرف اشارہ کرتی ہے اور مسلمانوں کو مقابلہ جاری رکھنے کے لیے شوق دلاتی ہے۔

## تفسیر

### مقابلے اور پامردی سے تشک نہ جاؤ

لَتَجَلَّوْنَ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ

جان و مال کے ذریعے تمہارا امتحان لیا جائے گا اور مادی طور پر یہ دنیا تو میدانِ آزمائش ہی ہے اور اپنے آپ کو سخت اور ناگوار حوادث و مشکلات کے مقابلے میں آمادہ رکھے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ درحقیقت یہ سب مسلمانوں کے لیے ایک تنبیہ ہے اور آمادہ ہونے کے لیے تلقین ہے تاکہ وہ یہ گمان نہ کریں کہ سخت حوادث ان کی زندگی سے ختم ہو چکے ہیں اور یا کعب بن اشرف جیسے بدگو، ہذہبان اور فتنہ پرور شاعر کے فاتحے سے دشمن کی طرف سے کوئی اذیت یا زبان کا زخم نہیں پہنچے گا۔

اسی لیے فرمایا: وَلَتَسْمَعْنَ مِنَ الْغٰثِيْنَ اَوْ تَوَالِيْكَتَابٍ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الْغٰثِيْنَ اَشْرَكُوْا اِذْ هٰٓؤُلَآءِ

یعنی یہ بات طے شدہ ہے کہ تم آئندہ بھی اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔

دشمن سے ناروا باتیں سننا ان آزمائشوں کا حصہ ہے جن کا ذکر آیت کے ابتدائی حصے میں کیا گیا ہے جس کے باوجود یہاں اسی کا



اگر خصوصیت سے ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ زبان کے حصے کے حس اور شریعت انسانوں کے لیے بہت تکلیف دہ ہوتے ہیں جیسا کہ مشہور ہے کہ طوار کے زخم تو بھرتے ہیں لیکن زبان کے زخم مندمل نہیں ہوتے۔

و ان تصبروا و انتصروا فان ذلك من عزم الامور

یہاں شہید اور المناک حوادث کے موقع پر مسلمانوں کی ذمہ داری بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے، اگر استقامت اور ہامری سے کام لو، صابر و بردبار رہو اور تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو تو یہ ایسے کام ہیں جن کا نتیجہ واضح ہے ہذا برکت آوی کو ایسا کرنے کا حکم صادر کرنا چاہیے۔

نفس میں عزم کا معنی ہے پختہ ارادہ۔ بعض اوقات ہر حکم و ضابطہ چیز کو عزم کیا جاتا ہے اس لیے عزم الامور کا معنی ہے شائستہ اور مناسب کام، جن کی انجام دہی کے لیے انسان کو عزم ارادہ کرنا چاہیے یا پھر اس کا مطلب ہے ہر قسم کے حکم اور قابل اطمینان کام۔

صبر اور تقویٰ کا آیت میں ایک ساتھ ذکر آیا ہے۔ یہ گویا اس طرف اشارہ ہے کہ بعض ارادہ استقامت و ہامری کے باوجود ناشکری کا اعتبار کرتے ہیں اور زبان شکایت کھولے رکھتے ہیں لیکن حقیقی طور پر وہ ہیں جو ہر شائستہ کے ساتھ تقویٰ و پرہیزگاری کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور ناشکری اور شکوہ و شکایت سے دور رہتے ہیں۔

۱۸۷۔ وَاِذَا اخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ اَوْثُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ ۚ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبَلَغَ مَا يَشْتَرُونَ ۝

ترجمہ

۱۸۷۔ اور وہ وقت (یا دیکرو) جب خدا نے اہل کتاب سے ميثاق لیا کہ اسے لوگوں کے سامنے لازمی طور پر آشکار کریں اور چھپائیں نہیں لیکن انہوں نے اسے پس پشت ڈال دیا اور اسے تمھاری ہی قیمت پر فروخت کر دیا، انہوں نے کیسی بڑی متاع خریدی۔

تفسیر

وَاِذَا اخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ اَوْثُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ

اہل کتاب کی چند غلط کاریوں کے تذکرے کے بعد اس آیت میں ان کے ایک اور جیسے کام کی نشاندہی کی گئی ہے اور وہ ہے حقائق کو چھپانا۔ فرمایا گیا ہے: وہ وقت نہ بھول جاؤ جب خدا نے اہل کتاب سے یہ بیان کیا کہ وہ آیاتِ ربانی کو لوگوں کے سامنے آشکار کریں اور انہیں سرگرم چھپائیں۔



یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ لفظ ”تبیہ“ میں اگرچہ ہر قسم اور نوع کی تائید و توثیق موجود ہے جس سے انتہائی تاکید ظاہر ہوتی ہے پھر  
”ولا تکتھموتہ“ کہہ کر مزید تاکید کی گئی ہے جس میں نہ چھپانے کا حکم ہے۔ ان تمام تعبیرات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے کثرت  
انبیاء کے ذریعے ان سے اس بات پر نہایت تاکید کی عہد لیا کہ وہ حقائق کو بیان کریں گے لیکن ان تمام امور کے باوجود انہوں نے  
خدا سے باندھے گئے حکم بیان میں خیانت کی اور آسمانی کتب کے حقائق کو چھپایا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے: ”فخذوا زوراً  
ظہوراً“۔ یعنی انہوں نے کتابِ خدا کو پس پشت ڈال دیا۔ یہ جملہ عمل نہ کرنے اور اسے فراموش کر دینے کے بارے میں عہد  
کتاب ہے کیونکہ جس پر وگرام پر انسان کے عمل کا رد و رد ہوتا ہے اسے وہ اپنے سامنے رکھتا ہے اور اسے دیکھتا رہتا ہے لیکن اگر وہ  
اس پر عمل نہ کرتا چاہے اور اسے فراموش کر دینا چاہے تو سامنے سے اٹھا کر اسے پس پشت ڈال دیتا ہے۔

واشترواہہ ثمناً قليلاً فبئس ما يشقرون .

یہ جو ان کی شدید دنیا پرستی اور فکری و مخطوط کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ فرمایا گیا ہے: ”اس کام کے بدلے انہوں نے حقیر سی قیمت  
مائل کی اور یہ بونہی کیسی بڑی ہے جو انہوں نے حاصل کی ہے۔ اگر انہوں نے اخلاقی حق کے اس جرم کے بدلے بہت بڑی قیمت  
مائل کی ہوتی تو یہ کہا جاتا کہ کثرت مال و ثروت نے ان کی آنکھ کو اندھا اور کان کو بہرہ کر دیا لیکن تعجب تو اس بات پر ہے کہ انہوں  
نے یہ سب کچھ متاعِ قہل کے بدلے بیچ دیا ہے (البتہ اس جملے سے پست بہت ملکہ کا کام مراد ہے)۔

### علماء کی غفیم ذمہ داری

مندرجہ بالا آیت اگرچہ اہل کتاب دیہود نصاریٰ کے علماء کے بارے میں ہے لیکن حقیقت میں تمام مذہبی علماء کو اس  
میں تنبیہ کی گئی ہے کہ ان کی ذمہ داری ہے کہ فرامینِ الہی اور معارفِ دینی واضح کرنے کی کوشش کریں اور خدا تعالیٰ نے ان سب  
سے اس سلسلے میں تاکید کی عہد و پیمان لیا ہے۔

مندرجہ بالا آیت میں لفظ ”تبیہ“ آیا ہے۔ اسی کے مادے کی طرف توجہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ یہاں مقصود صرف آیاتِ خدا  
کی تلاوت اور کتبِ آسمانی کی نشر و اشاعت نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کے حقائق کو واضح و آشکار کر کے لوگوں تک پہنچایا جائے تاکہ  
ہر طرح کے لوگ پوری وضاحت سے ان سے آگاہ ہو سکیں اور ان کی روح اور حقیقت تک پہنچ جائیں اور جو تبیین و توضیح اور  
تفسیر دیکریں گے اور مسلمانوں تک حقائق کی روشنی پہنچانے میں کوتاہی کریں گے وہ اسی انجام کے مستحق ہوں گے جس کا ذکر یہ نظرِ آیت میں  
اور دیگر آیات میں یہودی علماء کے لیے بیان کیا گیا ہے۔

اسلام کے پیغمبر گزرائی سے متحمل ہے، آپ نے فرمایا:

من کثر علماً عن اہلہ انجس یرور القیضۃ ہلجامہ من نار

جو شخص علم و دانش کو اس کے اہل (اور ضرورت مند) سے چھپائے گا، قیامت کے دن خدا ان کے مزیدی  
(جہنم کی) آگ کی دھم دے گا۔

مسنن بن عمار راوی ہے:





ایک دن میں زہری کے پاس گیا جبکہ اس نے لوگوں کو احادیث پہنچانے کا سلسلہ ترک کر رکھا تھا۔ میں نے اس سے کہا: جو احادیث تم نے سن رکھی ہیں وہ مجھ سے بیان کرو۔ وہ بولا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ اب میں کسی سے حدیث بیان نہیں کرتا۔ میں نے کہا: بہر حال تم مجھ سے حدیث بیان کرو یا پھر میں تمہیں حدیث سننا دل گا۔ اس نے کہا: تم حدیث بیان کرو۔ اس پر میں نے حضرت علی کا یہ قول بیان کیا،

مَا اخَذَ اللَّهُ عَلَى أَهْلِ الْجَهْلِ أَنْ يَتَعَلَّمُوا حَقَّ اخْتِذَاكَ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنْ يَعْلَمُوا  
 (یعنی)۔ اللہ تعالیٰ نے اہل جہالت سے علم و دانش کے حصول کا عہد لینے سے پہلے علماء سے عہد لیا کہ وہ انہیں علم سکھائیں۔

جب میں نے یہ بلائیت والی حدیث اس کے سامنے پڑھی تو اس نے اپنی ہر سکت توڑتے ہوئے کہا: سنو اب میں تمہارے سامنے بیان کروں گا۔

پھر اس نے اسی نشست میں چالیس احادیث مجھ سے بیان کیں۔

علماء اہل کتاب کی خیانت کے بارے میں مزید تفصیلات جاننے کے لیے سورہ بقرہ آیات ۱۷۹-۱۸۰ اور سورہ آل عمران کی آیات ۷۵ تا ۷۷ کی طرف رجوع فرمائیں۔

۱۸۸۔ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحَمَدُوا  
 بِمَالِهِمْ يَقْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّاهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَ لَهُمْ  
 عَذَابٌ أَلِيمٌ ○

۱۸۹۔ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○

ترجمہ  
 ۱۸۸۔ یہ گمان نہ کیجئے کہ جو لوگ اپنے (بڑے) اعمال پر خوش ہوتے ہیں اور (دوسری طرف) یہ بھی جانتے ہیں کہ ایسے (نیک) کام کے ضمن میں ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے سر انجام نہیں دیا، وہ عذاب الہی سے امان میں ہیں (ایسا نہیں ہے بلکہ) ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۱۸۹۔ اور آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ کے لیے ہے اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

لے تفسیر انشراح مازی و تفسیر مجمع البیان، زیر نظر آیت کذیل میں۔ حضرت علی سے مروی حدیث کا مٹی بیچ ابلاغ کے کلمات تصاریح موجود ہے۔



## شان نزول

مفسرین نے مندرجہ بالا آیت کے بارے میں کئی ایک شان نزول نقل کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:  
جب بعض یہودی اپنی آسمانی کتب کی تحریف اور ان میں جو چیزیں کو چھپانے میں لگے ہوئے تھے اور اپنے  
گمان میں اس سے کوئی نتیجہ حاصل کر سکتے تھے تو وہ اپنے اس عمل پر بہت ہی شاد و مسرور تھے۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتے  
تھے کہ لوگ انہیں حامی دین عالم اور فرزند ارادہ سمجھیں۔

بعض دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب بھی کوئی اسلامی جنگ درپیش ہوتی وہ  
مروج طرح کے بہانے کر کے جنگ میں شرکت نہ کرتے اور جب مجاہدین اسلام میدان جنگ سے واپس آتے تو یہ قسمیں کھاتے کہ  
اگر انہیں مجبوری نہ ہوتی تو وہ ہرگز جہاد ترک نہ کرتے اور وہ توقع رکھتے کہ اپنے ان کیے کاموں پر مجاہدین اور خدا کا دوس کی طرح  
تحسین و آفرین حاصل کریں، اس پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی۔

## تفسیر

## خود پسندی

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَاوَهُمْ وَيَحِبُّونَ أَنْ يَعْبُدُوا بِنِعْمَةِ اللَّهِ عِلْمًا لَا يَعْلَمُونَ

بُست کام کرنے والے لوگ دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو حقیقتاً اپنے اعمال پر شرمندہ ہیں اور اپنی مرشدت و میلّت کی  
سرکشی کی وجہ سے بلائوں اور گناہوں کے متکب ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی نجات بہت ہی آسان ہے کیونکہ یہ لوگ ہمیشہ گناہ  
کے بعد پشیمان ہوتے ہیں اور ان کا بیدار وجدان انہیں سرزنش کرتا ہے۔

دوسرے وہ ہیں جو نہ صرف یہ کہ اس میں نہ صحت نہیں کرتے بلکہ وہ مغرور اور خود پسند ہوتے ہیں اور اپنے مجمع اور سنگین گناہوں  
پر خوش ہوتے ہیں یہاں تک کہ ان پر غرور و مباحثات کرتے ہیں اور پھر اس سے بھی آگے وہ یہ خواہش کرتے ہیں کہ لوگ ان کی تعریف  
ایسے نیک کاموں کے ضمن میں کریں جو انہوں نے انجام بھی نہیں دیے۔

مندرجہ بالا آیت کہتی ہے:

یہ گمان نہ کرو کہ ایسے لوگ جو اپنے اعمال پر خوش ہوتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ انہوں نے جو کام نہیں کیے ان (کاموں) کی  
وجہ سے ان کی عزت کی جائے اور شان و شوکت بیان کی جائے کہ وہ مذہب خدا سے دور ہیں اور نجات پائیں گے حالانکہ نجات  
تو ان شخاص کے لیے ہے جو کہ انہیں اپنے بُرے کاموں پر شرمندہ ہیں اور یہ سوچ کر کہ وہ نیک کام نہیں کر سکے پشیمان ہیں۔

۱۔ اسباب النزول از واقعہ: تفسیر ابن کثیر، مجمع البیان زیر بحث آیت کے ذیل میں۔



وَاللَّهُ عَذَابُ السَّيِّئِينَ

زمرت اسی قسم کے خود پسند اور مغرور افراد و نباتات کے مقدار نہیں ہیں بلکہ درناک عذاب ان کے انتظار میں ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس آیت سے یہ بات بھی جانے کرے ان نیک کاموں پر عبادِ مسرت کے بارے میں ہے جن کے انہام دینے کی ہمیں توفیق دی گئی ہے۔ اگر یہ خوشی اقبال کی حالت میں ہو اور فرد کا سبب بنے تو یہ قابلِ مذمت نہیں ہے۔ اسی طرح ان نیک کاموں کے سلسلے میں جو انجام پانچے ہیں عبادِ مسرت کرنا اگر وہ بھی اقبال کی مدد میں ہو اور اس کا سبب اس کے اپنے اعمال نہ ہوں تو یہ بھی مذموم نہیں ہے کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے لیکن اس کے باوجود خدا کے دوست یعنی وہ افراد جو ایمان کی بلند سطح پر فائز ہیں اور اس قسم کی سزا شادمانی سے دور رہتے ہیں وہ ہمیشہ اپنے اعمال کو کمتر سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو عظمت پروردگار کے سامنے ہیج مسمیٰ کرتے ہیں۔ ضمناً یہ تصور نہیں کرنا چاہیے کہ مندرجہ بالا آیت صرف ان منافقوں کے ساتھ ہی مخصوص ہے جو صراحتاً اسلام میں تھے یا اسی قسم کے اور لوگ بلکہ وہ تمام افراد جو ہماری زندگی میں مختلف اجتماعی حالات و کیفیات میں رہتے ہیں اور اپنے بہت سے اعمال پر خوشی میں یا جو لوگوں کو ابھارتے ہیں کہ وہ کلمہ اور زبان سے ان کے اعمال کی تعریف کریں وہ سب کے سب اس آیت کے مفہوم اطلب میں شامل ہیں۔ ایسے لوگوں کا زمرہ آخرت کا عذاب منتظر ہے بلکہ وہ دنیاوی زندگی میں بھی لوگوں کے غیظ و غضب کی وجہ سے مخلوق خدا سے الگ تنگ سے رہتے ہیں اور طرح طرح کی شکایات کا نشانہ ہیں۔

وَاللَّهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

خدا آسمان و زمین کا مالک ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ آیت مومنین کے لیے خوشخبری اور کافروں کے لیے حکم ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ کوئی ترقی کے لیے ٹھیکے راستوں پر چلیں اور جو کام انہوں نے نہیں کیا اس کی تعریف چاہیں۔ ہاں وہ دیکر کہتے ہیں کہ آسمان و زمین کے مالک خدا کی قدرت کے سامنے میں بہتے ہوئے ہاتھ اور سرخ طریقوں سے غائدہ اٹھاتے ہوئے آگے بڑھتے رہیں نیز بدکار اور منافق لوگ جو یہ چاہتے ہیں کہ ٹھیکے راستوں سے غائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی حیثیت اور مقام حاصل کر لیں تو وہ یہ تصور نہ کریں۔ کیونکہ وہ اسی خدا کے عذاب سے جس کی تمام موجودات پر حکومت ہے نہایت حاصل نہ کر سکیں گے۔

۱۹۰۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالاٰخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ

لِاُولٰٓئِی الْاَلْبَابِ ۝

۱۹۱۔ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وِیْتَفَكَّرُوْنَ

فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ

فَیْتَنَّا عَذَابَ النَّارِ ۝

۱۹۲۔ رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تَدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ اُخْزِیْتَ ۚ وَمَا لِلظَّٰلِمِیْنَ



## مِنْ أَنْصَارٍ ۝

۱۹۳۔ رَبَّنَا إِنَّتَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۖ رَبَّنَا  
فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنَا مَعَ الْآبِرَارِ ۝

۱۹۴۔ رَبَّنَا وَاتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝

ترجمہ

۱۹۰۔ بے شک زمین و آسمان کی تخلیق اور رات دن کے آنے جانے میں ماحبانِ عقل کے لیے درشنِ نشانیاں ہیں۔

۱۹۱۔ وہ لوگ خدا کا کھاتے بیٹھے اور اس وقت جبکہ وہ پہلو کے بل لیٹے ہوں یاد کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی پیدائش کے اسرار میں غور و فکر کرتے ہیں اور (کہتے ہیں) اے خدا! تو نے ہمیں فضول پیدا نہیں کیا تو پاک ہے ہیں لوگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

۱۹۲۔ پالنے والے ہیں تو تو نے (اس کے اعمال کی وجہ سے) لوگ میں ڈال دیا اُسے تو نے ذلیل و خوار کیا اس قسم کے ظالم لوگوں کا کوئی مددگار نہیں۔

۱۹۳۔ اے پروردگار! ہم نے توحید کے منادی کی آواز سنی ہے جو پکار رہا تھا کہ اپنے پالنے والے پر ایمان لاؤ اور ہم ایمان لے آئے (اب جبکہ ایسا ہے) اے خدا! ہمارے گنہگاروں کو بخش دے اور ہمارے کوتاہیوں کی پردہ پوشی کر دے اور ہمیں نیکوں کے ساتھ (ان کے راستے پر) موت دینا۔

۱۹۴۔ اے خالق! جس چیز کا تو نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے ہم سے وعدہ کیا ہے وہ ہمیں مرحمت فرما اور ہمیں قیامت کے دن رسوائی کا کیڑ نہ تو کہی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

آیات کی اہمیت

یوں تو قرآن نبیہ کی سب کی سب آیتیں اہمیت کی حامل ہیں کیونکہ وہ سب خدا کا کلام ہیں اور نوع بشر کی تعلیم و تربیت کے لیے



نازل ہوئی ہیں لیکن اس کے باوجود ان میں سے بعض خاص قسم کی چمک دکھاتی ہیں۔ ان میں سے مندرجہ بالا پانچ آیات قرآن کی دل چاہیے والی جہاتوں میں سے ہیں۔ یہ سعادت دینی کا ایک ایسا نامور مجموعہ ہیں جن میں لطیف مناہات اور تفریح و تازگی کی آمیزش ہے اور وہ ایک آسمانی سرودِ معلوم ہوتی ہیں۔ اسی لیے تو احادیث اور روایات میں انہیں خاص باہمیت دی گئی ہے۔

عطایں الی رباع کہتا ہے کہ میں ایک دن حضرت عائشہ کے پاس گیا اور ان سے سوال کیا کہ سب سے زیادہ محبوب چیز جو آپ نے پیغمبرِ اسلام سے دیکھی ہے وہ کیا ہے؟

وہ کہنے لگیں: پیغمبر کا سب کچھ تعجبِ خیز تھا لیکن حبیبِ تہذیب تھا کہ ایک رات آنحضرت میرے مجھے میں استراحت کرنے لگے، ابھی آرام نہیں کیا تھا کہ کھڑے ہو گئے۔ بائیں ہاتھ دھو لیا اور نماز شروع کر دی۔ حالتِ نماز میں اور مخصوص جذبہ الہی میں اسی قدر آنسو بہائے کہ آپ کے بائیں کان کا حصہ آپ کے اشکوں سے تر ہو گیا۔ اسی کے بعد آپ نے سر سجود میں رکھا اور اتنا گریہ کیا کہ زمین آپ کے آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ آپ طلوعِ صبح تک اسی طرح گریاں و منقلب رہے۔ جب بالانے آپ کو نماز صبح کے لیے پکارا تو آپ کو اشکوں سے تر ہونے لگا تو پوچھا کہ آپ اس قدر گریہ کیوں فرما رہے ہیں آپ کے تو لطفِ الہی شامل حال ہے آپ نے فرمایا:

اخلا اکون لله عبداً شکورا

کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں، یہی کیوں کر یہ مذکور خدا تعالیٰ نے کل رات مجھ پر بلا دیئے والی اور پریشان کر دیئے والی آیات نازل کی ہیں۔

پھر آپ نے یہ پانچ آیات ابجوز پر نظر میں، اکی تلاوت شروع کی اور آخر میں فرمایا:

ویل لمن قرأھا ولم یتذکر فیھا

وہ جسے جو اس پر جو انہیں پڑھے لیکن ان میں غور و فکر نہ کرے

روایت کا آخری جملہ آیات میں گہرے غور و فکر کا حکم دیتا ہے۔ ایسے جملے بہت سی روایات میں مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہیں۔

ایک روایت میں حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ پیغمبر خدا جب بھی نماز تہجد کے لیے اٹھتے پہلے سواک کرتے پھر قرآن کی طرف دیکھتے اور یہ آیات پڑھتے۔

روایاتِ اہل بیتؑ میں حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص بھی نماز تہجد کے لیے اٹھے ان آیات کی تلاوت کرے۔

نوف بکالی حضرت علیؓ کے خاص اصحاب میں سے تھے۔ وہ کہتے ہیں:

ایک شب میں آپؐ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ابھی مجھے نیند نہ آئی تھی میں نے دیکھا کہ امامؑ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور آپؐ نے ان آیات کی تلاوت شروع کر دی ہے۔ پھر مجھے پکارا اور فرمایا: اے نوف! سو رہے ہو یا جاگتے ہو؟

۱۔ تفسیر ابوالفتح رازی۔ زیر نظر آیات کے ذیل میں۔

۲۔ دلائل قرآنیہ و جمیع ایمان



میں نے عرض کیا میں بیدار ہوں اور اس وسیع و عریض آسمان کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا کبائے لوگوں کو جنہوں نے اسی زمین کی آلودگیوں کو قبول نہیں کیا اور اسی طرح سے آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائی۔ جنہوں نے عالم مادہ کی چار دیواری سے پرواز کی ہے اور ان کی بلند روح حکومت آسمان کی میسر کرتی ہے۔

تفسیر

خدا شناسی کا روشن ترین راستہ

ان فی خلق السموات والارض ....

قرآنی آیات صرف پڑھنے کے لیے نہیں ہیں بلکہ لوگوں کے سمجھنے اور ادراک کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ ان کی تلاوت تو انہیں سمجھنے کی تفسیر ہے۔ اس لیے تو مندرجہ بالا آیت میں آسمان و زمین کی خلقت کا تذکرہ ہے اور فرمایا گیا ہے: آسمان و زمین کی خلقت اور روزِ شب کی آمد و رفت میں صاحبانِ عقل و فہم اور اہل فکر و فکر کے لیے واضح نشانیاں ہیں۔ یہ کہہ کر لوگوں کو اس عظیم خلقت میں خود فکر کے لیے ابھارا گیا ہے تاکہ ہر شخص اپنی استعداد اور پیمانہ فکر کے مطابق اس بے کنار سمندر سے اپنا حصہ لے اور اسرارِ آفرینش کے شفا بخشے سے سیراب ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ جہاں آفرینش کے باریع نقوش، نقشِ تصویریں اور اس پر ماحم فیرو کرنے والا نظام ایک بہت بڑی کتاب ہے جس کا حرف و حرف اور لفظ و لفظ اس عالم کے پیدا کرنے والے کے وجود اور اس کی یکتائی کی بہت ہی واضح دلیل ہے۔

الذین یذکرون اللہ فیما مآ و قعودا

اس جہان کے گوشہ و کنار کی جو مثالیں اور دلکش و وسیع عالمِ ہستی میں دکھائی دیتی ہے وہ صاحبانِ عقل کے دلوں کو یوں جذب کرتی ہے کہ وہ کھڑے ہوں یا بیٹھے، بستر پر آرام ہوں یا پہلو کے بل بیٹھے وہ اس نظام کے خالق اور اس کے اسرار کی یاد میں مگن ہوتے ہیں۔ لہذا مندرجہ بالا آیت میں ارشادِ الہی ہے: خلقت وہ میں جو قیام میں ہوں یا قعود میں یا پہلو کے بل جو استراحت خدا کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کے اسرار میں خود فکر کرتے رہتے ہیں سنی ہمیشہ اور ہر حالت میں اس حیات بخش فکر میں غوطہ زن رہتے ہیں۔

اس آیت میں پہلے ذکر کا تذکرہ ہے اور پھر فکر کا یعنی صرف خدا کو یاد کرنا کافی نہیں۔ یہ تذکرہ اس وقت بہترین ثمرات کا حامل

۱۔ قرآن میں: اولوا الالباب: زیرِ نظر آیت کے طو و بعض دیگر آیات میں بھی استعمال ہوا ہے۔ یہ صاحبانِ عقل کے لیے طیفِ شاہد ہے جو جواب دہ اصل ہر چیز کے خاص ہو کر کہتے ہیں اور معنائی وجود کا جو ہر قص و فکر ہی ہے۔

۲۔ اختلافِ شب و روز اور اس کے اسرار کے بارے میں سورہ بقرہ کی آیہ ۱۰۶ تفسیرِ نور جلد اول میں بحث کی جا چکی ہے۔ کائنات کی خلقت میں جو نظم و ضبط موجود ہے وہ خدا شناسی کی روشن ترین دلیل ہے۔ اسی کی مزید توضیح کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ کیجئے: آفریدہ گار جہاں، معاشی ہستی اور ربوبی خدا۔





ہو گا اگر اس کے ساتھ خود فکر بھی شامل ہو۔ جیسے آسمان وزمین کی خلقت پر غور کرنے میں یا خدا شامل نہ ہو تو یہ خود فکر بھی کسی کام نہیں۔ ایسے کہتے ہی صاحبانِ علم و دانش میں جو تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں اور آسمانی کلمات کی خلقت کے باہمی ربط میں عجیب و غریب نظم و ضبط کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ یا خدا سے غافل ہوتے ہیں اور توحید کی بینک الہ کی آنکھوں پر نہیں ہے اور وہ عالم ہستی کو مبداءِ عالم کی شتا ساقی کے زاویے سے نہیں دیکھتے لہذا وہ انسانی تربیت کا لازمی نتیجہ اس مشاہدے سے اقد نہیں کر پاتے۔ ان لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایسی غذا کھاتا ہے جو مرث اس کے جسم کو تقویت بخشی ہے اور اس کی فکر و نظر اور روح پر کوئی اثر نہیں کرتی۔

ربنا ما خلقت هذا باطلا

خلقت آسمان وزمین میں خود فکر کرنے سے انسان کو ایک خاص آنکھ ہی حاصل ہوئی ہے۔ اس نظر کا پہلا نتیجہ یہ ہے کہ انسان اس طرف متوجہ ہو تاکہ یہ کریم مخلوق ہے کارِ فضول اور مہل نہیں ہے کیونکہ جب انسان اس جہان کی چھٹی سے چھٹی چیز میں سے ایک عظیم مقصد کا مشاہدہ کرتا ہے تو کیا پھر وہ یہ باور کر سکتا ہے کہ اسے کا سارا جہان بغیر کسی ہدف و مقصد کے ہو۔ انسان کو گھاس کے تنے کی خصوصیت ساخت میں واضح افراغی و مقصد کھائی دیتے ہیں۔ انسان کا دل، اہل کی گہرائیاں اور درتپے ہر کوئی ایک پروگرام کا حامل ہے۔ آنکھ کے طبقوں کی ساخت کسی مقصد کے بغیر نہیں ہے۔ یہاں تک کہ چلوں اور ناخنوں تک ایک معین مقصد کے حامل ہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ جس موجود کا ذرہ ذرہ مقصد و ہدف کا حامل ہو۔ وہ خود بخود ہی اعتبار سے بالکل بے مقصد ہو۔

اسی لیے تو صاحبانِ عقل اس زمزمہ پر سر دھنتے ہیں کہ۔ اسے خداوند عالم تو نے اس عظیم کارخانے کو فضول پیدا نہیں کیا، بار بار! یہ اتنا بڑا جہان اور یہ عجیب و غریب نظام سب کا سب جتنا حکمت و مصلحت اور کسی صحیح ہدف و غرض کے تحت پیدا کیا گیا ہے۔ پروردگار! یہ سب تیری عدائیت کی نشانیاں ہیں اور تو بحث و فضول کام سے سزا اور پاک ہے۔

فقتنا هذا ب النار

عالم خلقت میں مقصد کے وجود کا اعتراف کرنے کے فوراً بعد صاحبانِ عقل و فرد اپنی خلقت کو یاد کرنے لگتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ انسان جو اس جہان ہستی کا ضروری نتیجہ ہے بحث نہیں پیدا کیا گیا اور مقصد اس کی تربیت اور تکامل کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا اور وہ اس جہان کی جلد گزر جانے والی اور بے قیمت زندگی جی کے لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ اس کے آگے ایک اور گھر ہے جہاں اس کے اعمال کی جزا و سزا ہوگی۔ جب اہل عقل یہ سوچتے ہیں تو اپنی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور خدا سے ان کی انجم دہی کی توفیق کا تقاضا کرتے ہیں تاکہ وہ عذابِ الہی سے مامون ہو جائیں۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں: خداوند! ہمیں آتشیں جہنم سے بچا لے۔

ربنا انك من تدخل النار فقد اخزيته و ما للظالمين من النصار

بار بار! جسے تو اس کے اعمال کے نتیجے میں، دوزخ میں ڈال دے اسے تو نے رسوا و ذلیل کر دیا اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔



اس جیسے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبانِ عقل بہیم کی نگ کی نسبت رسوائی سے زیادہ ڈرتے ہیں اور وحشت زدہ ہیں بڑے انسان ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ رنج و غم اور دکھ درد تو برداشت کرنے کو آمادہ ہوتے ہیں لیکن اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کے بارے میں بہت حساس ہوتے ہیں۔ اس لیے ایسے لوگوں کی نظر میں روز قیامت حدناک ترین مذابِ خدا اور بندوں کے ساتھ رسوا اور ذلیل ہونا ہے۔

”ما للظالمین من انصار“ میں جو نکتہ پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ صاحبانِ بصیرت غرضِ آخرت میں سے اٹھ ہی کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انسان کی کامیابی اور نجات کا ذریعہ صرف اس کے اعمال و کردار ہیں اس لیے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا کیونکہ اصلی مددگار تو نیک مل ہے جسے وہ گنوا بیٹھے ہیں۔

لفظ ”ظلم“ یہاں پر اس لیے ہے کہ ظلم گنہوں میں زیادہ اہم گنہ ہے اور یا اس لیے ہے کہ تمام گناہوں کا مطلب اپنے اور پر ظلم کرنا ہی ہے۔

البتہ آیت شفاعت (اپنے حقیقی محبوب میں) کے مافی نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ ہم شفاعت کے ضمن میں کی گئی بحث میں کہہ چکے ہیں کہ شفاعت مخصوص آدمی کی محتاج ہے اور آدمی کچھ نیک اعمال کے ذریعے ہی پیدا ہو سکتی ہے۔

ربنا اننا سمعنا منادیا ينادى للايمان ان امنوا ببركك فامنا

صاحبانِ عقل و خرد مقصدِ تخلیق جان لینے کے بعد اس نکتے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ نشیب و فراز کے اس راستے کو فدا فی دہنا کی ریلنگ کے بغیر ہرگز طے نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے وہ ہر وقت ایمان اور صداقت کے منادیوں کی ندا سننے کے منتظر رہتے ہیں۔ جب ان کی پہلی آواز ان کے کانوں میں پڑتی ہے تو وہ ان کی طرف پھٹتے ہیں ضروری طور و نگرا و جستجو کے بعد وہ ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور اپنے پرے وجود کے ساتھ ایمان لے لیتے ہیں۔ لہذا وہ اپنے پروردگار کے سامنے عرض کرتے ہیں: بار انا ہم نے توبہ کے منادی کی آواز سنی جو ہمیں ایمان کی طرف دھتھے رہا تھا اس کے بعد ہم ایمان لے آئے۔

ربنا فاغفر لنا ذنوبنا و کفرنا سمعنا منادینا و توخنا مع الابرار۔

بار انا! جب معاملہ اس طرح سے ہے اور ہم مکمل طور پر ایمان لے آئے ہیں لیکن ہم فرارِ انسانی اور خواہشاتِ نفسانی کے شدید طوفانوں اور آندھیوں کی زد میں ہیں اس لیے ہم سے مغزشیں سرزد ہو جاتی ہیں اور ہم مختلف گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ اس لیے ہمیں بخش دے، ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور ہماری کوتاہیوں کی پردہ پوشی کر دے۔ ہمیں نیک اور صالح لوگوں کے راستے پر مرنے کی سعادت عطا فرما۔

اہلِ عقل انسانی معاشرے سے وابستہ ہیں گو فرد پرستی سے بیزار ہیں۔ وہ خدا سے دعا کرتے ہیں کہ نہ صرف ان کی زندگی نیک لوگوں کے ساتھ ہو بلکہ ان کی موت بھی۔ چاہے وہ عظیمی موت ہو یا راہِ خدا میں شہادت۔ نیک لوگوں کے ساتھ ہو اور انہی کے طور طریقے کے مطابق ہو کیونکہ بزرگوں کے ساتھ مرنے کا بھی فائدہ ہے۔

یہاں سوال پیش آتا ہے کہ گناہوں سے بخشش کے تقاضے کے ساتھ برائیوں پر پردہ پوشی اور ان کی بخشش کے کیا معنی ہیں۔ قرآن حکیم کی دیگر آیات کی طرف توجہ کرنے سے اس سوال کا جواب واضح ہو جاتا ہے۔ سورۃ نسا کی آیت ۳۱ یوں ہے:



ان یجتنبوا کبار ما تملکون عنہ مکفر عنکم سیئاتکم

اگر گناہان کبیرہ سے اجتناب کرو تو ہم تمہاری برائیوں کی پردہ پوشی کریں گے اور انہیں محو کر دیں گے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیئات گناہان صغیرہ کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے اہل قتل پہلے تو اللہ سے بڑے گناہوں کی مغفرت کا تقاضا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی گناہان صغیرہ کے آثار کے غاتے کی دعا کرتے ہیں۔

دینا و اتنا ما وعدتنا علیٰ ذلک . . . .

وہ لوگ آخری سرے میں راہ تو میسر کرنے، مدد قیامت پر ایمان لانے، پیغمبروں کی دعوت قبول کرنے اور اپنی خدایاں انجام دینے کے بعد خدا سے تقاضا کرتے ہوئے کہتے ہیں: اب جب ہم اپنا عہد و پیمان پورا کر چکے ہیں، بارالہ! تو نے اپنے پیغمبروں کی معرفت ہم سے جو وعدہ فرمایا ہے اور خوشخبری دی ہے اس کو پورا فرما اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا کیونکہ تو جس چیز کا وعدہ کرتا ہے اس میں وعدہ خلافی نہیں ہو سکتی۔

رسوا نہ ہونے کی خواہش کا پھر سے اعہاد اس حقیقت کی تاکید کرتا ہے کہ وہ لوگ اپنی شخصیت کی اہمیت کے قائل ہیں اس لیے وہ رسوائی کو دردناک ترین سزاؤں میں سے سمجھتے ہیں لہذا وہ پھر اسی پراگشت رکھتے ہیں۔

امام صادق سے منقول ہے: آپ نے فرمایا:

میں شخص کو کوئی عہد درپیش ہوا اور وہ پانچ مرتبہ: "ہاں" کہے تو خدا اسے اس چیز سے رہائی بخشنے کا جس سے وہ

خوفزدہ ہے اور وہ جس چیز کی امید رکھتا ہے اسے پائے گا۔

کسی نے عرض کیا:

وہ پانچ مرتبہ کس طرح "دینا" کہے۔

آپ نے فرمایا:

ان آیات کو پڑھے جن میں پانچ مرتبہ "دینا" آتا ہے۔ تو فوراً ہی پھر دعا گار کی طرف سے دعا قبول کرنا شروع

کے کیونکہ وہ فرماتا ہے: فاستجاب لہم و بطہر۔

کچھ کہے بغیر واضح ہے کہ ان آیات کی حقیقی اور گہری تاثیر اسی صورت میں ہے جب انسان کی زبان اس کے دل اور عمل سے ہم آہنگ ہو۔ اہل حق کی طرز فکر، خدا سے ان کا عشق، ذمہ داریوں کی طرف ان کی توجہ اور نیک اعمال کی انجام دہی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ دعا کرنے والوں کو یہی ماہ اپنانا چاہیے اور وہی مشروع و مشروع پیدا کرنا چاہیے جو اہل قتل خدا سے مناجات کرتے وقت پیدا کرتے ہیں۔

۱۹۵۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّیْ لَا اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ

ذَکْرِ اَوْ اَنْتَیْۤ اَبْعَضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ قَالِیْذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا

مِّنْ دِیَارِہُمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قُتِلُوْا ۚ لَا کُفْرَۃَ عَلَیْہُمْ



سَيَاتِهِمْ وَلَدُخِلَتْهُمْ جَلَّتِ تَجَرُّي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مَنِ  
عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حَسَنُ الثَّوَابِ ○

ترجمہ

۱۹۵ خدا نے ان (صحابانِ مقل) کی درخواست قبول کر لی ہے اور فرمایا ہے کہ میں تم میں سے عمل کرنے والے کے عمل کو چاہے وہ عورت ہو یا مرد مانع نہیں کروں گا، تم سب ایک ہی نوع میں سے ہو اور ایک دوسرے کی جنس ہو۔ جنہوں نے راہِ خدا میں ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیے گئے اور انہوں نے میری راہ میں تکلیف اور اذیت کا سامنا کیا ہے اور جنگ کی ہے اور مارے گئے ہیں میں تم کما کے کہتا ہوں کہ میں ان کے گناہ بخش دوں گا اور انہیں ان باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہ خدا کی طرف سے ثواب ہے اور خدا کے ہاں ہی بہترین ثواب ہے۔

شان نزول

یہ آیت گزشتہ آیات کا خیر ہے۔ اس میں صحابانِ مقل و فدا کے اعمال کا نتیجہ بیان کیا گیا ہے۔ آیت کے شروع میں فاء تفریع اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ گزشتہ آیات سے مربوط ہے۔ اس کے باوجود اس کے بارے میں کئی ایک شان نزول مروی ہیں۔ لیکن یہ بات اس کے گزشتہ آیات سے مربوط ہونے کے معنی نہیں ہے ایک شان نزول یہ ہے کہ رسول اللہ کی ایک زوجہ مقررہ جناب ام سلمہ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ قرآن میں مردوں کے جہاد، ہجرت اور فداکاری کی بہت گفتگو ہے، کیا عورتوں کا بھی اس میں کوئی حصہ ہے۔ زیر نظر آیت اسی سوال کے جواب میں نازل ہوئی۔

یہ بھی منقول ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے جب فاطمہ بنت اسد، فاطمہ بنت رسول اللہ اور فاطمہ بنت زبیر (جنہیں فاطمہ کہا گیا ہے) کے ہمراہ ہجرت کی اور انہیں جو ایک صاحبِ ایمان خاتون تھیں راستے میں آپ سے آئیں تو مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی۔

یہاں کہا جا چکا ہے کہ شانہائے نزول اس بات کے معنی نہیں کہ زیر نظر آیت گزشتہ آیات سے مربوط ہے جیسے دونوں شانہائے نزول بھی ایک دوسرے کے معنی نہیں ہیں۔

## تفسیر

### اہل خرد کے اعمال کا نتیجہ

گذشتہ آیات میں اہل خرد کے ایمان، اعمال، دعاؤں اور قریح و زاری کا ذکر تھا۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے:

فاستجب لهم ربهم — یعنی ان کے پروردگار نے ان درخواستوں کو فوراً قبول کر لیا۔ وجہ ۱۶ ان کا پروردگار — یہ تعبیر ان پروردگار کے انتہائی لطف و کرم کی حکایت کرتی ہے۔ اسی کے بعد مزید فرماتا ہے: انی لا ضیيع حاصل معاھل منکم — اس بنا پر کہ کہیں اشتباہ نہ ہو اور سخبات و کامرانی کو انسان کے اعمال و کردار سے الگ نہ سمجھ لیا جائے فرمایا گیا اتم میں سے عمل کرنے والے کے کسی عمل کو میں ہرگز ضائع نہیں کروں گا۔ اسی میں عمل کو ذکر بھی ہے اور عامل کا بھی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ قبولیت دعا کا محور اصل وہ اعمال صالح ہیں جو ایمان کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور یہی درخواستیں فوراً قبول ہو جاتی ہیں جن کی وہ حال عمل صالح ہو۔

من ذکروا انشی بعد منکم من بعضی۔

اس بنا پر کہ کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ خدا کا یہ وعدہ کسی خاص گروہ سے مخصوص ہے، فرمایا گیا ہے کہ یہ عمل کرنے والا چاہے مرد ہو یا عورت اس میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ تم سب خلقت میں ایک دوسرے سے وابستہ ہو تم میں سے بعض بعض دوسروں سے پیدا ہوتے ہیں، عورتیں مردوں سے اور مرد عورتوں سے۔

بعضکم من بعضی — ممکن ہے اس طرف اشارہ ہو کہ تم سب کے سب ایک دین کے پیرو اور ایک ہی حقیقت کے طرفدار ہو اور ایک دوسرے سے ہم کاری رکھتے ہو لہذا کوئی وجہ نہیں کہ خدا تمہارے درمیان بعض بعض رو کرے۔

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَآمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَاسْتَجَابُوا لِدَعْوِ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَآمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَاسْتَجَابُوا لِدَعْوِ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ

پھر یہ تعبیر لگتا ہے کہ اس بناء پر وہ تمام لوگ جنہوں نے خدا کی راہ میں ہجرت کی ہے اور اپنے گمراہ وطن سے نکالے گئے ہیں انہوں نے راہ خدا میں تکلیفیں اٹھائی ہیں جہاد کیا ہے اور جانیں دی ہیں۔

پس اہل ایمان جو خداوند عالم کی طرف سے ان پر جو گام و یہ نبی کے خدا تعالیٰ نے قسم کھا رکھی ہے کہ وہ ان کے گناہوں کو بخش دے گا اور ان کی تکلیف اور شدائد کو گناہوں کا کفارہ قرار دے گا تاکہ وہ گناہوں سے بالکل پاک ہو جائیں۔

وَلَا دُخَانٌ لَّهُمْ جَنَاحَاتُ نَجْوٰی مِنْ تَحْتِهَا اَلْاَنْهَارُ

اس کے بعد فرماتا ہے کہ میں گناہوں کو بخشنے کے علاوہ یقیناً انہیں ایسی جنت میں جگہ دوں گا جس کے درختوں کے نیچے ٹہری جاری ہیں جو گناہوں کی نشتوں سے بھری پڑی ہیں۔

ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ عِنْدَ حَسَنِ الثَّوَابِ

یہ وہ جزا و ثواب ہے جو ان کی جا شاری کی وجہ سے خداوند عالم ان کو مرحمت فرمائے گا بے شک بہترین ثواب اور اجر کسی کے پاس ہے۔ یہ اشارہ اس طرف ہے کہ دنیا والوں کے لیے خدا کے اجر و ثواب کی تعریف و توصیف مکمل طور پر نہیں کی جاسکتی۔ پس یہ سمجھ لیں کہ اس کی ذات جلالت و صفات بہ ثواب اور جزا سے بالاتر ہے۔



آیت مندرجہ بالا سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تو مجالِ صالح کے ملنے میں گناہوں سے پاک ہونا چاہیے اس کے بعد قربِ خدا اور بہشت اور اس کی نعمتوں کی طرف رُخ کرنا چاہیے کیونکہ اجتہاد میں فریاد ہے: **دکنون عنہم**۔ سینا بعد اور اس کے بعد وہ داخل جہنم جنات یعنی بہشت پاک روگوں کا مقام ہے اور جب تک انسان پاک و پودہشت کے قریب نہیں پہنچ سکتا۔

### مرد اور عورت کی روحانی قدر و قیمت

اچانکہ وہ بھی قرآن کی دوسری بہت سی آیات کی طرح عورت اور مرد کو خدا کی درگاہ کے باطنی اور روحانی مقامات تک پہنچنے کے لیے ایک دوسرے کے برابر قرار دیتی ہے جنسیت کی نظریں جنس کا اختلاف، جہانی ساخت کا فرق اور ان کے لیے بعض اجتماعی ذمہ داریوں کا فرق، مرد اور عورت دونوں کے لیے کمال انسانی کے حصول میں کسی فرق کی دلیل نہیں۔ بلکہ آیت اس حیثیت سے دونوں کو مکمل طور پر یکساں ہی سطح پر رکھتی ہے اسی لیے ان کا ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ بات بالکل اسی طرح ہے جیسے ایک ادارے کے نظام کے لیے ایک شخص کو رئیس ادارہ بنایا جاتا ہے اور دوسرے کو معاون یا درکن۔ رئیس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے کام میں زیادہ تجربہ اور اطلاعات و فیوہ رکھتا ہو۔ لیکن یہ فرق مراتب برگز اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ رئیس ادارہ انسانی شخصیت اور قدر و قیمت میں اپنے ماتحتوں سے زیادہ ہے۔

قرآن بید مضامنت کے ساتھ فرماتا ہے:

وَمَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِرِزْقٍ  
فِيهَا بُغْيِرُ حَسَابٍ۔ (سورہ المؤمن آیت ۱۰)

مرد اور عورت میں سے جو بھی نیک عمل کرے اور ایماندار ہو وہ بہشت میں داخل ہوگا اور اُسے بے حساب لازمی دی جائے گی اور وہ اس جہان کی روحانی اور جہانی نعمتوں سے فیض یاب ہوگا۔

اسی طرح دوسری آیت میں ہے:

مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلْيُضْحِكْ بِحَيٰوةِ طَيِّبَةٍ وَلِيَدْخُلِ الْجَنَّةَ  
اَجْرُهُمْ اَحْسَنُ مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ (سورہ نمل آیت ۶۴)

مرد اور عورت میں سے جو بھی نیک کام کرے اور مومن ہو، ہم اُسے پاکیزہ زندگی دیں گے اور بہت اچھی جزا دیں گے۔ یہ آیت اور اسی قسم کی دوسری متعدد آیتیں اس زمانے میں نازل ہوئیں جب دنیا کی تمام قومیں عورت کے انسانی نوع اور جنس بشر مومن کے متعلق ڈانڈاں ڈول تھیں اور اُسے حقیر و ذلیل مخلوق اور گناہ و عورت کا سرچشمہ سمجھتی تھیں۔

بہت سی گذشتہ قومیں یہ اعتقاد بھی رکھتی تھیں کہ عورت کی عبادت درگاہِ الہی میں قبول نہیں ہوتی۔ بہت سے اہل یرنان تو عورت کو گندی مخلوق اور شیطانی مخل جانتے تھے۔ رومی اور بعض یونانی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اصولی طور پر عورت میں انسانی روح کا ذرا نہیں ہے۔ روح انسانی تو صرف مردوں کو دی گئی ہے۔ سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اسی قریب میں بسپانہ کے



بہائی عالم اس بابے میں بحث کر رہے تھے کہ کیا عورت مرد کی طرح روح انسانی رکھتی ہے اور کیا اس کی روح موت کے بعد بھی حیثیت زندہ رہتی ہے۔ آخر وہ بہت سی بحث اور تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ عورت کی روح انسان اور حیوان کے درمیان برزخ کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے سوائے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی روح کے کسی عورت کی روح ہمیشہ نہیں رہے گی بلکہ مندرجہ بالا آراء سے یہ امر بخوبی روشن ہو جاتا ہے کہ بعض جاہل اور بے خبر لوگ جو کبھی کبھی اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ تو مولانا کا دین ہے مذکور توں کا، وہ حقیقت سے کس قدر دور ہیں۔ اگر اسلام کے کچھ قانون عورت اور مرد کے بہائی اور انسانی فرق کی وجہ سے معاشرے کی ذمہ داریوں کے حوالے کسی قدر مختلف ہیں، تو وہ کسی عورت میں بھی عورت کی حقیقی اور باطنی قدر و منزلت کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ اس لیے عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ دونوں کے لیے نیک نیتی اور سعادت کے دروازے یکساں طور پر کھلے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ہم اس آیت کی بحث میں پڑھ چکے ہیں بعضکم من بعض اتم سب کے سب ایک ہی جنس اور ایک ہی صنف کے فرد ہوں۔

۱۹۶۔ لَا يَغْفِرُكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝

۱۹۷۔ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

۱۹۸۔ لَكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

فِيهَا نُزُلًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلْأَبْرَارِ ۝

ترجمہ

۱۹۶۔ کافروں کا شہروں میں (کامیابی سے) آنا جانا تمہیں دھوکا دے۔

۱۹۷۔ یہ متاعِ ناچیز ہے پھر ان کے لیے رہنے کی جگہ دوزخ ہے اور (دوزخ) کتنی بُری جگہ ہے۔

۱۹۸۔ لیکن وہ لوگ (جو ایمان لے آئے ہیں اور) اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لیے باغاتِ بہشت ہیں کہ

جن کے درختوں تلے نہریں جاری ہیں اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ ان کے لیے خدا کی طرف سے پہلی پندیرا

ہے اور جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے بہتر ہے۔

شانِ نزول

بہت سے مشرکین کو تجارت پیشہ تھے۔ اس تجارت سے انہیں بہت سی دولت میسر آتی اور وہ ناز و نعمت کی زندگی بسر کرتے

۱۔ کتاب درود ملک اور ک، خدا تعالیٰ پر پیشکش، حقوقِ زن اور مسکین کی دیگر کتب کا خلاصہ فرمائیے۔





تھے۔ مدینہ کے یہودی بھی تہمت میں جہالت رکھتے تھے۔ تہارتی سفروں سے اکثر وہ بھڑے ہاتھوں واپس لوٹتے تھے۔ مسلمان ان دونوں مخصوص حالات کی وجہ سے مادی طور پر بڑی جستوں اور شکلوں میں گرفتار تھے۔ ان شکلات کی وجہ میں کمرے مسلمانوں کی مدینہ کی طرف ہجرت اور طاقتور دشمن کی طرف سے اقتصادی محاصرہ اور بائیکاٹ شامل ہیں۔ مسلمان مسرت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ بعض لوگ جب یہ دو مختلف حالتوں کی طرف دیکھتے تو سوچتے کہ بے ایمانوں کے لیے یہ ناز و نعمت اور اہل ایمان کے لیے یہ رنج و الم آخر کیوں ہے، مسلمان کیوں فقر و پریشانی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مندرجہ بالا آیات اسی سوال کا جواب ہیں۔

## تفسیر

### ایک تکلیف دہ سوال

شان نزول میں جو سوال سامنے آیا ہے وہ زمانہ پیغمبر کے مسلمانوں کے حسب حال ہے۔ یہ دراصل ایک عمومی سوال ہے جو ہر دور میں اکثر لوگ پوچھتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر غلاموں، سرکشوں، فرعونوں کی خوشحالی اور ناز و نعمت سے محروم زندگی کا موازنہ ایسے اہل ایمان سے کرتے ہیں جن کی زندگی مشقت و محنت ہی سے بھری ہوئی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ بے لوگ اپنی غلامی اور گناہ آلود زندگی کے باوجود خوشحال کیوں ہیں لیکن اہل ایمان اپنے ایمان و تقویٰ کے باوجود سختی و تنگی کی زندگی کیوں گزار رہے ہیں۔ بعض اوقات یہ چیز کمزور ایمان والوں میں شک و شبہ پیدا کرتی ہے۔

اس سوال کا اگر بغور جائزہ لیا جائے اور اس کے دونوں پہلوؤں پر گہری نظر کی جائے تو واضح اور مدلل جوابات سامنے آئیں گے جن میں سے بعض کی طرف آیت بالا میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مزید تو جسے مطالعہ کیا جائے تو دوسرے جوابات بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔

آیت کہتی ہے: لَا يَغْنَمُكَ تَغْلِبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي السَّالَةِ — مختلف شہروں میں کافروں کی کامیابی سے آمد و رفت تھے ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے۔ اگرچہ ظاہر آیت میں رسول اللہ مخاطب ہیں لیکن واضح ہے کہ مقصود تمام مسلمان ہیں اس کے بعد فرماتا ہے: مَتَاعٌ قَلِيلٌ — یہ کامیابیاں اور یہ بلاشرطہ مادی فائدے سے جلد گزر جائے گا۔ اے لوگو! تم جہنم و بئس المصير — ان کامیابیوں کے پیچھے ان کے لیے انجام بد اور ایسی ذمہ داریاں ہیں جو ان کا دامن پکڑنے رہیں گی اور ان کا شک و شبہ ختم ہے اور یہ کیسا بڑا شکار ہے۔

مندرجہ بالا آیت و حقیقت دونوں کی طرف اشارہ کرتی ہے:

پہلا یہ کہ سرکشوں اور غلاموں کی بہت سی کامیابیوں کا دائرہ محدود ہے۔ جیسے بہت سے اہل ایمان کی محرمیاں اور تکلیفیں بھی محدود ہیں۔ اس امر کا گواہ اسلام کا ابتدائی دور ہے۔ اس میں مسلمانوں اور ان کے دشمنوں کی حالت ہم دیکھ سکتے ہیں اس وقت حکومت اسلامی بالکل نواسخہ تھی۔ طاقتور دشمنوں کی طرف سے ان پر طوفان آپڑے تھے۔ انہیں ڈرایا دھمکایا جاتا تھا۔ اس لیے حکومت اسلامی کے پر وبال سٹے جوڑے تھے۔ خصوصاً مکہ کے مسلمانوں کی ہجرت کی وجہ سے وہ مسلمان جو انتہائی کم تعداد میں

تھے بالکل ساکت ہو کر رہ گئے تھے۔ یہ کیفیت صرف انہی سے مخصوص رہتی بلکہ وہ تمام لوگ جو کسی ایک بنیادی اور روحانی انقلاب کے حامی ہوں اور ایک فاسد معاشرے میں رہتے ہوں انہیں ہر محبت کے ایک شدید دور سے گزرتا ہوتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ کیفیت زیادہ دیر تک نہ رہی۔ حکومت اسلامی کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور اس کی شانیں قوی ہو گئیں۔ اسلامی ملک میں دولت کا سیلاب اترنا آیا اور ہمیشہ و عشرت میں رہنے والے بدترین دشمن خاک سیاہ پر جا بیٹھے۔ ایت میں اسی اثر کا حل کوہ متاع قلیل کہا گیا ہے۔

دوسرا یہ کہ بعض بے ایمانوں کی مادی ترقی اسی لیے بھی ہے کہ وہ دولت سیٹھنے میں کسی اصول اور قانون کے قائل نہیں ہوتے اور اور جائز ناجائز ہر طریقے سے، یہاں تک کہ بے کسوں کا خون چوس کر بھی دولت سیٹھنے میں لگے رہتے ہیں جبکہ اہل ایمان حق و عدالت کے اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہیں اور اسی سلسلے میں پابندیوں کو ملحوظ رکھتے ہیں اور ناجائز طریقوں سے دولت سیٹھنے پر پابندیاں برتنا بھی چاہئیں۔ اس لیے دونوں کے حالات کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اہل ایمان کو ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے جبکہ بے ایمانوں کی نظر میں کوئی ذمہ داری نہیں اور چونکہ یہ دنیا ارادہ و اختیار کی آزادی کی دنیا ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے دونوں گروہوں کو آزاد چھوڑ رکھا ہے تاکہ ہر ایک کا انجام اس کے عمل کی روشنی میں مرتب ہو سکے۔ اسی امر کی طرف آیت بالا میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ثم مأوئهم جہنم و بئس المہاد۔

### قوت اور ضعف کے پہلو

بعض بے ایمان افراد کی ترقی اور بعض ایمان والوں کی پسماندگی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ایمان نہ رکھنے کے باوجود پہلے گروہ میں قوت کے بعض پہلو موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ اہم کام کیا بیاں حاصل کر لیتے ہیں اور دوسرے گروہ میں ایمان کے باوجود کمزوری کے بعض پہلو موجود ہیں جو ان کی پسماندگی کا سبب ہیں۔

مثلاً ہم بعض ایسے لوگوں کو جانتے ہیں جو خدا سے بیگانہ ہیں لیکن امور زندگی میں جدوجہد اور استقامت کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے سے ہم آہنگی اور حالات زمانہ سے آگاہی رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ یقیناً مادی زندگی میں کامیابیاں حاصل کریں گے۔ درحقیقت یہ لوگ دین سے وابستہ ہونے بغیر اس کے کچھ بنیادی اصولوں کو اپنائے ہوئے ہیں۔

ان کے مقابلے میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو عقائد مذہبی کے قویانہ ہیں لیکن اس کے بہت سے عملی احکامات کو سمجھنے جوئے ہیں۔ یہ لوگ کم حاصل، بے حال، استقامت سے عاری، بالکل خستہ اور ایک دوسرے سے بدایں۔ لہذا مسلم بے کر ایسے لوگوں کو دنیاوی زندگی میں بے درپے شکستوں کا سامنا ہوگا۔ ان کی شکست ایمان کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کمزور پہلوؤں کی بناء پر ہے جو ان میں بڑے ہیں۔ بعض اوقات وہ یہ جتھتے ہیں کہ نقطہ نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے سے انہیں تمام کاموں میں کامیابی حاصل ہو جانا چاہیے جبکہ دین زندگی کی پیش رفت کے لیے عمل پر گرام سے کرایا ہے جسے فراموش کر دینے سے شکست اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ دونوں گروہوں کے کچھ قوی اور کچھ ضعیف پہلو ہیں جن میں سے ہر ایک کے اپنے اثرات ہیں البتہ کبھی کبھار ہماسبہ کرتے وقت یہ اثرات ایک دوسرے سے مشتبہ ہو جاتے ہیں۔



مثلاً ایک بے ایمان شخص جو مسلسل سنت و مشقت کرتا ہے وہ اطمینان قلب و روح، اعلیٰ انسانی مقاصد اور پاکیزہ خیالات و جذبات سے ماری ہوتا ہے لیکن چونکہ شوق اور استقامت سے کام کرتا ہے لہذا مادی زندگی میں آگے نکل جاتا ہے۔  
یہاں بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ یہ بے ایمان شخص دنیاوی زندگی میں کیوں کامیاب ہو گیا ہے گویا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کامیابی کا کوئی اور عامل تھا۔

اب یہ بات جیسے ایک فرد پر عداوت آتی ہے اسی طرح اسے ایک ملک پر بھی منطبق کیا جاسکتا ہے یعنی طر پر یہ امر بھی واضح رہنا چاہیے کہ بے ایمان اشخاص کی کامیابی کے تینوں مذکورہ عوامل یعنی جدوجہد، ایک دوسرے سے ہم آہنگی اور حالات زمانہ پر نظر۔ سب ایک ہی جگہ عداوت نہیں آتے بلکہ ان میں سے ہر ایک کسی خاص موقع و محل کے ساتھ مخصوص ہے۔  
لکن الذین اتقوا ربہم لہم جنات تعبرى من تحتها الانهار خالدین فیہا۔

لہذا آیت میں بے ایمان افراد کے انجام کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس آیت میں پرہیزگاروں کے انجام کا تذکرہ ہے۔ ارشادِ الہی ہے: لیکن وہ لوگ جنہوں نے تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کی اور انہوں نے مادی سرمائے کے حصول کے لیے حق و عدالت کے اصول کو نظر سے دور کر دیا یا خدا پر ایمان رکھنے کی بناء پر اپنے دامن سے نکال دیے گئے اور باجمعی و اقتصادی مشکلات کا شکار ہوئے، انہیں ان مشکلات کے حل میں خدا تعالیٰ نے باغات بہشت عطا کیے ہیں کہ جن کے درختوں سے نہری بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔

نزلنا من عند اللہ و ما عند اللہ خیر للابرار

فلت میں "نزل" کا معنی ہے "ایسی چیز جو بہان کی ضیافت کے لیے پیش کی جائے"۔ بعض کہتے ہیں اس کا معنی ہے "اپنی چیز جو بہان کی پذیرائی کے لیے پیش کی جائے" (مثلاً شہرت یا پھل جو ابتداء میں بہان کو پیش کیے جاتے ہیں اس لیے خدا صبرِ پاکیزہ میں فرمایا گیا ہے) اب باغِ جنت میں مادی نعمتیں پرہیزگاروں کی ضیافت کا آغاز ہیں۔ باقی رہی اہم ترین اور اعلیٰ ترین ضیافت کو اور روحانی اور مسموئی نعمتیں ہیں جن کی طرف "ما عند اللہ خیر للابرار" (خدا کے پاس جو نیک لوگوں کے لیے بہتر ہے) کے جملے میں اشارہ کیا گیا ہے۔

۱۹۹۔ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا  
أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خَشِيعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْكُرُونَ بآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا  
أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ○

ترجمہ

۱۹۹۔ اہل کتاب میں بعض ایسے افراد ہیں جو خدا پر اور جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ ان پر نازل ہوا ہے ایمان رکھتے ہیں۔ وہ خدا کے (حکم کے) سامنے خضوع کرتے ہیں اور آیاتِ الہی کو کم قیمت پر نہیں بیچتے۔ ان کا اجر و ثواب ان کے پروردگار



کے پاس ہے، خدا سرِیح الحساب ہے (وہ ان کے نیک اعمال کا جلدی سے حساب کرتا ہے اور انہیں اجر دیتا ہے)۔

### شانِ نزول

بہت سے مفسرین کے قول کے مطابق یہ آیت اہل کتاب کے مومنین کے بارے میں ہے۔ جنہوں نے ناروا تعصب سے کنارہ کشی اختیار کی ہے اور مسلمانوں کی منوں میں آ شامل ہوئے ہیں۔ یہ لوگ عیسائیوں اور یہودیوں کی ایک معقول تعداد پر مشتمل تھے۔

کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت حبشہ کے رعیت پر بادشاہ نباشی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اگرچہ اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔

مادِ رجب شہرِ یثرب میں نباشی کی وفات کی خبر ایک فدائی اہلِ ایم کے ذریعے روزِ وفات ہی آنحضرتؐ کو پہنچی۔ رسول اللہؐ نے مسلمانوں سے فرمایا:

تمہارا ایک بھائی سرزمینِ حجاز سے باہر دنیا سے چل بسا ہے۔ تم جمع ہو جاؤ تاکہ مسلمانوں کے حق میں اس نے جو خدمات سر انجام دی ہیں اس کے صلے میں اس کی نمازِ جنازہ پڑھیں۔

بعض نے سوال کیا، وہ کون ہے؟  
آپؐ نے فرمایا: نباشی۔

پھر آپؐ مسلمانوں کے ہمراہ قبرستانِ جنت البقیع میں آئے اور اس کی فائزہ نمازِ جنازہ پڑھائی اور اس کے لیے دعائے مغفرت کی۔ آپؐ نے اپنے اصحاب کو بھی حکم دیا اور انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

بعض منافقین کہنے لگے: محمد (ص) نے ایک ایسے کافر کی نمازِ جنازہ پڑھی ہے جسے کبھی نہیں دیکھا، حالانکہ اس نے ان کا دین قبول نہیں کیا۔

اس پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی اور انہیں جواب دیا گیا: یا

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نباشی نے مکمل طور پر اسلام قبول کر لیا تھا اگرچہ وہ اس کا اظہار نہیں کرتا تھا۔

تفسیر  
سب اہل کتاب ایک جیسے نہیں

وان من اهل الكتاب لمن يؤمن بالله

یہ بات کہی جا چکی ہے کہ قرآن مجید میں دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے بارے میں جو گفتگو ہے اس میں کبھی بھی سب کو ایک جیسا قرار نہیں دیا گیا۔ قرآن کا یہ طریق کار ہے کہ وہ کسی قوم یا جماعت کے بارے میں خداوند تعصب کا رنگ اختیار نہیں کرتا بلکہ اس کا فیصلہ ان کے لائق عمل کی بنیاد پر کرتا ہے۔ بلذا وہ اس اقلیت کو فراموش نہیں کرتا جو ایمان اور عمل صالح کی حامل ہو اور گمراہ اکثریت کے درمیان زندگی گزار رہی ہو۔ یہاں بھی اہل کتاب کو بہت زیادہ سزائیں کی گئی ہیں کیونکہ وہ آیات خدا کو چھپاتے تھے اور سرکشی اختیار کرتے اور پھر ان میں سے اسی اقلیت کا تذکرہ ہے جس نے پیغمبر اکرم کی دعوت کو قبول کر لیا تھا۔ ان لوگوں کی پانچ ممتاز صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔

۱۔ یؤمن بالله۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو دل و جان سے خدا پر ایمان لے آتے ہیں۔

۲۔ وما انزل اليكم۔ وہ قرآن پر پورے جو کچھ تم مسلمانوں پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں۔

۳۔ وما انزل اليهم۔ درحقیقت پیغمبر اسلام پر ان کے ایمان لانے کی وجہ اپنی آسمانی کتاب پر ان کا یقینی ایمان ہے جس میں پیغمبر اسلام کے بارے میں بشارتیں موجود ہیں۔

۴۔ خاشعین للفرمان۔ فرمان خدا کے سامنے وہ تسلیم فہم کیے جاتے ہیں اور یہ ان کا مشروع و مصلوح ہی ہے جس نے حقیقی ایمان اور جاہلانہ تعصبات میں مدفاصل کشی ہے۔

۵۔ لا يشترون بآيات الله ثمنا قليلا۔ وہ آیات الہی کو کبھی کم قیمت پر فروخت نہیں کرتے اور وہ ایسے علماء و سوداگی طرح نہیں جو اپنے منصب کے تحفظ کے لیے لوگوں پر اپنے اقتدار کی بقا کے لیے اور رشوت لے کر آیات خدا میں تحریف کر دیتے ہیں۔ واضح ہے کہ مطلب یہ نہیں کہ کم قیمت پر فروخت نہیں کرتے بلکہ مراد یہ ہے کہ کسی قیمت پر بھی فروخت نہیں کرتے۔ کم قیمت کی طرف اشارے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان علماء کی طرح نہیں ہیں جو دنیا پرست اور کم ہمت ہیں۔ علاوہ انہی ان آیات کے مقابلے میں جو کچھ بھی وصول کیا جائے بے وقعت ہے۔

اولئك لهم اجرهم عند ربهم

جن لوگوں کا اپنے پروردگار کے ہاں واضح و زندہ لا شریک اور اعلیٰ انسانی صفات کی بنا پر اجر و ثواب ہے ان کے لیے یہاں "وہم" کا لفظ ان پر پروردگار کے اتنا ہی لطف و کرم کا مظہر ہے نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ راہ ہدایت میں اللہ تعالیٰ ان کی تشریت اور مدد کرتا ہے۔

ان الله سريع الحساب

خدا تعالیٰ بڑی تیزی سے بندوں کا حساب ہے باقی کر دے گا۔ نہ نیکو کاروں کو اپنا اجر و ثواب معلوم کرنے کے لیے مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا اور نہ بدکاروں کی سزائیں تاخیر ہوگی۔ یہ جملہ نیکوں کے لیے بشارت اور بدکاروں کے لیے تنبیہ و تہدید کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۷۔ اس جگہ کی مزید توضیح کے لیے سورہ بقرہ آیت ۲۰۶ کی تفسیر کی طرف رجوع کریں۔



۲۰۰۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ  
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

ترجمہ

۲۰۰۔ اے ایمان والو! (مشکلات اور ہوا و ہوس کے مقابلے میں) استقامت و پامردی دکھاؤ اور دشمنوں کے مقابلے میں ابھی (استقامت کا مظاہرہ اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو اور خدا سے ڈرو شاید تم کو کامیاب ہو جاؤ۔

تفسیر

یہ سورہ اہل عمران کی آخری آیت ہے۔ اس میں چار نکات پر محیط ایک جامع لائحہ عمل تمام مسلمانوں کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ اسی لیے اس کا آغاز ”یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ سے ہوا ہے۔

۱۔ اصبروا۔ یہ اس پر گرام کا پہلا نکتہ ہے جو کہ مسلمانوں کی سرزندگی اور کامیابی کا خاص حصہ ہے۔ اس کا مطلب استقامت و صبر اور حوادث کے مقابلے میں ٹھٹھا جانا ہے۔ دراصل صبر و استقامت ہی ہر قسم کی مادی و روحانی کامیابی کی حقیقی جڑ ہے۔ اجتماعی و انفرادی پیش رفت کے لیے اس کی بس قدر اہمیت بیان کی جائے وہ کم ہے اسی کو حضرت علیؑ نے کلماتِ تعاریر میں بدل کر ساتھ سرے کشیدہ دی ہے فرماتے ہیں:

ان الصبر من الایمان کالرا من الجسد

یعنی۔ صبر کا ایمان سے وہی تعلق ہے جو سر کا بدن سے ہے۔

۲۔ وصابرنا۔ یہ معابرہ ”سے مقابلہ کے باب سے ہے۔ اس کا معنی ہے دوسروں کے صبر و استقامت کے مقابلے میں صبر و استقامت دکھانا۔

اس طرح خدا تعالیٰ پہلے تو صامدانِ ایمان کو صبر و استقامت کا حکم دیتا ہے (جس میں ہر طرح کا جہاد نفسی اور مشکلاتِ مہیات شامل ہیں) اور دوسرے سرے سرے میں دشمن کے مقابلے میں استقامت کا حکم دیتا ہے۔ اس کا اثر یہ ہے کہ جب تک کوئی قوم جہادِ نفسی اور اندرونی کمزوری کے پہلوؤں کی اصلاح میں کامیاب نہیں ہوتی دشمن پر اس کی کامیابی ممکن نہیں ہے اور دشمنوں کے مقابلے میں ہماری زیادہ تر ہزیمتیں اسی وجہ سے ہیں کہ جہادِ بانفس نہیں کیا گیا اور اپنے کمزور پہلوؤں کی اصلاح نہیں کی گئی جو ہمارے لیے ضروری ہے۔

ضمنی طور پر اس حکم (صابرنا) سے معلوم ہوتا ہے کہ دشمن جس قدر زیادہ استقامت کا مظاہرہ کرے ہیں اس سے بڑھ کر استقامت و پامردی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

۳۔ ورابطوا۔ اس لفظ کا مادہ ”ر با ط“ ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز کو کسی مکان میں باندھ دینا مثلاً لکھوڑے



کو کسی جگہ باندھنا یا کسی سے سرائے یا کاروانوں کے ٹھہرنے کی جگہ کو رابطہ کہتے ہیں۔ رابطہ قلب کا مطلب ہے دل کا امینان اور سکون خاطر، گویا وہ کسی جگہ بندھا ہوا ہے۔ رابطہ کا معنی ہے سرحدوں کی نگرانی کرنا کیونکہ وہاں سپاہی، سواریاں اور جنگی وسائل فراہم کیے جاتے ہیں اور انہیں وہاں رکھا جاتا ہے۔

یہ نقطہ مسلموں کو دشمن کے مقابلے کے لیے تیار رہنے اور اسلامی ملکوں کی سرحدوں کی حفاظت کا حکم دیتا ہے۔ تاکہ دشمن ان پر بے خبری کے عالم میں اچانک حملہ نہ کرے۔ نیز انہیں شیطان اور سرکش جو ادبوس کے مقابلے کے لیے بھی پیش تیار رہنے اور ان کے جھگڑوں سے چوکناس رہنے کا حکم دیتا ہے تاکہ وہ غفلت میں نہ پڑ جائیں۔

اسی لیے بعض روایتوں میں ہے کہ میر المؤمنین علیؑ نے اس نکتہ کی تفسیر ایک نماز کے بعد دوسری نماز کی پابندی اور انتظار کی ہے کیونکہ جو شخص عبادت کے ذریعے اپنے دل و جان کو ہمیشہ اور لگا تار بیدار رکھے وہ ایسے سپاہی کی مانند ہے جو ہر وقت دشمن سے مقابلے کے لیے تیار (ATTENTION) ہو۔

مزید کہ رابطہ ایک وسیع معنی رکھتا ہے جو اپنی ذات اور اسلامی معاشرے کے دفاع کی تیاری پر محیط ہے۔ چنانچہ فقہ اسلامی کے ہاں جہاد میں ایک بحث "مربطہ" (یعنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے دشمن کے احتمالی حملے کے مقابلے کے لیے آمادگی) کے عنوان سے ہے۔ جس میں خاص خاص احکام بیان کیے گئے ہیں۔

بعض روایات میں علامہ کرام کو بھی "مربطہ" کہا گیا ہے چنانچہ ایک روایت کے مطابق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

هؤلاء شيعتنا مرابطون في الشفر الذي يلي ابليس ومطبخه وبضمنه من الفروج حل ضعفاء  
شيعتنا ومن ان يقتل عظيمه ابليس

ہمارے شیعہ علماء سرحدوں کی حفاظت اور نگرانی کرنے والوں کی طرح ہیں، جو شیطان کی فوج کے سامنے صف باندھے کھڑے ہیں اور ان لوگوں کا (شیطان اور اس کی فوج کے علاوہ) دفاع کرتے ہیں جو ان کے حملہ کی تاب نہیں لاسکتے۔

اس حدیث کے ذیل میں علامہ کرام کا مرتبہ اور شان سرحدوں کی حفاظت کرنے والے افراد اور سپاہیوں کے مقابلے میں جو اسلام کے دشمنوں سے جنگ کر رہے ہیں کہیں بڑھ کر بیان کی گئی ہے اور یہ اس بنا پر ہے کہ علوہ قائمہ وثقاقت اسلامی کے نگہبان ہیں۔ جبکہ فوج بطرانیائی سرحدوں کی حفاظت کرتی ہے اور یہ طے شدہ امر ہے کہ جس قوم کے عقیدے، فرهنگ اور ثقافت دشمنوں کے حملے کی زد میں ہو اور وہ ان کا تردد واقعی دفاع نہ کر سکے تو وہ جلد ہی سیاسی اور فوجی نقطہ نظر سے بھی شکست کھا جائے گی۔

۴ واتقوا الله اور آخری حکم جو تمام احکامات پر مایہ نگیں ہے وہ پرہیزگاری کا حکم ہے۔ استقامت، صبر اور لگاؤ





کے ساتھ ساتھ تقویٰ اور پرہیزگاری کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے تاکہ ہر قسم کی خود پسندی، دیاکاری اور شخصی اغراض قریب تر نہ بنیں۔  
لعلکم تفلحون تم ان چاروں محلوں کی پابندی کے سائے میں علاج و کامیابی حاصل کر سکتے ہو اور ان سے روگردانی کر سکتے  
کامیابی کا راستہ تم پر بند ہو جائے گا۔

### ایک سوال اور اس کا جواب

کبھی کبھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں بہت سے جملے فقط و مل سے کیوں شروع ہوتے ہیں مثلاً "لعلکم تفلحون"۔  
شاید تم کامیاب ہو جاؤ "لعلکم تفلحون"۔ شاید تم پرہیزگار بن جاؤ۔ "لعلکم تفلحون" شاید رحمت خدا تمہارے  
شامل مال ہو۔

جبکہ فقط و مل تردید اور شک کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ تو ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس لیے اس کی ذات اقدس کے  
لیے مناسب نہیں۔ یہ جو بعض دشمنان اسلام نے بھی استاذین بنا رکھا ہے۔ وہ اس کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ اسلام کسی سے قطعی اور یقینی نہایت  
کا وعدہ نہیں کرتا، اس کے وعدے میں شک و شبہ پایا جاتا ہے، کیونکہ اس کے اکثر حصے "فقط و مل" سے شروع ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تعبیر قرآن مجید کی عظمت، حقیقت مبنی اور اعتبار حق کی ایک واضح دلیل ہے کیونکہ قرآن یہ لفظ ایسی جگہ استعمال  
کرتا ہے جہاں یقین حاصل کرنے کے لیے کچھ شرائط کی پابندی ضروری ہو اور وہ فقط و مل کے ذریعے ان شرطوں کی طرف اجمالی  
اشارہ کرتا ہے مثلاً آیات قرآن سننے کے وقت غامض رہنا اور آیات کے معنی کو کان لگا کر سننا انسان کے لیے رحمت خداوندی  
کا ستمی ہونے کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کے علاوہ باتوں کا سمجھنا اور ان پر کاربند ہونا لازمی اور ضروری ہے اسی لیے قرآن  
فرماتا ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (احقاف: ۲۱)

جس وقت قرآن پڑھا جا رہا ہو تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموشی اختیار کرو، ہو سکتا ہے کہ خدا کی رحمت تمہارے

شامل مال ہو جائے۔

اگر قرآن یہ کہتا کہ یقیناً تم رحمت الہی کے مستحق ہو گے تو یہ حقیقت سے دور ہوتا۔ بیجا کہ ہم اس سے پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ اس  
امر کی کچھ اور بھی شرطیں ہیں۔ لیکن جب وہ "لعلکم" فرماتا ہے تو باقی شرطوں کا حصہ محفوظ رہ جاتا ہے اس حقیقت کی طرف تو ہر نہ  
دینے کی وجہ سے اعتراض کی گنجائش پیدا ہو گئی۔ یہاں تک کہ بعض جہات سے علماء بھی اس بات کے معتقد ہو گئے کہ فقط و مل ایسے  
موقوف پر شاید اس کے معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ حالانکہ یہ قرآن کے ظاہری مفہوم کے خلاف ہے جس پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔  
(خود کیجئے گا)۔

زیر بحث آیت میں بھی باوجودیکہ اسلام کے اعلیٰ ترین احکام میں سے چار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے پھر بھی اس بنا پر کہ کہیں  
دوسرے اسلامی اصلاحی منصوبوں سے غفلت نہ برتی جائے فقط و مل "استعمال کیا گیا ہے۔

بہر حال اگر آج کے مسلمان منہ زجر بالا آیت کو ایک شعار اسلامی کے حوالے سے اپنی زندگی کے ہر دگرگاموں میں شامل کر لیں تو



بہت سی مشکلیں دور ہو جائیں گی جن کا انہیں اس وقت سامنا ہے۔ آج اسلام اور مسلمانوں پر جو حملے کیے جا رہے ہیں وہ سب ان چاروں یا ان میں سے بعض احکام سے غفلت برتنے یا انہیں بھلا دینے کی وجہ سے ہیں اور یہ ایک انتہائی تکلیف دہ صورت حال ہے۔ اگر مسلمانوں میں استقامت و استقلال کی روح زندہ و بیدار ہو جائے تو وہ دشمنوں کے مقابلے میں بڑھ چڑھ کر شش کر سکیں گے۔

حکم خداوندی کے مطابق رابطہ یعنی جغرافیائی، ثقافتی اور اقتصادی سرحدوں کی بھرپور دیکھ بھال اور حفاظت کرنی۔ ہر وقت دشمنوں کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہیں اور ان سب باتوں کے علاوہ انفرادی و اجتماعی طور پر تقویٰ و پرہیزگاری کے ذریعے گنہ فساد کو اپنے معاشرے سے ختم کر دیں تو یقیناً ان کی کامیابی کی ضمانت دی جاسکتی ہے۔

اسے خدا سے بزرگ و برتر ہم سب کو یہ توفیق عطا فرما کہ ہم تیری آسمانی کتاب کے ان حیات بخش احکام کو اپنی چند روزہ زندگی میں اپنائیں اور اپنی غیر محدود رحمت اور لطافت سے بے پایاں کو ہمارے شامل مال فرما۔ آمین۔





# سُورَةُ نِسَاءٍ

مدنی سورۃ ہے جس کی ایک سو ستتر آیات ہیں



# سُورَةُ نِسَاءٍ

آیات سورہ کی تفسیر سے پہلے چند نکات پر توجہ ضروری ہے۔

## ۱۔ سورۃ نساء کا محل نزول

بعض مفسرین کے مطابق اس سورہ کی تمام آیتیں (سوائے آیت ۷۷ کے) مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہیں۔ ترتیب و نزول کے لحاظ سے یہ سورہ سورۃ فتح کے بعد ہے۔ قرآن مجید پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی سورتوں کی موجودہ ترتیب ان کے نزول کے مطابق نہیں ہے۔ چنانچہ بہت سی سورتیں جو کہ منظر میں نازل ہوئی ہیں وہ قرآن کے آخر میں ہیں اور بہت سی ایک جگہ جو مدینہ میں نازل ہوئی ہیں وہ قرآن مجید کے شروع میں ہیں۔ البتہ میں طرح جم بلد ازل کے شروع میں نکسچکے ہیں کہ آیت ۷۷ اور منسا جاسے پاس موجود ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن کی سورتوں کی جمع اور موجودہ ترتیب خود حضرت رسول اکرم کے زمانہ میں جو چکی تھی۔ اس بنا پر قرآن کو جمع کرتے وقت خود حضرت فحی مرتبت نے مختلف وجوہات کی وجہ سے جن میں سے ایک مطالب کی اہمیت اور ان کی فترت طبعی ہے موجودہ ترتیب میں جمع کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس ترتیب کے مطابق پہلی سورت ”الحمد“ اور آخری سورۃ ”الناس“ ہے۔ اس میں کوئی لفظ جگہ صرف تک کسی آیت یا سورت میں کم بیش نہیں ہوا یہ سورہ آیات، الفاظ اور حروف کی تعداد کے لحاظ سے سورہ بقرہ کے بعد طویل ترین سورت ہے اور ۱۷ آیات پر مشتمل ہے۔ اس امر کے پیش نظر کہ اس میں بہت سے مباحث و سورتوں کے احکام اور حقوق کے بارے میں ہیں اس کا نام ”سورۃ نساء“ رکھا گیا ہے۔

## ۲۔ اس سورہ کے اہم موضوعات

ہم یہ تحریر کر چکے ہیں کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ یعنی جن اس وقت جب رسالت مآب حکومت اسلامی کی تائیس اور ایک صبح انسانی معاشرے کی تشکیل میں مصروف تھے۔ اسی بنا پر بہت سے قوانین جو معاشرے کو راہ راست پر لانے کے لیے موثر تھے اس سورت میں نازل ہوئے ہیں۔ چونکہ وہ افراد جو اس معاشرے کی تار و پود کی تشکیل میں گئے ہوئے تھے گناہیہ بہت پرست تھے جو زمانہ جاہلیت کی تمام آلودگیوں میں غوطہ رہ چکے تھے۔ اس لیے سب سے پہلے یہ ضروری تھا کہ پہلی رسالت جب کہ ان کی راہ اور دماغ سے نکالا جائے اور ان کی بجائے ایسے قانون اور منصوبے جو ایک فرسودہ نظام کی بجائے ضروری ہیں، بنائے جائیں۔ اس سورہ کی مباحث کو تین عمومی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

- ۱۔ ایمان و عدالت۔ آیت ۱ اور بہترین دشمنوں کا بایز کاٹ۔
- ۲۔ برے معاشرے کا تہجد اور انجام بھانے کے لیے گورے بونے لوگوں کے حالات زندگی سے روشناسی کرنا۔
- ۳۔ اعدا کے سختی افراد کی حمایت مثلاً یتیم اور ان کے حقوق کے متعلق ضروری احکامات۔



- ۴ - میراث کا قانون طبعی، فطری اور عاقلانہ طریقے کی بنیاد پر اس صورت کے خلاف جو اس زمانے میں رائج تھی، جس کے ذریعے نہایت تکلیف دہیلے بہانوں سے کمزور لوگوں کو ان کے جائز حق سے محروم کر دیا جاتا تھا۔
- ۵ - شادی بیاہ کے متعلق قانون اور عام پاک و امنی کی حفاظت کے لیے لائحہ عمل۔
- ۶ - اسوا کی حفاظت کے لیے ملی اور عمری قوانین۔
- ۷ - معاشرے کی بنیادی اکائی یعنی خاندان کی حفاظت اور مہجوری کا پروگرام۔
- ۸ - لوگوں کے ایک دوسرے کے مقابلے میں متقابل حقوق اور ذمہ داریاں۔
- ۹ - اسلامی معاشرے کے دشمنوں کا تعارف اور ان کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کو بیدار رہنے کی تلقین۔
- ۱۰ - حکومت اسلامی اور حکومت اسلامی کے رہبر کی اطاعت اور فرمانبرداری کا لزوم۔
- ۱۱ - مسلمانوں کو دافع دشمنوں سے مقابلے اور ان سے جنگ کے لیے ابھارنا۔
- ۱۲ - ایسے دشمنوں کی پہچان جو ڈھکے چھپے سازشیں کرتے رہتے ہیں۔
- ۱۳ - ہجرت کی اہمیت اور اس کا ضروری ہونا جبکہ قاسد اور بے معاشرے کا سامنا کرنا پڑے۔
- ۱۴ - میراث کے متعلق مباحث اور جمع شدہ دولت کی وارثوں میں تقسیم۔

### اس سورت کی تلاوت کی فضیلت

ایک روایت کے مطابق حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جو شخص سورہ نسا کی تلاوت کرے گا یا اس نے اس قدر مال و زر راہ خدا میں دیا ہے جتنا کہ سورہ نسا کے حروف سے بطور وارث ہر ایک مسلمان کا حصہ ہے اور اسی طرح اسے اس شخص کے برابر ثواب دیا جائے گا جس نے ایک غلام آزاد کیا ہو۔

دافع ہے کہ اس روایت میں اور اس قسم کی دوسری تمام روایتوں میں صرف آیتوں کا پڑھنا مقصد نہیں ہے، بلکہ پڑھنا تو سمجھنے کے لیے مقدمہ اور تہیہ ہے اور وہ بھی اپنے مقام پر۔

یہ ایک قدم ہے اسے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اپنانے کے لیے یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس سورہ کی آیات سے اپنی زندگی میں ملی نصیحت حاصل کرے تو وہ یہ تمام اجر و ثواب دنیاوی تا شیخ کے علاوہ حاصل کرے گا۔





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 ۱۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَ  
 خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ  
 الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝

ترجمہ

اللہ کے نام سے جو بخشنے والا اور مہربان ہے۔

۱۔ اے لوگو! اپنے اپنے واسے سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک ہی انسان سے پیدا کیا اور اس کی بیوی کو بھی اس کی جنس سے خلق فرمایا اور ان دونوں سے ان گنت مرد اور عورتیں (دوسرے زمین پر) پھیلا دیں۔ اس خدا سے ڈرو جس کی عظمت اور بزرگی کا تم سب اعتراف کرتے ہو اور جب کوئی چیز ایک دوسرے سے ملنکتے ہو تو اسی کے نام سے لیتے ہو۔ (نیز) اپنے رشتہ داروں کے بارے میں (قطع تعلق کرنے سے) پرہیز کرو۔ کیونکہ خداوند عالم تمہارا نگہبان ہے۔

تفسیر

طبقاتی تقسیم اور گروہ بندی کے خلاف جہاد

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ

اس سورہ کی پہلی آیت میں تمام انسانی افراد سے خطاب ہے کیونکہ یہ سورہ ایسے مسائل پر مشتمل ہے جن کے تمام لوگ اپنی زندگی میں متاثر ہیں۔

اس کے بعد تقوٰیٰ اور پرہیزگاری کی دعوت ہے جو کسی معاشرے کو صحیح و سالم اور صحت مند بنانے کے پروگراموں کی بنیاد ہے۔ ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی، میراث کی عادلانہ تقسیم، یتیموں کی حمایت، گھریلو حقوق کی حفاظت اور اسی طرح کے منصوبے ایسے ہیں جو تقوٰیٰ اور پرہیزگاری کی مدد کے بغیر کامیابی کی جہنمی کوششیں چھو سکتے۔



اسی لیے اس سے کہ جو ایسے تمام مسائل پر محیط ہے تقویٰ کی دعوت سے شروع کیا گیا ہے۔

وہ خدا تعالیٰ جو انسان کے سب اعمال کو دیکھنے والا اور ان کی دیکھ بھال کرنے والا ہے اس سورہ کو تقویٰ کی دعوت کے ساتھ شروع کرتا ہے۔

وہ خدا جو انسان کے تمام اعمال کا ناظر ہے تعارف کے طور پر انسان کی ایک ایسی صفت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو انسانی معاشرے کی وحدت و یکگاہی کی جڑ ہے۔

الذی خلقکم من نفس واحدة۔

وہ خدا جس نے تمام انسانوں کو ایک انسان سے پیدا کیا۔ اس بنا پر وہ خیالی اور وہی امتیاز و افتخار جو ہر ایک جماعت نے اپنے لیے گھڑ رکھے ہیں مثلاً امتیازات نسل، لسانی، اطلاقائی، قبائلی اور اس قسم کے دوسرے امتیاز جو جملہ دنیا کی سوسائٹی میں ہزاروں خرابیوں کا سبب بنے ہوئے ہیں، ایک اسلامی معاشرے میں نہیں پائے جانے چاہئیں کیونکہ ان سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ یہ سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں اور ایک ہی گھر سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس امر کو پیش نظر رکھا جائے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا معاشرہ جو ہر سب کا سب قبائلی تعلق کی اہمیت خراب ہو جاتی ہے۔ اسی قسم کی تعبیرات قرآن حکیم کے دوسرے مقامات میں بھی ہیں جن کی طرف اپنا چہنچہ تمام پر اشارہ کیا جائے گا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ نفس واحد سے کون مراد ہے؟ اس سے مراد ایک فرد شخص ہے یا ایک فرد فوجی یعنی (ملک کی جنس)۔ اس میں شک نہیں کہ اس تعبیر کا ظاہری مضمون تو واحد فرد کے بارے میں ہے اور یہ اسی پہلے انسان کی طرف اشارہ ہے جسے قرآن آدم کے نام سے آج کے انسانوں کے باپ کے طور پر متعارف کرتا ہے۔ بنی آدم کی تعبیر متعدد آیات قرآنی میں کی گئی ہے وہ بھی اسی طرف اشارہ ہے اور یہ افعال کرام سے مراد وحدت فوجی ہے بعید معلوم ہو جاتا ہے۔

وخلق منها زوجہا

یہ جملہ بظاہر یہ بتاتا ہے کہ حضرت آدم کی زوجہ حواء انہی سے پیدا ہوئی ہیں بعض مفسرین اس سے یہ بھی ہیں کہ حضرت آدم کی بیوی تو حضرت آدم کے بدن سے پیدا ہوئی ہیں۔ کچھ مجتہد روایتیں یہ بھی کہتی ہیں کہ حضرت حواء آدم کی پسلیوں سے پیدا ہوئی ہیں اور اس پر اسی آیت کو گواہ ٹھہرایا گیا ہے۔ اتو مدت کے سفر تکوین کی دوسری فصل بھی ان ہی مضمون کی وضاحت کرتی ہے اس لیے قرآن کی دوسری آیات کی طرف توجہ کرنے سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں شک و شبہ دور ہو جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خداوند عالم نے حضرت آدم کی بیوی کو انہی کی جنس (جنس بشر) سے پیدا کیا۔

چنانچہ سورہ روم کی آیت مذکورہ میں ہے،

ومن آياته ان خلقکم من انفسکم ازواجاً لتکونوا علیہا

قدرت خدا کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری بیویاں تمہاری ہی جنس میں سے پیدا کی ہیں تاکہ تمہیں ان کی وجہ سے مکرمل حاصل ہو۔

سورہ نمل کی آیت مذکورہ میں فرماتا ہے،





والله جعل لكم من انفسكم ازواجاً

فدانے تمہاری بیویاں تمہاری نفس میں سے بنائی ہیں۔

وامنع بکرا ان دونوں آیتوں میں تمہاری بیویوں کو تم میں سے قسمہ اردیا کے یہ سنی ہیں کہ نہیں تمہاری نفس سے قرار دیا نہ تمہارے اعضاء بدن میں سے۔

اور اسی روایت کے مطابق جو تفسیر مباحثی میں حضرت امام محمد باقر سے منقول ہے حضرت خواجہ حضرت آدمؑ کی بیویوں میں سے خلقت کو غلط قرار دیا گیا ہے۔ نیز یہ وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت خواجہ حضرت آدمؑ کی بیوی جوئی مٹی سے پیدا ہوئی ہیں۔

### حضرت آدمؑ کے بچوں کی شادیاں کس طرح ہوئیں

وبت منھما رجلاً کثیراً و نساء۔

یہ جہلاتا ہے کہ حضرت آدمؑ اور ان کی بیوی سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا ہوئیں۔ اسی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ کے بیٹوں کی نسل کی بہتات حضرت آدمؑ اور ان کی بیوی کے طریقہ سے ہی ظاہر ہوئی تھی اور اس میں کسی تیسرے وجود کا عمل دخل نہ تھا۔ اس منظر کا نتیجہ یہ ہوا کہ آدمؑ کی اولاد بھائی، بہن، ان کے ایک دوسرے سے شادی کی۔ کیونکہ اگر انہوں نے کسی اور نسل کی بیوی سے شادی کی ہوتو فقط منھما ان دونوں پر صادق نہیں آتا۔

یہ موضوع بہت سی حدیثوں میں بھی آیا ہے اور کوئی زیادہ تعجب نیز بھی نہیں ہے۔

کیونکہ اس استدلال کے مطابق جو بعض حدیثوں میں اثر ابی بیت سے مروی ہے یہ شادی بیاہ اس وقت مباح تھا کیونکہ اسی زمانے میں بھائی بہن کی شادی کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ واضح ہے کہ کسی کام کی مخالفت کا دار و مدار اسی بات پر ہے کہ خدا کی طرف سے اس کی حرمت کا حکم آئے یہ بھی ممکن ہے کہ خلقت اور ضرورت کی وجہ سے ایک کام ایک زمانے میں جائز ہو اور اسی کے بعد حرام۔

مگر یہ بھی ہے کہ بعض دوسری حدیثوں میں اس مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت آدمؑ کے بیٹے بیٹیوں کی ایک دوسرے سے شادیاں نہیں ہوئیں۔ اور جو لوگ ایسے شادی بیاہ کا اعتقاد رکھتے ہیں ان پر سخت تنقید کی گئی ہے۔

اگر یہ بنا ہو کہ حدیثیں ایک میں نکراتی ہیں۔ اس لئے جو حدیث قرآن کے مطابق ہو اُسے درست سمجھا جائے تو پھر پہلی ہی بات کو ماننا پڑے گا۔ کیونکہ ان حدیثوں کا مضمون مندرجہ بالا آیت کے عین مطابق ہے۔ یہاں ایک احتمال اور بھی ہے کہ یہ سچا جائے کہ حضرت آدمؑ کے بیٹوں نے اپنے سے پہلے بچے کچھ انسانوں میں شادیاں کی تھیں۔

کیونکہ بعض روایات کے لحاظ سے حضرت آدمؑ روئے زمین کے پہلے انسان نہیں تھے۔ آج کا عملی مطالعہ بھی بتاتا ہے کہ نوحؑ نے تقریباً چند ملین سال پہلے کرۃ زمین پر زندگی بسر کرتی تھی جبکہ حضرت آدمؑ کی تاریخ پیدائش سے کرباب تک کوئی زیادہ مرصہ نہیں گزرا۔ بنا بریں میں یہ مان لینا چاہیے کہ حضرت آدمؑ سے پہلے بھی دوسرے انسان زمین پر رہتے تھے جو ان کی پیدائش کے وقت غم جو رہے تھے تو اسی امر میں کیا رکاوٹ ہے کہ حضرت آدمؑ کے بیٹوں نے اپنے سے پہلے باقی رہنے والے لوگوں میں سے کسی ایک خاندان میں



شادیوں کی جہوں سے

لیکن ہم تحریر کر چکے ہیں کہ یہ احتمال بھی آئے مندرجہ بالا کی ظاہری سمجھت کے ساتھ کوئی خاص مناسبت نہیں رکھتا۔ یہ بہت بحث طلب معاملہ ہے۔ جو تفسیری بحث کی گنجائش سے خارج ہے۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ

وہ اہمیت جو تقویٰ کو کسی صحیح معاشرے کی بنیاد رکھنے کے لیے حاصل ہے۔ وہ اس بات کا سبب بنی ہے کہ لوگوں کو دوبارہ پرہیزگاری اور تقویٰ کی طرف بلایا جائے۔ البتہ یہاں پر ایک جملہ بڑھاپا لگتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: خدا سے ڈرو، جو تہدید نگاہ میں عظمت اور بزرگی کا مالک ہے اور تم جب کسی سے کوئی چیز مانگتے ہو تو اس کا نام لیتے ہو یہ

پھر کہتا ہے: وَالْأَرْحَامَ

یہ لفظ اللہ پر محض ہے۔ اسی لیے مشہور قرأت میں مفتوح و منصوب پڑھا جاتا ہے۔ اس وجہ سے اس کے معنی یہ ہوں گے: وَاتَّقُوا الْأَرْحَامَ یعنی رشتہ داروں کی قطع رحمی سے ڈرو اور یہاں موضوع کا ذکر پہلے تو صراحتی کی انتہائی اہمیت کا پتہ دیتا ہے کہ قرآن اس کا اس قدر قائل ہے کہ اس نے ہر عام کا نام خداوند عالم کے نام نامی اور اسم گرامی کے ساتھ ساتھ لیا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس مطلب کی طرف اشارہ ہے جس کا آیت کے شروع میں ذکر ہوا ہے۔ وہ یہ کہ تم سب کا باپ اور ماں ایک ہی ہیں۔ درحقیقت سب آدم کی اولاد آپس میں ایک دوسرے کی رشتہ دار ہے۔ یہ رشتہ اور ربط ضبط اس بات کا اتفاق کرتے ہیں کہ تم سب انسانوں کے ساتھ چاہے وہ کسی نسل اور قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں اپنے کنبہ کے افراد کی طرح محبت کرو۔

ان الله كان عديكم رقیباً۔

رقیب اصل میں اس شخص کو کہتے ہیں جو بند جگہ سے حالات کا جائزہ لے۔ اس کے بعد کسی چیز کے محافظ و نگہبان کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ کیونکہ نگہبانی کے لیے دیکھنا اور دیکھ بھال کرنا ضروری ہے۔ جو ممکن ہے کہ رقیب کی جگہ کی بلند یا ظاہری نگاہ کے لحاظ سے ہو کہ وہ ایک بلند مقام پر بیٹھا ہوا غراتی کر رہا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ سنوئی لحاظ سے ہو۔ مندرجہ بالا جملہ میں فرماتا ہے: خدا تعالیٰ رقیب ہے اور وہ تمہارے تمام اعمال اور نیتوں کو دیکھتا اور جانتا ہے۔ اور ضمناً یہ مفہوم بھی ہے کہ حوادث میں وہی تمہارا نگہبان بھی ہے۔

”کان“ مندرجہ بالا جملے میں یہ لفظ جو کہ فعل ماضی ہے تاکید کے لیے ہے۔

۱۵ اجالی طور پر دوسرے یا تیسرے نظریہ کو ترجیح دینا چاہیے خصوصاً جگہ روایات بھی موجود ہیں۔ مزید بتلایا کہ بھائی کی شادی کسی معاشرے میں اچھی نہیں سمجھی جاتی۔ یہاں تک کہ وہ معاشرے جو کسی دین کے پیرو بھی نہیں ہیں۔ آیت بھی نص نہیں ظاہر ہے سادہ موافقت اور مخالفت عامہ کا اصول بھی ہے (مترجم)۔

۱۶ تسانون تسانل کے مادہ سے ہے۔ جس کے معنی ایک دوسرے سے سوال کرنے کے ہیں۔ تسانل باللہ کے معنی یہ ہیں کہ لوگ جب ایک دوسرے سے کوئی چیز مانگیں تو اسے تسانل جباللہ تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہتے ہیں اور یہاں کی نفروں میں خداوند عالم کی عظمت کی نشانی ہے۔



۱۔ وَأَتُوا إِلَيْكُمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا  
أَمْوَالَهُم إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ○

ترجمہ

۲۔ یتیموں کے مال (جب وہ باغ و بوائیں) انہیں سے دو اور اپنے جائزے مال (یتیموں کے اچھے مال سے تبدیل نہ کرو اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ٹکریا تبدیل کر کے نہ کھاؤ کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

شان نزول

بنی غطفان قبیلے کے ایک شخص کا بھائی بہت دولت مند تھا۔ وہ دنیا سے مل بسا تو اس کے بھائی نے اپنے یتیم بچوں کی سرپرستی کے نام پر اس کے مال میں تصرف کیا۔ جس وقت اس کا بھتیجا باغ و بوئی تو اس نے اس یتیم کا حق دینے سے انکار کر دیا۔ جب یہ مقدمہ حضرت رسول اکرم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور اس غاصب نے آیت سننے کے بعد توبہ کر لی اور مال اس کے مالک کو واپس کرتے ہوئے کہا:

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْحُبُوبِ الْكَبِيرِ

میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ بڑے گناہ میں آلودہ نہ ہو جاؤں۔

تفسیر

یتیموں کے مال میں خیانت حرام ہے۔ ہر معاشرے میں نت نئے حوادث کی وجہ سے باپ و نیا سے رخصت ہو جاتے ہیں اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچے رہ جاتے ہیں۔

ابو بکرؓ سے معاشرے جو داخلی جنگ میں پھنسے رہتے ہیں۔ جیسے زمانہ جاہلیت کا عرب معاشرہ تھا ان میں یتیم بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے، جنہیں حکومت اسلامی اور ہر ایک مسلمان کی حمایت اور سرپرستی میں رہنا چاہیے۔

آیت مذکورہ بالا میں یتیموں کے مال کے بارے میں تین اہم حکم دیئے گئے ہیں۔

۱۔ وَأَتُوا إِلَيْكُمْ أَمْوَالَهُمْ۔ اس جملے میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب یتیم باغ و بوائیں تو ان کے مال ان کے ہر و گردیئے جائیں۔ یعنی ان کے اموال میں تبدل انصرف صرف زمین، ناظر اور وکیل کی حیثیت سے ہے نہ مالک کے طور پر۔

۲۔ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ۔ اور کبھی ان کے اعلیٰ اور پاکیزہ مال کو اپنے گھٹیا اور ناپاک مال سے تبدیل نہ کرو۔ یہ حکم تو اصل میں ظلم و ستم سے بچنے کے لیے ہے کیونکہ بعض اوقات یتیموں کے سرپرست اس پہانے سے کہ مال کی تبدیلی یتیم کے فائدے میں ہے یا اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور اگر پڑا ہے تو صحیح ہو جائے گا یہ کہہ کر یتیموں کے اچھے



اور غاص مال لے لیتے اور اپنے بڑے اور ناپسندیدہ مال ان کی جگر رکھ دیتے تھے۔

۲۔ وَلَا تَاْكُلُوا اَمْوَالَكُمْ اِلَّا اَمْوَالَكُمْ اور ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ نہ کھاؤ۔ یعنی قیموں کے مال کو اپنے مال کے ساتھ غلط غلط نہ کرو کیوں اس طریقے سے مقصد سب کو اپنی ملک بنانا ہو یا یہ کہ اپنے بڑے مال کو ان کے پھسل میں دلاؤ کہ جس کا نتیجہ قیموں کے حق کی پامالی ہو۔  
بلکہ لایں: "لفظہ" الی دراصل مع ماساتہ کے معنی میں ہے۔

انہ حکان حوہا کبیرا۔

آیت کے آخر میں اس امر کی اہمیت ثابت کرنے کے لیے تاکید فرماتا ہے کہ قیموں کے مال میں اس قسم کی میرا چھری بہت بڑا گناہ ہے۔ ماعذب کتاب مفردات میں کہتا ہے: "در اصل المحو بفتح ایسی ضرورت کے معنی میں ہے جو انسان کو گناہ کی طرف کھینچتی ہے۔"

پھر سر پرستوں کے غلام و ستم قیموں کے مال پر زیادہ تر ضرورت و احتیاج کی وجہ سے یا اس بہانے سے ہوتے ہیں۔ اس لیے آیت مذکورہ میں لفظ "اٹھ" (اگناہ) کی بجائے لفظ "حوہ" استعمال کیا گیا ہے تاکہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو جائے۔

قرآن مجید کا مختلف آیات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اسلام اس امر کی بہت زیادہ اہمیت کا قائل ہے۔ چنانچہ وہ قیموں کے مال میں خیانت کرنے والوں کو بڑی شدت کے ساتھ سزا کی دھمکیاں دیتا ہے۔ وہ قطعی دامن اور حکم جبارتوں کے ساتھ سر پرستوں کو قیموں کے اموال کی کڑی دیکھ بھال کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ جس کی تفصیل چند آیتوں کے بعد اسی سورت میں اور سورہ انفاء کی آیت ۱۱۵۲ اور سورہ اسرہ کی آیت ۲۴ کے ذیل میں آئے گی۔

ان آیتوں کے سخت لب و لہجہ نے مسلمانوں کے دلوں پر اتنا اثر کیا کہ وہ اس سے بھی ڈرنے لگے کہ اپنے اور قیموں کے لیے مشترک رکھنا پکائی۔ اس وجہ سے ان کا کھانا اپنے اور اپنے بھروسے کے کھانے سے الگ پکاتے تھے اور یہ امر دونوں کی تکلیف کا سبب بنتا تھا۔ اس لیے سورہ بقرہ کی آیت ۲۲۰ میں انہیں یہ اجازت دی گئی کہ اگر ان کا مقصد اپنے مال یا کھانے کے ساتھ قیموں کے مال اور کھانے کو مخلوط کرنے سے خیر خواہی اور اصلاح ہو تو اس صورت میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ مزید توضیح کے لیے سورہ بقرہ کی اسی آیت کے ذیل میں تفسیر نور کی دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیے۔

۳۔ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَمِينِ فَأَنْتُمْ حَوَامِلُ لَكُمْ مِنَ  
النِّسَاءِ مِثْنِي وَتِلْكَ وَرُبْعٌ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةٌ أَوْ  
مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ آدَتِي أَلَّا تَعُولُوا

اور اگر تم کو اس بات کا ڈر ہو کہ تم عینوں سے شادی کی صورت میں ان سے انصاف نہ کر سکو گے تو (ان سے شادی

ترجمہ



کرنے سے صرف نظر کرو اور دوسری پاک عورتوں سے نکاح کرو، دو یا تین یا چار بیویاں اور اگر تم کو ڈر ہو کہ متعدد بیویوں کے بارے میں عدل طوعاً و نکرہ نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر قناعت کرو اور یا جن عورتوں کے تم مالک ہو ان سے استفادہ کرو۔ یہ طریقہ بہتر طور پر ظلم و ستم سے محفوظ رکھتا ہے۔

### شان نزول

اس آیت کے بارے میں ایک خاص شان نزول منقول ہے اور وہ یہ کہ قبل از اسلام اہل مجاز کفالت و سرپرستی کے لیے یتیم بچیوں کو اپنے گھر لے جاتے تھے اور پھر ان سے شادی کے ان کے مال کو اپنی ملکیت بنالیتے تھے کیونکہ سب کچھ انہی کے ہاتھ میں ہوتا تھا یہاں تک کہ ان کا حق مہر بھی معمول سے کم مقرر کرتے تھے۔ اور اگر ان سے معمولی سی تکلیف بھی پیدا ہوتی تو آسانی سے انہیں پھوڑ دیتے اور وہ اس بات پر تیار نہ ہوتے کہ ایک عام بیوی کی حیثیت سے ہی ان سے تعلق باقی رکھیں۔

ان حالات میں مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی جس میں یتیموں کی سرپرستی کرنے والوں کو حکم دیا گیا کہ اگر وہ یتیم و لکیوں سے شادی کریں تو ان کے بارے میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھیں اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو پھر ان سے شادی نہ کریں اور دوسری عورتوں میں سے شادی کے لیے کسی کو منتخب نہ کریں۔

و ان خفتتم الا تقسطوا فی الیسا من فانکحوا.....

گہشتہ آیت میں یتیموں کے مال کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ اب اس آیت میں ان کے ایک اور حق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیم و لکیوں سے شادی کے وقت تم متوق نہ ہو جیت اور ان کے مال کے بارے میں عدل و انصاف نہ کر سکو گے تو ان سے شادی نہ کرو اور دوسری عورتوں میں سے انتخاب نہ کرو۔

جو کچھ کہا جا چکا ہے اس پر نظر رکھتے ہوئے آیت کی تفسیر مکمل طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ اس سے اس اعتراض کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ آیت کے شروع میں یتیموں کا ذکر ہے اور اس کے آخری حصے میں ازدواج کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اور یہ اذول ظاہر ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت کے ذیل میں شادی بیاہ کا تذکرہ ہے البتہ آیت کی ابتداء میں کہا گیا ہے کہ اگر تم یتیموں سے شادی کے سلسلے میں عدل و انصاف سے کام نہیں لے سکتے تو پھر کیا ہی اچھا ہے کہ اس سے صرف نظر کرو اور شادی کے لیے ان یتیم و لکیوں کی بجائے دوسری عورتوں میں سے کسی کو منتخب نہ کرو۔

مفسرین نے اگرچہ اس سلسلے میں بہت سی مختلف باتیں کی ہیں لیکن جو کچھ خود آیت سے سمجھ میں آتا ہے وہ وہی ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں یعنی آیت یتیموں کے سرپرستوں سے مخاطب ہے جنہیں گہشتہ آیت میں یتیموں کے مال کی حفاظت کے بارے میں مختلف احکام دیے جا چکے ہیں اور اس آیت میں ان سے یتیموں سے شادی کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے کہ جیسے انہیں یتیموں کے اصول میں عدل و انصاف سے کام لینا چاہیے اسی طرح یتیم و لکیوں سے شادی کی صورت میں بھی انتہائی توجہ سے ان کے حقوق کو ملحوظ نظر رکھنا چاہیے ورنہ ان سے شادی نہیں کرنا چاہیے اور دوسری عورتوں کو منتخب کرنا چاہیے۔



اس آیت کی تفسیر کے بارے میں دیگر خواہد کے علاوہ اس سورہ کی آیت ۱۲۴ بھی ہے جس میں صراحت سے تیم لوکیوں سے شادی کرنے کے لیے عدل کو ملحوظ خاطر رکھنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی وضاحت اسی آیت کے ضمن میں آئے گی۔ اس سلسلے میں مذکور روایات بھی اسی تفسیر کی تائید کرتی ہیں۔

دوسری روایت جو امیر المومنین حضرت علیؑ کے حوالے سے بیان کی گئی ہے کہ اس آیت کے اقول و آخر کے درمیان قرآن کافی مقدار میں تقابیر مضاف ہو گیا ہے۔ تو اس سلسلے میں واضح رہے کہ یہ روایت سند کے لحاظ سے کسی طرح بھی مستبر نہیں ہے۔ ایسی احادیث جو قرآن کی تخریف یا اس کے بعض حصوں کے خورد برد جو جانے کے بارے میں ہیں دراصل قرآن کا اعتبار گنولنے کے لیے اسلام دشمنوں اور منافقوں کی طرف سے گھڑی گئی ہیں یا بعض افراد جو آیت کے آغاز و انجام کو نہیں سمجھ سکے انہوں نے فرض کیا ہے کہ بیچ میں سے کچھ حذف یا مضاف ہو گیا ہے اور آہستہ آہستہ ان کا یہ غرض روایت کی شکل اختیار کر گیا ہے جبکہ ہم جان چکے ہیں کہ آیت کے بجائے ایک دوسرے سے مکمل ربط رکھتے ہیں۔

## ثنی و ثلاث و رباع

نفلت میں ثنی کا معنی ہے دو دو، ثلاث کا تین تین اور رباع کا چار چار۔ آیت میں دئے تین جو کہ تمام مسلمانوں کی طرف ہے اس لیے اس کا معنی یوں ہو گا۔ تیم لوکیوں پر ظلم و ستم سے بچنے کے لیے تم ان سے شادی کرنے سے اجتناب کرو اور ان کی بجائے بی عورتوں سے شادی کرو جن کی معاشرتی اور خاندانی حیثیت ایسی ہو جو تمہیں ان پر ظلم کرنے کی اجازت نہ دے اور تم ان میں سے دو یا تین یا چار عورتوں سے شادی کر سکتے ہو۔ البتہ مخاطب چونکہ تمام مسلمان ہیں اس لیے دو دو یا تین تین یا چار چار کہا گیا ہے ورنہ اس میں شک نہیں کہ زیادہ سے زیادہ بیویوں کی تعداد وہ بھی خاص شرائط کی موجودگی میں، چار ہے۔

اس نکتے کا ذکر بھی ضروری ہے کہ مندرجہ بالا جملے میں واؤ دراصل "او" (یا) کے معنی میں ہے اور اس کا مقصد یہ نہیں کہ وہ کے بعد مزید تین اور میں کے بعد مزید چار کہیں کہ اس طرح تو نو تین جاتی ہیں اور اگر مقصود یہی ہوتا تو صراحت سے نو کہا جاتا نہ کہ اس طرح سے ایک دوسرے سے الگ اور پیچیدہ طریقے پر ہوتا۔ علاوہ ازیں فقہ اسلامی میں یہ مسئلہ ضروریات دین میں سے ہے کہ چار سے زیادہ بیویاں کرنا مطلقاً ممنوع ہے۔

بہر حال مندرجہ بالا آیت تعدد ازواج کے لیے مرتب دلیل ہے البتہ ان شرائط کے ساتھ جن کی طرف جلد اشارہ کیا جائے گا۔

فان حقتم الا تعدلوا فواحدة

اس کے بعد فوراً کہا گیا ہے کہ یہ اجازت مکمل عدالت کو ملحوظ رکھنے سے مشروط ہے اور اگر عدالت نہیں کر سکتے تو اسی ایک بیوی پر اکتفاء کرو تا کہ دوسروں پر ظلم و ستم کرنے سے بچ سکو۔

۱۷ نورانی تفسیر، جلد اول صفحہ ۱۵۷ اور تفسیر اندر نظر آیت کے ذیل میں۔





اور مملکت ایسا نکد۔ — یا کسی اور بیوی کے انتخاب کی بجائے جو کنیز تباری ملکیت ہے اس سے استفادہ کرو  
کیونکہ ان کی شرائط آسان ہی ہیں اگرچہ انہیں بھی ان کے حقوق اور اکیے جانا چاہئیں۔

ذٰلِكَ اَدْنٰی اَلَا تَعْلَمُوْنَ — یہ دیوی یا کنیز کے پناؤ کا کام ظلم و ستم اور عدالت سے انحراف سے بہتر چارہ کرتا ہے  
غلامی کے مسئلے کے بارے میں اور اس سلسلے میں اسلام کے تقریبے کے متعلق متعلقہ آیات میں تفصیلی بحث کی جائے گی۔

### بیویوں سے عدالت کا مفہوم

اس سے قبل کہ ہم اسلام میں بیویوں کی تعداد کے فلسفہ پر بات کریں ضروری ہے کہ اس امر پر بحث کی جائے کہ بیویوں سے  
عدالت کا کیا مفہوم ہے کیونکہ اسے بیویوں کی تعداد کے سلسلے میں ایک شرط کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔  
کیا یہ عدالت محض زندگی سے مربوط ہے، خفہ ہم بستری، دوسانہ زندگی کی فراہمی، بہورت اور آسائش و آرام جیسا کہ نایا  
اس سے مراد مریم و دل اور جذبات انسانی کی عدالت بھی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ محبت و الفت کے معاملے میں عدالت کو قدرت انسانی سے خارج معاملہ ہے۔ کون ایسا شخص ہے  
جو جذبہ محبت پر سہرا لگاتے دسترس رکھے جب کہ اس کے حواہل اس کی اپنی ذات سے باہر ہیں۔ اس بناء پر خدا تعالیٰ نے اس  
بارے میں عدالت کو واجب قرار نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ اسی سورہ نسا کی آیہ ۱۲۹ میں فرماتا ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ

تم جس قدر بھی کوشش کرو اپنی بیویوں کے درمیان (عقلی میلانات کے لحاظ سے) عدالت و مساوات  
برقرار نہیں رکھ سکتے۔

لہذا اندرونی محبت جب تک عملی پہلوؤں کی بناء پر بعض بیویوں کی ترجیح کا سبب نہ بنے منوع نہیں ہے۔ مرد پر جو  
زبرداری ہے وہ عملی اور خارجی پہلوؤں کے بارے میں عدالت سے متعلق ہے۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ زیر بحث آیت — وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَا تَعْدِلُوْا فَوَلَّعْهُ اَوْرَاقِ  
وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ کو آپس میں ٹکرا کر منسک قرار دے کر یہ نتیجہ نکالیں کہ تعدد ازواج  
اسلام میں مطلقاً منوع ہے، وہ بہت ہی بڑے اشتباہ کا شکار ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ایک آیت میں عدالت کو اس سلسلے میں  
شرط قرار دیا گیا ہے اور دوسری میں اس سلسلے میں مردوں کے لیے عدالت کو نا محال قرار دیا گیا ہے اس لیے ایک سے زیادہ  
شادی منوع ہے اور یہی ان کا اشتباہ ہے کیونکہ جیسا کہ اشارہ ہو چکا ہے کہ وہ عدالت جو انسان کے بس میں نہیں ہے وہ عقلی میلان  
سے متعلق ہے اور یہ تعدد ازواج کی شرائط میں شامل نہیں اور جو عدالت شرائط میں سے ہے وہ عملی پہلوؤں سے متعلق ہے۔ اس کی شاہد  
سورہ نسا کی آیت ۱۲۹ ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے:

فَلَا تَعْلَمُوْا حٰكَمَ الْعَمَلِ خَيْرٌ وَّ هَا كَالْمَعْلَقَةِ

اب جب کہ تم محبت کے سلسلے میں اپنی بیویوں سے مکمل مساوات نہیں کر سکتے تو کم از کم سب میلان ایک





ہی کی طرف نہ دیکھ کر کہیں دوسری کو مقلی بنا کر ہی رکھ دو۔

خلاصہ یہ کہ ان لوگوں نے آیت کے کچھ حصے کو تراستہ کہہ دیا ہے اور کچھ کو فراوشی کر دیا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ تعددِ ازدواج کے فہم میں ایسے اشتباہ و شکار ہو گئے ہیں جو ہر محقق کے لیے باعثِ تعجب ہے۔

ملاوہ ازیں فقہ اسلامی اور اس کے مختلف منابع و مصادر کے مباحث سے، اہل تشیع اور اہل سنت میں تعددِ ازدواج اور اس کی شرائط کے بارے میں کوئی اختلاف و نزاع نہیں ہے بلکہ اس کا شمار فقہ اسلامی کی ضروریات اور بدیہیات میں ہوتا ہے۔ اب ہم اس اسلامی حکم کی حکمت و فلسفے کی طرف لوٹتے ہیں۔

### تعددِ ازدواج ایک اجتماعی ضرورت

مندرجہ بالا آیت میں تعددِ ازدواج کو (سخت شرائط اور معین حدود کے ساتھ) جائز قرار دیا ہے۔ اب ہم ان سوالات اور محلوں کا سامنا کریں گے جو مخالفین نے سطحی مطالعہ اور بے شعور اساسات کے باعث کیے ہیں۔ اہل مغرب بالخصوص اس سلسلے میں بہت اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے مردوں کو حرم سرا بنانے اور تعدادِ بیویاں رکھنے کی اجازت دے دی ہے حالانکہ اسلام نے اس طرح سے حرم سرا کی تشکیل کی اجازت نہیں دی جیسے ان کا خیال ہے اور نہ ہی تعداد اور فیہر مشروط بیویوں کی اجازت دی ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ قبل از اسلام کے مختلف معاشروں کی کیفیت کا مطالعہ کرنے سے ہم اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ فیہر محدود طور پر تعددِ ازدواج ان میں ایک عام سی چیز تھی۔ یہاں تک کہ بعض بہت پرست و محب مسلمان جو تھے تو ان کی دس سے بھی زیادہ بیویاں تھیں لہذا تعددِ ازدواج کی بنیاد اسلام نے نہیں رکھی اور نہ کوئی نئی ایجاد ہے بلکہ اسلام نے تو اسے انسانی زندگی کے تقاضوں کی روشنی میں محدود کر دیا ہے اور مزید یہ کہ اس کے لیے سخت قسم کی شرائط اور قیود مقرر کر دی ہیں۔

اسلامی قوانین انسان کی حقیقی ضروریات کے گرد گھومتے ہیں۔ یہ قوانین پراپیگنڈا اور جذبات کی رد میں برک نہیں بنائے گئے۔ تعددِ ازدواج کا معاملہ بھی اسلام نے اپنے اسی مزاج کے مطابق پیش کیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ زندگی کے گونا گوں حوادث میں مرد عورتوں کی نسبت موت کے خطرات سے زیادہ دوچار ہوتے ہیں۔ جنگوں اور دیگر حوادث میں زیادہ تر مرد ہی موت کا شکار ہوتے ہیں۔ نیز اس کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عورت کی نسبت مرد کی جنسی زندگی کہیں زیادہ طولانی ہوتی ہے۔ کیونکہ عورتیں ایک عرصے کے بعد اپنی جنسی آمادگی کھو بیٹھتی ہیں جبکہ مردوں کا معاملہ مختلف ہے نیز ایامِ باجواری اور جمیع عمل کے کچھ دنوں میں عملی طور پر عورتوں کے لیے جنسی غائب منوج ہے جبکہ مردوں کے بارے میں ایسی کوئی بات نہیں۔

ان تمام باتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے بعض پہلو اور بھی قابلِ توجہ ہیں۔ بعض عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو مختلف وجوہ کی بنا پر اپنے شوہروں سے محروم ہو جاتی ہیں۔ اسی صورت میں وہ مردوں کے لیے اس پہلو سے قابلِ توجہ نہیں ہوتیں کہ وہ ان کے پہلے شوہروں۔ اب اگر تعددِ ازدواج کی سہولت نہ ہو تو وہ ساری عمر فیہر شوہر کے بیٹھی رہیں۔ اکثر اخبارات و جرائد میں ایسی خبریں پھرتی ہیں کہ بعض ایسی بیوہ عورتیں ہیں جو تعددِ ازدواج کے محدود ہونے کے باعث اپنی زندگی کی بے سرد سامانی پر شکوہ کناں ہیں اور مردوں کی طرف سے ایک سے زیادہ شادیاں نہ کرنے کو اپنے ساتھ ایک ظالم سلوک تصور کرتی ہیں۔



ان محتاجی کو ایسے مواقع پر سامنے رکھیں کہ جہاں مرد اور عورت کے درمیان توازن قائم ہو جاتا ہے تو ہم مجبور ہیں کہ ذیل کی تین چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جائے۔

۱۔ برسرِ عورت میں مرد ایک ہی بیوی پر قناعت کریں اور جو عورتیں بیچ جائیں وہ تمام عمر بغیر شوہر کے گزار دیں اور تمام فطری تقاضوں اور اندرونی خواہشات کو دبائے رکھیں۔

۲۔ مرد قانونی طور پر تو ایک ہی بیوی رکھیں لیکن آزاد اور غیر شرعی جنسی روابط بے شوہر عورتوں سے رکھیں اور انہیں داشتہ بنا کر رکھیں۔

۳۔ جو لوگ ایک سے زیادہ بیویاں رکھ سکتے ہیں اور جہاں، مالی اور اخلاقی لحاظ سے انہیں کوئی اور مشکل درپیش نہ ہو نیز وہ اپنی بیویوں اور بچوں کے درمیان کامل عدالت قائم رکھ سکیں انہیں اجازت دی جائے کہ وہ اپنے لیے ایک سے زیادہ بیویوں کا انتخاب کر لیں۔

پر مسئلہ ہے کہ ان تین راستوں کے علاوہ کوئی اور راستہ موجود نہیں۔

پہلے راستے کے انتخاب کا مطلب یہ ہے کہ ہم انسان کی فطرت، سرشت اور روحانی و جسمانی ضروریات کے خلاف جنگ کریں اور ایسی عورتوں کے جذبات و احساسات کی پروا نہ کریں اور یہ وہ جنگ ہے جس میں کامیابی کی کوئی امید نہیں اور اگر غرض کرنا کہ ایسا ہو جائے تو اس طرزِ عمل کے حیران کن پہلو کسی سے مخفی نہیں ہیں۔

دوسرے نقطوں میں تعددِ ازدواج کا مسئلہ ضرورت کے مواقع پر صرف پہلی بیوی کی آنکھ کے دریچے سے نہیں دیکھا جانا چاہیے بلکہ اس کا مطالعہ دوسری بیوی کی آنکھ کے دریچے سے کیا جانا چاہیے جو لوگ پہلی بیوی کی مشکلات کو دوسری بیوی کے معاملے میں شال بناتے ہیں وہ دراصل تین زادوں کے سامنے کھڑے ہو کر صرف ایک زاویے سے دیکھتے ہیں کیونکہ تعددِ ازدواج کا مسئلہ مرد کی نگاہ کے زاویے سے، پہلی بیوی کی نگاہ کے زاویے سے اور دوسری بیوی کی نگاہ کے زاویے سے دیکھا جانا چاہیے اور ان تینوں کے مفادات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس باب سے میں فیصلہ کیا جانا چاہیے۔

دوسری راہ کے انتخاب کا مطلب ہے کہ نفس اور قیاس کا موں کو قانونی حیثیت دے دی جائے اور عورتوں کو داشتہ کی حیثیت سے جنسی لذتوں کے لیے استعمال کیا جائے، ان کے لیے نہ اطمینان و سکون ہو اور نہ ان کا کوئی مستقبل اور دراصل ان کی شخصیت کو روند ڈالا جائے۔ یہ کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے کوئی عقلمند انسان تجویز کرے۔

لہذا صرف تیسرا طریقہ باقی رہ جاتا ہے جو عورتوں کی فطری خواہشات اور طبی ضروریات کا حل بھی ہے اور نفس و قیاس امور کے برے نتائج اور تباہ کن زندگی سے عورتوں کی نجات کا راستہ بھی ہے۔ اسی طرح سے عورت معاشرے کو بھی گراہیب گناہ سے نکال دے گی۔

اب تو جہاں رہے کہ تعددِ ازدواج کا جواز اگرچہ معاشرے کی ایک ضرورت ہے اور اسلام کے مسلم احکام میں سے ہے لیکن موجودہ زمانے میں اس کی شرائط کی تکمیل گزشتہ زمانے سے بہت مختلف ہے کیونکہ گزشتہ زمانے میں زندگی سادہ اور سببسی تھی لہذا عورتوں میں کامل مساوات کا تصور کتنا آسان تھا اور زیادہ تر لوگ اس سے عہدہ برا ہو لیتے تھے لیکن ہمارے زمانے



میں جو شخص اس قانون سے استفادہ کرنا چاہے اُسے چاہیے کہ ہر لحاظ سے عدالت کو ملحوظ خاطر رکھے۔ اگر وہ ایسا کر سکے تو یہ اقدام کرے اور بنیادی طور پر یہ قدم ہوا جو بس کی بنیاد پر نہیں ہونا چاہیے۔

تعب کی بات ہے کہ اہل مغرب کی طرح جو لوگ تعدد ازدواج کے مخالف میں اپنی تاریخ میں ایسے حوادث کا شکار رہے ہیں جن سے ان کی یہ ضرورت مکمل طور پر واضح ہو گئی ہے مثلاً دوسری مالی جنگ کے بعد جنگ زدہ ممالک میں خصوصاً جرمنی میں اس کی سخت ضرورت کا احساس ہوا۔ یہاں تک کہ ان کے بعض منکرین تعدد ازدواج کے ممنوع ہونے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہوئے تاکہ مشکل کا کوئی حل نکل سکے۔ بات یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے "الازہر" سے رجوع کیا اور ان سے تعدد ازدواج کے بارے میں اسلامی حکم کی تفصیلات منگوائیں اور اس پر تحقیق و مطالعہ شروع کیا لیکن کلیسا نے ان پر سخت حملے اور تنقیدیں کیں جن سے مجبور ہو کر انہیں یہ پروگرام چھوڑنا پڑا اور پھر اس کا نتیجہ مشتاک فحاشی اور وسیع بے صداہ رومی کی صورت میں نکلا کہ جس نے تمام جنگ زدہ ملکوں کو اپنی پیٹ میں لے لیا۔

ان تمام باتوں کو چھوڑتے ہوئے اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعض مرد ایک سے زیادہ بیویوں کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ اگر یہ میلان صرف ہوا جو بس کی بنیاد پر تو شک ہے اعتقاد نہیں کرنا چاہیے لیکن بعض اوقات بیوی بانہہ ہوتی ہے اور مرد کو اولاد کی شدید خواہش ہوتی ہے اس صورت میں مرد کی خواہش منطقی ہوتی ہے یا بعض اوقات مرد کی خواہشات منہی شدید ہوتی ہے جبکہ اس کی پہلی بیوی مرد کی اس فطری خواہش کی تکمیل کی طاقت نہیں رکھتی بلکہ اس مرد دوسری شادی کے لیے اپنے آپ کو مجبور سمجھتا ہے یہاں تک کہ جائز طریقے سے تکمیل خواہش نہ ہونے کی صورت میں وہ غیر شرعی قدم اٹھاتا ہے ان مواقع پر بھی دوسری شادی کے لیے مرد کی خواہش کے منطقی ہونے کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس بنا پر جن ممالک میں قانوناً ایک سے زیادہ شادیاں ممنوع ہیں ممالک مختلف عورتوں سے مختلف صورتوں میں ارتباط بالکل موجود ہے اور ایک ہی مرد ایک ہی وقت میں مختلف عورتوں سے ناجائز تعلقات استوار کیے جاتا ہے۔

مشہور فرانسیسی مورخ گوستا دلوپون تعدد ازدواج کے بارے میں اسلامی قانون جو کہ محدود و مشروط ہے کو دین اسلام کی خوبیوں میں سے شمار کرتا ہے۔ وہ یورپ کے مردوں کے متعدد محدودوں سے آزادانہ ناجائز روابط کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

مغرب میں بھی جہاں کی آب و ہوا اور وضع طبعیت اگرچہ اس رسم (تعدد ازدواج) کو قبول نہیں کرتی پھر بھی ایک بیوی کا ہونا ایک ایسی چیز ہے جو صرف قانون کی کتاب میں دکھائی دیتی ہے ورنہ مجھے یگانہ نہیں کہ اس بات کا انکار کیا جائے کہ ہمارے معاشرے میں اس رسم کے آثار نہیں ہیں۔ واقعات میں حیران ہوں اور میں نہیں جان سکا کہ مشرق کے جائز اور محدود تعدد ازدواج کے نظریے میں مغرب کے سکالز اور فریب و حذر تعدد ازدواج کے حوالے سے کیا کمی ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ پہلا طریقہ دوسرے کی نسبت ہر لحاظ سے بہتر اور زیادہ شائستہ ہے۔

البتہ اس بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعض مسلمان مذاہب اس اسلامی قانون کی روح کے منافی اس سے خود استفادہ



کرتے ہیں اور شرناک مہریتے سے اپنے لیے بیویاں میا کرتے ہیں اور اپنی بیویوں کے حقوق میں تجاوز کرتے ہیں لیکن یہ قانون کی خلاف ورسی  
اور ان لوگوں کے کردار کو اسلامی قوانین کے کھاتے میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ کون سا ایسا قانون ہے جس سے نابالغ خاتون نہ منع کیا  
جاتا ہو۔

## ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا احکامات و کوائف بعض عورتوں کے لیے پیدا ہو جائیں تو کیا اس صودت میں عورت کو  
بھی دو شوبہروں کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

اس سوال کا جواب کوئی زیادہ مشکل نہیں ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ عوام میں شہور بات کے برعکس مردوں میں عورتوں کی نسبت جنسی میلان کہیں زیادہ ہوتا ہے۔  
— علی کتابوں میں جنسی مسائل سے مرعوط بیماریاں زیادہ تر عورتوں کے بارے میں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک عورتوں  
کی سرد مزاجی بھی ہے جبکہ مردوں میں معاملہ اس کے برعکس ہے یہاں تک کہ دوسرے جانداروں میں سے دیکھا گیا ہے کہ جنسی حاجت  
کا اظہار عموماً پہلے نر کی طرف سے ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تعدد ازواج مرد کے بارے میں کوئی اجتماعی اور حقوق سے متعلق مشکل پیدا نہیں کرتا جبکہ عورتوں کے  
لیے اگر بالفرض دو شوبہروں کو بہت سی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ ان میں سے ایک مادہ سائنس پر ہے کہ بچے کا نسب پہلے  
ہو جاتا ہے اور اس کے بارے میں علم نہیں ہوتا کہ وہ کس شہر کا ہے اور یہ مسلم ہے کہ ایسا بچہ ان میں سے کسی مرد کی شفقت کا  
مرکز نہیں بن سکے گا یہاں تک کہ بعض علماء کا نظریہ ہے کہ جس بچے کا باپ میہول ہوا ہے اس کی محبت بھی بہت کم میرٹے گی۔  
ایسے بچے محبت و شفقت سے تو بالکل محروم رہیں گے ہی، حقوق کے لحاظ سے بھی ان کی کیفیت بالکل مبہم ہو جائے گی۔

شاید وضاحت کی ضرورت نہ ہو کہ انعقاد نطفہ سے بچنے کے لیے برتنہ کنٹرول کے طریقوں سے استفادہ مثلاً گویاں وغیرہ  
استعمال کرنا کسی بھی طریقہ ان بخش نہیں ہے اور یہ طریقہ بچہ نہ بچنے کی یقینی دلیل نہیں بن سکتے کیونکہ بہت سی ایسی عورتیں ہیں جنہوں  
نے ان طریقوں کو استعمال کیا ہے یا طریقہ استعمال میں اشتباہ کیا ہے اور اس کے باوجود بچہ پیدا ہو گیا ہے بلکہ کوئی عورت بھی  
امتناد سے تعدد ازواج کے لیے تیار نہیں ہو سکتی۔

ان وجوہات کی بناء پر عورتوں کے لیے مختلف شوبہروں کا ہونا منطقی نہیں ہو سکتا جبکہ مردوں کے لیے ان حالات کو  
سامنے رکھتے ہوئے منطقی بھی ہے اور اعلیٰ بھی۔

۴۔ وَاتُوا النِّسَاءَ صَدُقَتِهِنَّ مَخْلَّةً ۖ فَإِنْ طَلَبْنَ لَكُمْ مِنْ شَيْءٍ مِنْهُ  
فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا ۝



## ترجمہ

۴ اور عورتوں کا حق مہر اپنے اوپر بالکل ایک قرض سمجھتے ہوئے دیا ایک عطیہ کے طور پر، انہیں ادا کروا اور اگر وہ راضی خوشی اس میں سے کوئی چیز تمہیں بخش دیں تو اسے حلال اور مناسب سمجھتے ہوئے استعمال کرو۔

## تفسیر

”مخلۃ“ لغت میں قرض کے معنی میں بھی آیا ہے اور بخشش و عطیہ کے معنی میں بھی۔  
راغب اپنی کتاب مفردات میں کہتا ہے:

میرے نظریے کے مطابق یہ لفظ نخل (جس کا معنی شہد کی مکھی ہے) کے مادہ سے ہے کیونکہ بخشش و عطیہ شہد کی مکھیوں کے کام یعنی شہد دینے سے شباہت رکھتا ہے۔  
”صدقاتھن“ ”صدق“ کی جمع ہے جس کا معنی ہے ”مہر“۔

گہ مشرۃ آیت میں بیوی کے انتخاب کے بارے میں تنگدستی اب اس آیت میں عورتوں کے ایک سلسلہ حق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ آیت تاکید کرتی ہے کہ عورتوں کا حق مہر بالکل ایک قرض کی طرح ادا کرو یعنی جیسے دوسرے قرضوں کی اور انکی کاپال رکھتے ہو کہ ان میں سے کوئی چیز کم نہ ہو، حق مہر ادا کرتے وقت بھی تباہی کی حالت ہونا چاہیے یا اس صورت میں ہے اگر خلۃ کا معنی قرض یا جائے، اور اگر اس کا معنی عطیہ اور بخشش کیا جائے تو پھر آیت کی تفسیر اس طرح ہوگی، حق مہر کو ایک عطیہ اپنی ہے اور خدائے اسی لیے مقرر کیا ہے کہ معاشرے میں عورت کے حقوق زیادہ ہوں اور اس کی جسمانی کمزوری کی اس طرح سے تخافی ہو جائے، اسے مکمل طور پر ادا کرو۔

فان طہین لکھن منی، منہ نفسا فحکلوہ ہنیشا مویشا

آیت کی ابتدا میں حقوق نسواں کی حفاظت کے لیے مراعت سے حکم دیا گیا ہے کہ تمام حق مہر انہیں ادا کر دیں آیت کے ذیل میں طریق کے امساات کا احترام کرتے ہوئے، تعلی و رشتوں کے استحکام اور باہمی محبت کے فروغ کے لیے ارشاد فرمایا گیا ہے، اگر عورتیں پوری رضا و رغبت سے اپنے مہر میں سے کچھ مقدار بخش دیں تو وہ تباہ سے بچے حلال اور شائستہ ہے یا اس لیے ہے تاکہ باہمی زندگی میں صرف تنگ قانون اور کیے ہی نہ چلتے رہیں بلکہ متوازی طور پر محبت و الفت کے جذبہ حکم فرما ہوں۔

## حق مہر عورت کے لیے ایک معاشرتی سہارا ہے

زمانہ جاہلیت میں چونکہ لوگ عورت کی قدر و قیمت کے قائل نہیں تھے اس لیے اکثر اوقات حق مہر جو کہ عورت کا مسلم حق ہے وہ اسی کے والیوں کو دے دیتے تھے اور اسے ان کا مسلم حق سمجھتے تھے۔ بعض اوقات ایک عورت کا حق مہر دوسری عورت کی شادی کو قرار دیتے تھے مثلاً ایک مہجائی اپنی بہن کی شادی کسی سے کرتا تو اسے بھی مقابلے میں اپنی بہن اسے دینا پڑتی اور

ان دونوں صورتوں کو بھی حق مہر ہوتا۔

اسلام نے ان تمام ظالمانہ رسوم پر خط بطلان کھینچ دیا اور حق مہر کو مخصوص طور پر عورت کا مسلم حق قرار دیا اور آیات قرآنی میں بار بار مردوں کو اس حق کی مکمل ادائیگی کی نصیحت کی۔

اسلام میں حق مہر کے لیے کوئی مقدار معین نہیں کی گئی اور اس کا انحصار میاں بیوی کی باہمی رضا مندی پر ہے اگرچہ بہت سی روایات میں تاکید کی گئی ہے کہ حق مہر زیادہ نہیں ہونا چاہیے لیکن یہ کوئی لازم و واجب حکم نہیں ہے بلکہ مستحب حکم ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرد اور عورت شادی اور مباشرت سے یکساں عہد پر بہرہ مند ہوتے ہیں اور میاں بیوی کا رشتہ طرفین کے باہمی فائدے میں قائم ہوتا ہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ مرد کم یا زیادہ مال عورت کو حق مہر کے طور پر دے۔ کیا اس طرح اس حکم سے عورت کے مقام پر ذہنی بڑتی اور شادی بیاہ میں خرید و فروخت کی صورت نہیں بن جاتی؟ اسی وجہ سے بعض لوگ حق مہر کی شدید مخالفت کرتے ہیں۔ مغرب میں چونکہ اس کا مہمل نہیں ہے اسی لیے مغرب زندہ لوگ خاص طور پر یہ مخالفت کرتے ہیں حالانکہ حق مہر کے نہ ہونے سے عورت کے مقام میں تو کوئی اضافہ نہیں ہوتا لیکن اس طرح وہ خطرے سے ضرور دوچار ہو جاتی ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ عورت اور مرد یکساں طور پر ازدواجی زندگی سے فائدے اٹھاتے ہیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ علیحدگی کی صورت میں عورت کو زیادہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ فنکار جسمانی استغلا کی بناء پر مرد عموماً معاشرے میں زیادہ نفوذ اور تسلط کا حامل ہوتا ہے اگرچہ بعض لوگ بات کرتے وقت اس واضح حقیقت کا انکار کر دیتے ہیں لیکن انسان کی اجتماعی زندگی کی کیفیت جو آنکھوں کو نظر آتی ہے یہ ہے کہ زیادہ آمدنی والے کام زیادہ تر مردوں کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں۔ خود یورپ کی بھی یہی حالت ہے جہاں اصطلاحی طور پر عورتیں مکمل آزادی سے چمکنے لگی ہیں۔

ملاوہ ازیں مردوں کے لیے نئی بیوی کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں لیکن یہ وہ عورتیں خصوصاً جب ان کی عمر کا کچھ حصہ گزر چکے اور وہ جوانی و زیبائی کا سرمایہ ختم کر چکی ہیں تو نئے شوہر کے لیے ان کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں حقیقت میں حق مہر ایک ایسی چیز ہے جو عورت کے لیے اس کے خسارے کی تلافی کا ذریعہ ہے اور آئندہ زندگی کے محفوظ رکھنے کا وسیلہ ہے۔ ملاوہ ازیں حق مہر عموماً مرد کو علیحدگی اختیار کرنے اور اسے طلاق دینے کے میلانات سے روکنے کے لیے ایک بریک (BRAKE) کا کام دیتا ہے۔

یہ درست ہے کہ قوانین اسلام کی رو سے رشتہ ازدواج میں غفلت ہوتے ہی حق مہر مرد کے ذمے ہو جاتا ہے اور عورت فوری اس کے مطالبے کا حق رکھتی ہے لیکن چونکہ عموماً وہ قرض کی صورت میں مرد کے ذمہ رہ جاتا ہے لہذا یہ عورت کے لیے ایک پس انداز بچت کی حیثیت رکھتا ہے اور رشتہ تردیج نہ ٹوٹنے کے لیے ایک مہارے کا کام دیتا ہے۔

اس مسئلے کے کچھ متشانی پہلو بھی ہیں لیکن ہم نے جو کچھ کہا ہے وہ زیادہ تر مقامات پر صادق آتا ہے۔

اب اگر بعض لوگوں نے حق مہر کی غلط تفسیر کی ہے اور اسے عورت کی ایک طرح سے قیمت خیال کیا ہے اس کا





قوانین اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ اسلام میں کسی طرح بھی حق مہربان تجارت کی قیمت کا پہلو نہیں رکھتا اور اس کی بہترین دلیل نکاح کے صیغے میں ہیں میں قانونی طور پر مرد اور عورت ہی اس چٹان کے دو بنیادی رکن شمار ہوتے ہیں اور حق مہربان ایک اخلاقی چیز ہے اور کتاب کے حاشیے کے مترادف ہے۔ اسی بناء پر اگر صیغہ نکاح میں حق مہربان تذکرہ نہ کیا جائے تو عقد باطل نہیں ہے۔ البتہ اس صورت میں شوہر کی ذمہ داری ہے کہ باشرت سے قبل اس میں بھی عورتوں کا ساتھ مہربان رکھے۔

جو کچھ کہا گیا ہے اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حق مہربان نقصان کی تلافی اور عورت کے حقوق کے اصرام کے پیش نظر ہے نہ کہ اس کی قیمت ہے اور شاید غلط فہمی (مطبیعی) اسی غلط فہمی کی طرف اشارہ ہے۔

۵. وَلَا تَوْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيمًا وَأَرِزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝

۶. وَابْتَغُوا الِيتِمَ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۚ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝

ترجمہ

۵ اور اپنے اموال کو جنہیں خدا نے تمہاری زندگی کا وسیلہ قرار دیا ہے انہیں بے وقوفوں کے ہاتھ میں نہ دے دو اور انہیں اس میں سے روزی دے دو اور انہیں باس پہنڈ اور ان سے شائستہ طریقے سے گفتگو کرو۔

۶ اور یتیموں کو آزمائے دیکھو یہاں تک کہ جب (تم دیکھو کہ) وہ بوج کو پہنچ گئے ہیں تو اگر ان میں (کافی) رشد و شعور پاؤ تو ان کے اموال ان کے سپرد کرو اور ان کے بڑے بھنے سے پہلے ان کے اموال اسراف اور فضول خرچی کے طور پر نہ کھاؤ اور (سرپرستوں میں سے) جو شخص بے نیاز ہے وہ (حق زحمت لینے سے) اجتناب کرے اور جو شخص ضرورت مند ہے وہ شائستہ طریقے سے (اور جو زحمت اُس نے اٹھائی ہے اُس کے مطابق) اس میں سے کھائے اور جب ان کا مال انہیں دے دو تو اس (دادائیگی) پر گواہ بناؤ (اگرچہ) خدا محاسب کے لیے کافی ہے۔





## تفسیر

مندرجہ بالا آیات تیسوں سے مربوط مباحث کی تکمیل کرتی ہیں۔ کچھ بحث گزشتہ آیات میں ہو چکی ہے۔  
ولا تاتوا السفهاء اموالکم

اپنا مال و دولت بے وقوفوں کے سپرد نہ کرو اور انہیں رہنے دو یہاں تک کہ وہ اقتصادی معاملات میں غور حاصل کر لیں تاکہ تمہاری دولت خطرے اور نقصان کی زد سے بچ جائے۔

## سفید کسے کہتے ہیں

راغب نے مفردات میں کہا ہے کہ سفید بروزن تہا اصل میں ایک طرح کی کم وزنی اور بدن کا ہلکا ہونا ہے جس میں یہ حالت ہو کہ چلتے وقت اعتدال کو برقرار نہ رکھا جاسکے۔ اسی لیے اس اشار کو سفید کہتے ہیں جو ناموزوں جو اور ہمیشہ جتی ملتی ہے۔ بعد ازاں یہ لفظ اسی مناسبت سے ان افراد کے لیے استعمال ہونے لگا جو سوجھ بوجھ نہ رکھتے ہیں چاہے ان کا ہلکا پن امور مادی میں ہو یا امور معنوی میں۔

لیکن واضح ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں مناسبت کا تعلق خصوصیت سے مالی امور میں کافی سوجھ بوجھ نہ ہونے سے ہے۔ اور یہاں سفید سے مراد وہ شخص ہے جو سوال کی سرپرستی اپنے ذمہ نہ لے سکے اور مال و دولت کے لین دین میں اپنے فائدے کو نہ سمجھ سکے۔ اصطلاح میں کہتے ہیں کہ وہ سرش برود (یعنی۔ دنگ) اس کا سر نہ دے (اس مفہوم کی شایدا اگلی آیت ہے جس میں اشارہ ہوتا ہے) :

فان انستم منهم رشدا فادفعوا الیہم اموالہم ۔

اگر انہیں سمجھاؤ پاؤ تو ان کے اموال ان کے واپس کر دو۔

اس بنا پر اگرچہ زیر نظر آیت تیسوں کے بارے میں بحث کر رہی ہے لیکن اس کا ایک عمومی مفہوم تمام لوگوں کے لیے ہے اور وہ یہ کہ انسان کو کسی حالت میں اور کسی صورت میں وہ مال جو اس کی سرپرستی میں ہو یا کسی طرح سے اس سے وابستہ ہونا فہم اور نا سمجھ افراد کے سپرد نہیں کرنا چاہیے اور اس سلسلے میں اموال عمومی (اموال حکومت اسلامی) میں بھی کوئی امتیاز نہیں۔ اس مفہوم کا شاہد لفظ ”سفید“ کا وسیع مفہوم بھی ہے اور اس کے علاوہ وہ روایات بھی ہیں جو ہادیان اسلام سے اس سلسلے میں منقول ہیں مثلاً امام صادق علیہ السلام سے منقول ایک روایت میں ہے۔

ایک شخص ابواسم بن عبد الحمید کہتا ہے کہ میں نے امام سے آیت ولا تاتوا السفهاء اموالکم کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا :

لے اشار اس دہی کو کہتے ہیں جو گھوٹ سے یا گدے کے سر اور گردن پر باندھی جائے (مترجم)۔



شراب خور سفیہ میں اپنے اموال ان کے سپرد کر دیے

ایک اور روایت میں بھی شراب کو مالی امور میں امین بنانے کی ممانعت کی گئی ہے۔

غلام یہ کہ بار بار آیات میں شراب کو سفیہ قرار دیا گیا ہے اور یہ تعبیر شاید اس بناء پر ہے کہ شراب اپنا مالی سرمایہ بھی ہاتھ سے دے بیٹھتا ہے اور معنوی بھی۔ اس سے بڑھ کر بے وقوفی کیا ہوگی کہ انسان پیسے بھی دے اور اس کے ساتھ اپنی عقل و ہوش بھی دے دے اور دیوانگی خریدے، اپنے بدن کے مختلف قوتی بھی اس کام میں لگا دے اور بہت سے اجتماعی نقصانات بھی کرے۔

ایک اور روایت میں ان سب لوگوں کو جو کسی معاملے میں سپرد کر کے قابل نہ ہوں سفیہ کہا گیا ہے اور (شخصی اور عمومی) اموال ان کے سپرد کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

پونس بن یعقوب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیت ولا تاتوا السفهاء اموالکم کی تفسیر پوچھی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

من لا متشوق بہ

سفیہ وہ شخص ہے جو قابل اعتماد نہ ہو

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اگر آیت یموں کے بارے میں ہے تو "اموالکم" (تمہارے اموال) کیوں فرمایا ہے۔ "اموالکم" ان کے مال کیوں نہیں فرمایا۔

مگر اس ہے اس تعبیر کا مقصد اس اجتماعی اور اقتصادی مسئلہ کو بیان کرنا ہو کہ اسلام انسانی معاشرے کے تمام افراد کو ایک سمجھتا ہے۔ اس بناء پر کہ ایک شخص کی بہتری اور بھلائی دوسروں کے نفع سے ہدائیں ہو سکتی۔ اسی طرح ایک شخص کا نقصان پورے معاشرے کا نقصان ہے۔

اسی وجہ سے اس خیال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ضمیر خائب کی بجائے "ضمیر مخاطب" استعمال کی گئی ہے یعنی حقیقت میں ان اموال کا تعلق صرف یموں سے نہیں بلکہ تمہارے ساتھ بھی ہے۔ اگر انہیں کوئی نقصان پہنچے گا تو وہ کبھی کسی صورت میں تمہاری طرف نہ ملے گا۔ اس لیے اس کے مال کی پوری طرح نگرانی کرنا چاہیے۔

اس سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ جو کوتاہ نظر لوگ کمزور اور بزدل افراد کو مذہبی اور تبلیغی جہدوں کے لیے ان کی مدد کے بہانے اذرا و جمد دی چنتے ہیں، ان کا یہ ایک سراسر غلط اور مجنونانہ فعل ہے۔

الشی سبعل اللہ لکم قیامنا

اس جملے میں قرآن نے مال و ثروت کے لیے ایک عجیب و غریب تعبیر بیان فرمائی ہے، تمہاری زندگی اور سونپنی کا قیام سرمایہ پر ہی منحصر ہے اس کے بغیر تم آزادی سے اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو سکتے۔ اسے سفیہ اور فضول خرچ لوگوں

تفسیر ان جلد اول زیر بحث آیت کے ذیل میں۔

تفسیر برہان، جلد ۱، زیر بحث آیت کے ذیل میں، تفسیر مفتاحین بھی دیکھ سکتے ہیں۔



کے سپرد کر دو۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام اقتصادوی اور مالی اہمیت کا حامل ہے۔

اس کے برعکس موجودہ انجیل میں ہے کہ مالدار آدمی جنت میں نہیں جاسکے گا۔ اسلام کہتا ہے کہ جو قوم فقیر و نادار ہو وہ کبھی اپنی کمرسیدگی نہیں کر سکتی۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ عیسائی اپنی غلط تعلیمات کے باوجود دنیا میں اوج کمال پر پہنچے ہوئے ہیں اور ہم ان اعلیٰ اسلامی تعلیمات کے باوجود ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔

اصل میں انہوں نے خرافات چھوڑ دی ہیں، اس لیے وہ کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہیں اور کیونکہ ہم نے ان اعلیٰ داروغہ تعلیمات سے دوری اختیار کر لی ہے اس لیے مارے مارے پھرتے ہیں۔

وَارْزُقُوهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوهُمْ وَاَقْلُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا

آیت کے آخر میں یمینوں کے بارے میں دو اہم حکم دیے گئے ہیں:

۱۔ ان کی خوراک اور پوشاک انہی کے مال سے مہیا کرو تاکہ وہ عزت و آبرو کے ساتھ پر دان چڑھیں اور بالغ ہوں۔

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اس آیت میں لفظ ”ہیجا“ (ان کے مال میں) آیا ہے ”ہنجا“ (ان کے مال سے) نہیں آیا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ یمینوں کی گزراوقات ان کے مال اور سرمایہ کے نفع سے پوری کر دیں کہ اگر یہ کہا جاتا

کہ ان کے اخراجات ان کے سرمائے سے پورے کر دو تو اس کا مفہوم یہ ہوتا کہ اصل سرمایہ سے آہستہ آہستہ اخراجات

پورے کیے جائیں اور یہ فطری امر ہے کہ جب وہ حسنِ بلوغ کو نہیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے سرمائے کا زیادہ تر حصہ

ہاتھ سے کھو بیٹھے ہوں۔ لیکن قرآن انفاق کی تبدیلی سے سرپرستوں کو یہ نصیحت و وصیت کرتا ہے کہ وہ یمینوں کے

مال کے نفع اور آمدنی سے ان کی ضروریات زندگی پوری کرنے کی کوشش کریں تاکہ ان کا اصل سرمایہ محفوظ رہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ آیت کہتی ہے کہ یمینوں کے ساتھ شائستگی سے گفتگو کرو۔ یعنی دل کو خوش کرنے والی اچھی باتوں

سے ان کی نفسیاتی کمی کو دور کرو اور ان کو نصیحت کرتے رہو تاکہ وہ حسنِ بلوغ تک پہنچتے پہنچتے اچھے خالص سجدہ رہ جائیں

اسی طرح یمینوں کی تشکیل سیرت اور تعمیر کردار بھی سرپرستوں کی ذمہ داری ہے۔

وَابْتَغُوا الْيُسْرَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ

یہاں یمینوں اور ان کے مال کے بارے میں ایک اور حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے: یمینوں کی آزمائش کرو، انہیں

تجربے میں ڈالو یہاں تک کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ جائیں تو اس وقت اگر ان میں معاملہ فہمی اور مال کی حفاظت کی سوجھ

بوجھ پاؤ تو ان کا مال انہیں واپس کر دو۔

## چند اہم نکات

۱۔ لفظ ”حَتَّىٰ“ سے معلوم ہوتا ہے کہ سنِ رشد تک پہنچنے سے پہلے یمینوں کی لگاتار آزمائش ہونی چاہیے یہاں تک کہ



وہ جو وقت کی منزل میں داخل ہو جائیں اور عقلی طور پر کچل کر پیٹنے سے اپنے مال کی دیکھ بھال کر سکیں۔ یعنی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آزمائش سے مراد قیموں کی تدریجی تربیت ہے۔ یعنی انہیں آزاد نہ چھوڑ دیں یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں اور اس کے بعد مال ان کے حوالے کر دیں۔ بلکہ جو وقت سے پہلے پہلے انہیں مستقل زندگی گزارنے کے لیے عملی تربیت دیں۔

باقی رہا یہ کہ قیموں کی آزمائش کس طرح کی جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ کچھ مال ان کو دے دیا جائے تاکہ وہ اس سے تجارت کریں۔ لیکن ان کے احوال کی نگرانی اس خوبی سے کی جائے کہ ان کے کام میں کوئی غلط واقع نہ ہو۔ جب یہ معلوم ہو جائے کہ وہ یہ کام بغیر خوبی انجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور میں دین میں دھوکا نہیں کھاتے تو ان کے احوال انہیں دے دیے جائیں یا ان کا تعلیم و تربیت کے ذریعے ان کی اس طرح پرورش کی جائے کہ وہ آئندہ زندگی کی باگ ڈور سنبھال لیں۔

۲۔ ”اذا بطلوا النكاح“ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب وہ زندگی کی اس حد میں قدم رکھیں کہ ازدواج کی قدرت رکھتے ہوں اور ظاہر ہے کہ جو شادی بیاہ کی اہلیت رکھتا ہے، گھر بڑھ داریوں کو بہتر طور پر انجام دینے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے اور ایسا شخص سرمایہ کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ بنا بریں ازدواجی زندگی مستقل اقتصادی زندگی کے ساتھ ساتھ شروع ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں قیموں کی ثروت و دولت انہیں واپس کر دی جائے تاکہ جب وہ جسمانی طور پر بالغ ہو جائیں اور انہیں مال کی بہت زیادہ ضرورت ہو تو اس کے ساتھ ان کی سوچ میں بھی بھگی آجائے جس سے وہ اپنے مال کی بخوبی حفاظت کر سکیں۔

۳۔ ”النسبہ منہم رشدا“ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ان کا رشد و سوجھ بوجھ پوری طرح واضح ہو۔ کیونکہ ”النسبہ“ مادہ ”ایناس“ سے ہے۔ جس کے معنی مشاہدہ کرنے اور دیکھنے کے ہیں اور یہ مادہ مادۃ انسان سے ہے جس کے ایک معنی آنکھ کی پتلی کے بھی ہیں۔ حقیقت میں مشاہدہ اور دیکھنے کے وقت انسان اپنی آنکھ کی پتلی سے مدد لی جاتی ہے۔ اسی لیے مشاہدہ کرنے کو ایناس سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ولا تأکلوا أموالا و بدارا ان یکبروا۔

اس کے بعد پھر سرپرستوں کو تاکید کر دیا ہے کہ کسی طرح سے بھی قیموں کے مال میں خیانت اور بے ایمانی نہ کریں اور ان کے پرورش سنبھالنے سے پہلے ان کا سرمایہ ضائع نہ کریں۔

ومن كان غنيا فليستعفف ومن كان فقيرا فليأكل بالمعروف

یعنی اگر قیموں کے سرپرست صاحب حیثیت اور مالدار ہیں تو پھر کسی طریقے سے بھی ان کے مال سے فائدہ نہ اٹھائیں اور اگر فقیر و نادار ہیں تو معروف ان ذمہ داریوں کے بدلے جو انہوں نے قیوم کے مال کی حفاظت کے لیے اٹھائیں ہیں عدل و انصاف کرتے ہوئے ان کے مال میں سے اپنی کارکردگی کے مطابق لے سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں کئی روایتیں بھی ہیں جنہوں نے اس آیت کے مضمون کی وضاحت کی ہے۔ جیسا کہ ہم تحریر کر چکے ہیں۔



ان میں سے ایک روایت حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے:

فَذَلِكَ رَجُلٌ يَجْبِسُ نَفْسَهُ عَنْ اَمْنِيَّةٍ فَلَا يَأْسُ اَنْ يَأْكُلَ بِالْمَعْرُوفِ اِذَا كَانَ يَصْلُحُ لَهُ  
فَاِنْ كَانَ الْمَالُ قَلِيْلًا فَلَا يَأْكُلُ مِنْهُ شَيْئًا.

اس سے تو وہ شخص مراد ہے جس کو یتیم کے مال کی حفاظت اپنا مستقبل سنوارنے سے روک دے تو وہ اس صورت میں یتیم کے مال سے مناسب انداز سے کے مطابق بے مکتبہ ہے اور یہی صورت میں ہے جبکہ یتیم کے لیے اس میں فائدہ ہو اور اگر یتیم کا مال کم ہو (اور اس کی سرپرستی میں زیادہ وقت بھی صرف نہ ہوتا ہو) تو اس حالت میں یتیم کے مال سے ذرہ بھر بھی نہ لے۔

فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاشْهَدُوا عَلَيْهِمْ.

آخری حکم جو یتیموں کے سرپرستوں کے متعلق اس آیت میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جب تم ان کے مال ان کے سپرد کرنا چاہو تو گواہ بنا لو تاکہ اتہام، نزاع اور کسی قسم کے اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے۔  
وَكُنْ بِاللّٰهِ حَسِيْبًا.

البتہ یہ جان لو کہ حقیقی حساب کرنے والا تو خداوند عالم ہی ہے اور ہر چیز سے زیادہ اہم یہ بات ہے کہ تمہارا حساب کتاب اس (خدا) کے ہاں واضح ہو کیونکہ خدا وہ ہے کہ اگر تم سے کوئی ایسی بے ایمانی ہوئی ہوگی جو گواہوں کی نظروں سے بھی اوجھل ہو تو وہ اس کا حساب کر لے گا۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ  
نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرًا  
نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ○

ترجمہ

مردوں کے لیے اس میں سے جو کچھ ان کے والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں حصہ ہے اور عورتوں کے لیے بھی جو ان کے والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں حصہ ہے۔ چاہے وہ مال کم ہو کہ زیادہ یہ حصہ مقرر اور لازمی ہے۔

شان نزول

زمانہ ہابلیت میں یہ رسم تھی کہ وہ (شرک) صرف مردوں کو وارث سمجھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جو شخص مسلح ہو کر



لوٹنے اور اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے کسی کسی ڈاکٹر ڈالنے کی طاقت نہیں رکھتا اسے ترک نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے وہ عورتوں اور بچوں کو میراث سے محروم کر دیتے تھے اور میت کا مال بہت دور کے مردوں میں بانٹ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک انصاری جس کا نام اوس بن ثابت تھا فوت ہو گیا اور اپنے بعد چھوٹی چھوٹی بھیاں اور بچے چھوڑ گیا۔ اس کے چچا زاد بھائی جن کے نام خالد اور ارفطہ تھے وہ اسے انہوں نے اس کا مال آپس میں بانٹ لیا اور اس کی بیوی اور چھوٹے چھوٹے یتیم بچوں کو کچھ بھی نہ دیا تو اس کی بیوی نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں شکایت کی اس وقت تک اس سلسلے میں اسلام میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس موقع پر مذکورہ بالا آیت کا نزول ہوا۔ چنانچہ حضرت رسول اکرم نے ان دونوں کو بلایا کہ وہ اس مال میں بالکل چھینا جھپٹی نہ کریں اور اسے پہلے طبقے کے پس ماندگان یعنی اولاد اور اس کی بیوی کے سپرد کر دیں۔ یہاں تک کہ ان کے درمیان اس کی تقسیم کا طریقہ آیات آئندہ میں واضح ہوا۔

تفسیر

### عورت کی حفاظت کے لیے ایک اور قدم

حقیقت میں یہ آیت غلط مادتوں اور رسموں کے خلاف ایک قدم ہے کیونکہ وہ عورتوں اور بچوں کو ان کے جائز حق سے محروم کر دیتے تھے۔ اس لیے یہ آیت ان بحثوں کی تکمیل کرتی ہے جو آیات گذشتہ میں ہوئی ہیں۔ کیونکہ عرب اپنی غلط اور ظالمانہ رسموں کی وجہ سے عورتوں اور چھوٹے بچوں کو میراث کے حق سے محروم کر دیتے تھے۔ آیت نے اس باطل قانون کو غلط قرار دیا اور فرمایا کہ مرد اس مال سے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جاتے ہیں حصہ رکھتے ہیں اور عورتیں بھی۔ چاہے وہ کم ہو کہ زیادہ۔ اس وجہ سے کوئی شخص حق نہیں رکھتا کہ وہ دوسرے کا حصہ ہٹ کر جائے۔

الرجال نصيب مما ترك الوالدان والاقریبون والنساء نصيب مما ترك الوالدان والاقریبون معاقلات اوکتر ۱

اس کے بعد آیت کے آخر میں اس مقصد کی تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے: یہ تعین شدہ حصہ ہے اور اس کا ادا کرنا واجب ہے تاکہ اس بحث میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہ جائے (نصیب مفروضاً)۔

ضمناً بیا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ آیت مندرجہ بالا تمام صورتوں کے لیے عام حکم کا ذکر کر رہی ہے۔ لہذا اس وجہ سے جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر انبیاء اور مسلمان کوئی مال و دولت وغیرہ چھوڑ جائیں تو وہ میراث کے طوع پر ان کے وارثوں کو نہیں ملتی، یہ آیت مذکورہ کے خلاف ہے۔ ہاں اس سے پیغمبر کا ذاتی مال مراد ہے درجہ بیت المال جو تمام مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے وہ بیت المال کے قانون کے مطابق اپنے مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔ اسی طرح اس آیت کے عمومی پہلو اور دوسری آیتوں سے جو بعد میں میراث کے بارے میں آئیں گی واضح ہوتا ہے کہ ”نصیب“ کا قائل ہونا یعنی بعض حالات میں مال کا پدری رشتہ داروں کے ساتھ مخصوص ہونا جیسا کہ علمائے اہل سنت قائل ہیں، وہ بھی تعلیمات قرآن کے خلاف ہے کیونکہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بعض عورتوں پر عورتیں میراث سے



مردم رو بآتی ہیں۔ جس کی اسلام آیت مندرجہ بالا اور اسی طرح کی دوسری آیات کی روشنی میں نفی کرتا ہے۔ (نور  
نہایتی گاہ)۔

۸۔ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَرْزُقُوهُمْ  
مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝

ترجمہ

۸ اگر میراث کی تقسیم کے وقت رشتہ دار (اور یتیم اور مسکین) کے لوگ بن کر میراث سے کوئی تعلق نہیں ہے (اور  
یتیم اور مسکین موجود ہوں تو اس مال میں سے کچھ تھوڑا بہت انہیں بھی دے دو اور ان سے اچھے طریقے  
سے بات کرو۔

تفسیر

ایک اخلاقی حکم

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَرْزُقُوهُمْ مِنْهُ .

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ یہ آیت قانون تقسیم وراثت کے بعد نازل ہوئی ہے کیونکہ یہ بتاتی ہے کہ جب تقسیم  
میراث کی مجلس میں رشتہ دار، یتیم اور مسکین موجود ہوں تو اس میں سے کچھ نہ کچھ انہیں بھی دے دو۔ بنا بریں اس آیت  
کا مفہوم ایک ستمب اور اخلاقی حکم ہے ان طبقات کے بارے میں جو زیادہ نزدیک کی جاتے ہوئے بھی میراث سے محروم  
ہیں۔ آیت کہتی ہے، اگر تقسیم میراث کی مجلس میں کچھ دوسرے یا تیسرے درجے کے رشتہ دار اور اسی طرح بعض  
یتیم اور مسکین ہوں تو کچھ نہ کچھ مال انہیں بھی دے دو۔

اس طریقے سے حسد اور کینہ کا احساس جو میراث سے محرومی کی وجہ سے ممکن ہے ان کے دل میں موجزن ہو نہ  
کرو۔ اور اس ذریعے سے انسانی رشتے کے پیوند کو مستحکم کرو۔

اگرچہ لفظ ”یَتَامَىٰ“ اور ”مَسْكِينِ“ مطلق کے طور پر استعمال کیا گیا ہے لیکن ظاہراً اس سے مراد کنبہ اور غافلان  
کے یتیم و مسکین ہیں کیونکہ قانون میراث کے مطابق قریب ترین طبقات (رشتہ داروں) کے ہوتے ہوئے دورتر  
طبقات میراث لینے سے محروم رہتے ہیں۔ اس لیے اگر وہ اس طرح کے اجتماع میں موجود ہوں تو مناسب ہے  
کہ عمدہ و بدیہ (جس کی مقدار کا مقرر کرنا صرف وارثوں کے ارادے سے وابستہ ہے جو بڑے وارثوں کے مال میں سے





ہوگی، انہیں دیا جائے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ آیت میں یتیموں اور مسکینوں سے مراد ہر قسم کے یتیم اور ضرورت مند ہیں، چاہے وہ میت کے رشتہ دار ہوں یا ان کے علاوہ غیر۔ لیکن یہ احتمال بعید دکھائی دیتا ہے کیونکہ لگانے اور خیر کی قسم کے خاندانی اجتماع میں نہیں آ سکتے۔

بعض مفسرین یہ احتمال بھی رکھتے ہیں کہ یہ آیت ایک واجب حکم بیان کر رہی ہے نہ کہ مستحب بلکہ یہ بھی بعید ہے کیونکہ اگر واجب حق ہوتا تو ضروری تھا کہ اس کی مقدار اور حدود کا تعین کیا جاتا، حالانکہ یہاں یہ اختیار حقیقی وارثوں کو دیا گیا ہے۔

وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا

آیت کے آخر میں یہ حکم ہے کہ ان میلہ شست محروم بننے والوں سے چھی زبان اور شائستہ طریقے سے گفتگو کرو۔ یعنی مادی اہلداد کے علاوہ اپنے اظہار آواز سے بھی ان کی محبت حاصل کرو تاکہ ان کے دل میں کسی قسم کی تکلیف نہ رہنے پائے اور یہ حکم مندرجہ بالا حکم کے مستحب بننے کی دوسری دلیل ہے۔

جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس سے یہ مطلب بھی واضح ہو جائے کہ کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس کی بنا پر یہ کہا جاسکے کہ آیت مندرجہ بالا سوا یا اور میلہ شست کے لئے والی آیات کی وجہ سے نسخ ہو گئی ہے کیونکہ ان آیتوں اور اس آیت کے درمیان کسی قسم کا بالکل تضاد نہیں ہے۔

۹. وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ضَعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ  
فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ○

ترجمہ

۹ جو لوگ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے بعد نابالغ اولاد چھوڑ جائیں گے تو اس کا آنے والے دور میں کیا مشر ہوگا، انہیں چاہیے کہ وہ یتیموں پر ظلم کرنے سے ڈریں اور خدا کی مخالفت سے بھی ڈریں اور نرمی سے گفتگو کریں۔

تفسیر

یتیموں پر لطف و کرم کی بارش

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا

قرآن یتیموں کی حالتِ نازک کے بارے میں لوگوں کے جذباتِ کرم ابھارنے کے لیے ایک ایسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس سے کبھی کبھی لوگ غافل ہو جاتے ہیں اور وہ یہ کہ تم عام یتیموں کے ساتھ وہی سلوک کرو جو تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے یتیموں کے ساتھ کریں۔



اپنے بے یار و مددگار اور اولاد پر بھروسہ کی بری حالت پیش نظر رکھو جبکہ وہ ایک ظالم اور بے ایمان شخص کی سرپرستی میں ہوں، جو زمین کے جذبات و احساسات پر نظر کرے اور نہ ان کے حال میں عدالت کا خیال رکھے۔ تو یہ دردناک منظر تبار سے ہے کتنا تکلیف دہ ہو گا اور تم اپنی اولاد کے مستقبل کے لیے کتنے فکر مند ہو گے۔ اسی طرح دوسرے کی اولاد اور قبیلوں کے لیے فکر کرو۔ ان کی تکلیف کا احساس کرو۔ اس بنا پر آیت کا مطلب کچھ یوں ہو گا: وہ لوگ جو اپنی اولاد کی آئندہ زندگی کے متعلق حیران و پریشان ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ قبیلوں سے خیانت کرنے اور انہیں سست کرنے سے پرہیز کریں۔

ہم تمام سنیے اصولی طور پر ہمیشہ ایک سنت کی شکل میں آج سے کل اور کل سے آئندہ زمانے تک اڑھتے اور پھیلنے ہیں۔ جو لوگ معاشرے میں کسی غم کی بنیاد ڈالتے ہیں، شکار قبیلوں کو ستانے کی دم ڈالتے ہیں، دراصل وہ خود اس بات کی دعوت اور علیٰ غور نہ ہوتے ہیں کہ کل ان کی اولاد کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے۔ اس لیے وہ نہ صرف دوسروں کی اولاد پر شتم کرتے ہیں بلکہ اپنی اولاد کے لیے بھی غم و ستم کی راہ ہموار کر دیتے ہیں۔

فَيَسْتَقْوَامُهُ وَلَيَقُولُوا قَوْلًا مَّعْدُودًا

اب جبکہ یہ حال ہے تو قبیلوں کے سرپرستوں کو چاہیے کہ وہ خداوند عالم کے احکام کی مخالفت نہ کریں اور قبیلوں کے ساتھ میٹھے بے میں بات کریں اور ان سے شفقت آمیز سلوک کریں تاکہ ان کے باطنی دکھ و درد جو جانیں اور دل کے زخم بھر جائیں۔

اسلام کا یہ بندہ پارہ یکم جو منہ جھکا جھلے میں موجود ہے، یقیناً کی پرورش کے سلسلے میں ایک نفسیاتی نکتے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو نہایت قابل غور ہے اور وہ یہ کہ ایک نئے نئے قیام کی ضرورت صرف خوراک اور پوشاک تک محدود نہیں بلکہ ہمدردی اور مہربانی سے اس کے احساسات و محبت کی تسکین بھی ضروری ہے جو اس کی آئندہ تعمیر و تربیت میں اثر انداز ہوگی کیونکہ قیام بھی دوسروں کی طرح انسان ہے اور چاہیے کہ اسے اس مہربانی کے برتاؤ سے ایک روحانی تھکاوٹ اور اس محبت اور پیار سے اسے وہ راحت ملے جو ایک بچے کو ماں باپ کی گود میں ملتی ہے۔ وہ ایک بھڑکے بچے کی مانند نہیں ہے کہ صبح کے وقت ریوڑ کے ساتھ چاگا وہیں چلا جائے اور شام کے وقت واپس آجائے۔ جہانی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ اس کے نفسیاتی میلانات کی بھی خاطر خواہ اہم و تربیت کا خیال رکھا جائے ورنہ وہ ایک ظالم و معاشرے کا بانی، بھلا اور خطرناک شخص بنے گا۔

## ایک ضروری وضاحت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی سے منقول ہے کہ ایک دن چھٹے امام نے فرمایا: جو شخص کسی پر ظلم کرے خداوند عالم کسی شخص کو اس پر مسلط کرے گا تاکہ وہ اس پر اور اس کی اولاد پر اسی طرح کا ظلم و ستم کرے۔

صحابی کہتا ہے: میں نے دل ہی دل میں سوچا یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے کہ ظلم تو باپ کے اور اس کے بچے کی ہوتا ہے اور اولاد جلتے۔ اس سے پہلے کہ میں اپنی اس بات کو ابیان کروں، امام عالی مقام نے فرمایا:-

قرآن فرماتا ہے:

وَيُفْسِدُ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْقِهِمْ ذُرِّيَّةً ضَعُفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلَا



جو سوال حدیث کے ماویٰ کے دل میں پیدا ہوا تھا بیت سے لوگ وہی سوال کہتے ہیں کہ خداوند عالم کا ایک شخص کے جرم کو بدلہ دوسرے سے لینا کس طرح جائز ہے؟ اصولی طور پر ظالم کی اولاد نے کونسا گناہ کیا ہے کہ وہ اس ظلم و ستم کا شکوہ ہو؟ اس سوال کا جواب مندرجہ بالا تحریر سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ معاشرے کے افراد جو کام بھی کرتے ہیں وہ آہستہ آہستہ ایک رسم و رواج کی بنیاد پر اختیار کر لیتے ہیں اور آنے والی نسلیں کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں اسی وجہ سے جو لوگ معاشرے میں ظلم و ستم کی بنیاد رکھتے ہیں ان کا ایک دن یہ بدعت ان کی اولاد پر بھی اثر انداز ہوگی۔ اصل میں یہ بات ان کے حمل کے ضمنی اور بخوبی آشکارا ہے۔ اگر اسے خدا کی طرف نسبت دی جائے تو وہ صرف اسی بنا پر ہے کہ سب کے سب بخوبی اثرات اور علت و معلول کے خواص اسی سے منسوب ہیں۔ غرض کسی طرح بھی خداوند عالم کی طرف سے کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔

ظالم یہ ہے کہ جب بھی کسی معاشرے میں ظلم و ستم کی بنیاد رکھی گئی وہ ظالم اور اس کی اولاد کے لیے زنجیر بن گئی۔

۱. اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظٰلِمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۖ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ۝

ترجمہ  
۱. جو لوگ یتیموں کا مال ظلم و ستم سے کھاتے ہیں وہ صرف آگ کھا رہے ہیں اور بہت جلد جلائے والی آگ میں سے جلیں گے۔

تفسیر

ہمارے اعمال کا باطنی چہرہ

ان الذین یا کلون اموال الیتیم ظلمنا انما یا کلون فی بطونہم نارا  
ہم اسی سورہ کے شروع میں تحریر کر چکے ہیں کہ اس سورہ کی آیتیں ایک صحیح و سالم معاشرے کی بنیاد قائم کرنے کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ اسی لیے پہلے پہل جمہوریت کے زمانے کی رسموں اور مجربانہ غلط کاریوں کو جو بعض دوسلوں کے دلوں میں تھیں دور کر کے ایک صحیح و سالم معاشرے کے لیے زمین ہموار کرتی ہیں اور یتیم کا مل کھانے سے زیادہ بدتر عمل کونسا ہوگا۔ اسی لیے اسی سورت کے شروع میں یتیموں کے مال میں بے جا تصرف کرنے کے خلاف سخت قسم کے احکام دکھائی دیتے ہیں، جن میں آیت مذکور بالا سب سے زیادہ واضح ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مل جیسے پھیری کر کے کھاتے ہیں وہ درحقیقت آگ کھاتے ہیں۔ اس سے قرآن میں اس قسم



کی تعبیر صرف ایک مقام پر نظر آتی ہے اور وہ ایسے لوگوں کے متعلق ہے جو حقائق چھپا کر آیاتِ باہنی میں رد و بدل کئے گئے نفع کھاتے ہیں۔ ان کے پاس خداوند عالم فرماتا ہے:

ان الذین یکتُمون ما اتواہم من الکتاب و یشہرون بہ لئلا یتقلبوا اولئک ما یراکلون فی بطونہم ذلک الشار

جو لوگ خداوند عالم کی آیتوں کو چھپاتے ہیں اور ان کے ذریعے معمولی سا فائدہ اٹھاتے ہیں وہ لوگ کئے برا کچھ نہیں کھاتے۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۷۴)۔

و سیصلون سعیرا

”سعی“ اصل میں سلی (بروزن درو) کے مادے سے لوگ ہیں داخل ہونے اور بچنے کے معنی میں ہے اور سعیر کے معنی میں بھڑکتی ہوئی آگ۔

قرآن اس آیت میں بتاتا ہے کہ اس دنیا میں لوگ کھانے کے علاوہ وہ بہت جلد آخرت میں بھی بھڑکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔ انہیں بڑی طرح جلائے گی۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں سے اصل کا ظاہری چہرہ ہے جو اس دنیا میں جلدی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں لیکن یہ باطنی چہرہ آخرت میں ظاہر ہو جائیں گے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عملِ مجسم حالت میں پیش ہوں گے۔

قرآن فرماتا ہے: جو لوگ یمیم کا مال کھاتے ہیں اگرچہ ان کے عمل کا ظاہری چہرہ رنگین و لذیذ غذاؤں سے فائدہ اٹھاتے دکھائی دیتا ہے لیکن ان غذاؤں کا اصلی چہرہ جلائے والی آگ ہے اور یہی وہ چہرہ ہے جو قیامت کے دن ظاہر ہوگا۔ حقیقی چہرہ جیسا کہ اس عمل کی ظاہری حالت کے ساتھ خاص مناسبت رکھتا ہے۔ جس طرح یمیم کا مال کھانا اور اس کے حقوق چھیننا اس کے دل کو جلاتا اور اس کی روح کوڑھاتا ہے (اسی طرح) اس عمل کا حقیقی چہرہ جلائے والی آگ ہے۔ اس امر کی طرف (اصل کے حقیقی چہرے) ان لوگوں کے لیے جو ان حقائق پر ایمان رکھتے ہیں، توجہ دینا غلط کام کرنے سے روکنے کے لیے بہت ہی مشکل ہے۔ کیا کوئی ایسا شخص ہے جو اپنے ہاتھ سے آگ کے انگارے اٹھا کر اپنے منہ میں رکھے اور نکل جائے؟ اسی طرح ایماندار لوگوں کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ خواہ مخواہ یمیم کا مال کھائیں۔ اگر ہم یہ دیکھتے کہ خدا والے لوگ کا تصور تک نہیں کرتے تھے تو اس کی ایک وجہ یہی ہے کہ وہ علم و ایمان کی طاقت اور اخلاقی تعلیم و تربیت کے اثر سے اصل کے عملی چہروں کو دیکھتے تھے اس لیے کہی بڑا کام کرنے کا خیال تک نہ کرتے تھے۔ جو ممکن ہے کہ ایک نادان اور بے خبر سچا لایا لایا چھپانے والی آگ کے انگارے کی دل خوشی کرنے والی رکھنشی دیکھ کر اس پر ایسا اثر ہو جائے کہ اسے اپنا تک باخبر میں سے نہیں ایک سمجھ و دانش مند انسان جو لوگ کے جلائے کی صفت کو بار بار آواز دے گا ہے وہ یہ طاقت نہیں کرتا۔ وہ کہی اس کا تصور بھی نہ کرے گا۔ قیاموں کے عمل میں دست و پا بازی کرنے کے بارے میں بہت زیادہ دل جلا دینے والی احادیث و روایات ہیں۔ یہاں تک کہ قیاموں کے عمل میں تھوڑی سی تھوڑی زیادتی بھی ان لوگوں کی رکھنشی میں قابل گرفت ہے۔

ایک حدیث میں حضرت امام محمد باقرؑ حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ کسی نے سوال کیا کہ کیا آگ کی سزا یمیم کا کتنا مال فحسب کرنے پر ہے تو آپؑ نے فرمایا:



دور ہم کے برابر ہے

۱۱۔ یُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلَّذِيْكَرِمٰتُ حَظُّ الْاُنثٰىيْنَ ؕ فَاِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اِثْنَتَيْنِ فَلِهِنَّ ثُلُثَا مَآتَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِابْنِ بَوِيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ؕ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَتْهُ اَبُوهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ؕ فَاِنْ كَانَ لَهُ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِ يُّوصٰى بِهَا اَوْ دَيْنٌ ؕ اَبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

۱۲۔ وَلَكُمْ نِصْفُ مَّا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِ يُّوصٰى بِهَا اَوْ دَيْنٌ ؕ وَلِهِنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْنَ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلِهِنَّ الشُّمْنُ مِمَّا تَرَكَتُمْنَ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِ تُّوصَوْنَ بِهَا اَوْ دَيْنٌ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورِثُ كَلَلَةً اَوْ امْرَاةٌ وَلَهُ اَخٌ اَوْ اُخْتُ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ؕ فَاِنْ كَانُوْا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِ يُّوصٰى بِهَا اَوْ دَيْنٌ غَيْرُ مُضَارٍ ؕ وَصِيَّتٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝

ماثرا علی مغربہ



ترجمہ

۱۱ خدام کو تہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ میراث میں سے ایک بیٹے کا دو بیٹیوں کے برابر حصہ ہے مگر تہاری (دو یا) دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو میراث کی دو تہائی ان کے لیے ہے اور اگر ایک ہو تو اس کے لیے آدمی میراث ہے۔ اور مرنے والے کے باپ اور ماں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے اگر اس کی اولاد ہو۔ (بصورت دیگر) اگر اس کے اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ اس کی میراث میں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے اور اگر اس کے بھائی موجود ہوں تو اس کی ماں چھٹا حصہ لے گی (اور باقی چھ میں سے پانچ حصے اس کے باپ کے لیے ہیں) یہ سب کچھ اس وصیت پر عمل کر چکنے کے بعد ہے جو مرنے والا کر گیا ہے۔ قرض ادا کرنے کے بعد۔ تم نہیں جانتے کہ باپ اور ماں اور تہاری اولاد میں سے کون تہارے لیے زیادہ اچھا ہے۔ یہ خدائی حکم ہے اور وہ دانا اور حکیم ہے۔

۱۲ اور تہارے لیے تہاری بیویوں کی میراث میں سے اولاد آدھا ہے اگر ان کے ہاں اولاد نہ ہو اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کی وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد چوتھا حصہ ہے اور تہاری بیویوں کے لیے تہاری میراث کا چوتھا حصہ ہے، اگر تہا کوئی اولاد نہ ہو اور اگر تہاری اولاد ہو تو ان کا تہاری وصیت کی تکمیل اور قرض کی ادائیگی کے بعد آٹھواں حصہ ہے اور اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ کھار (ایک بہن یا ایک بھائی) اس کی میراث لے یا کوئی عورت ہے کہ جس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہے تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے (اگر بھائی اور بہنیں مادری ہوں) اور ایک سے زیادہ ہوں تو پھر وہ وصیت کو پورا کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد تیسرے حصے میں برابر برابر شریک ہیں۔ بشرطیکہ وصیت کے طریقے اور قرض کا اقرار انہیں نقصان نہ پہنچائے۔ یہ خدا کی سفارش ہے اور وہ جانتے والا اور حکیم ہے۔

شان نزول

صدا سلام کے مشہور شاعر حسان بن ثابت کا بھائی عبدالرحمن بن ثابت انصاری فوت ہو گیا۔ اس کی ایک بیوی اور پانچ بھائی تھے عبدالرحمن کے بھائیوں نے میراث اپنے درمیان تقسیم کر لی اور اس کی بیوی کو کچھ نہ دیا۔

گزشتہ صفحہ کا حوالہ  
سنہ تفسیر برائے زیر بحث آیت کے ذیل میں۔



یہ واقعہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہ مست، تہمیں میں پیش کیا گیا اور میراث لینے والوں کی شکایت کی گئی۔ اس پر آیات مندرجہ بالا نازل ہوئیں۔ ان میں شہرہ ور دیوی کی میراث کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ نیز حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے منقول ہے دو کہتے ہیں:

میں بیمار ہو گیا تھا۔ جب حضرت میری عیادت کے لیے تشریف لائے تو میں بے ہوش ہو چکا تھا۔ حضرت نے پانی منگوایا کچھ پانی سے وضو فرمایا، باقی بھر پچھڑک دیا تو میں بوش میں آ گیا۔ میں نے عرض کیا: اے خدا کے رسول! میرے بعد میرے مال کا کیا ہوگا۔ آپ خاموش رہے۔ کچھ دیر بعد یہ آیات نازل ہوئیں اور ان میں وارثوں کے حصے سمیٹے ہوئے۔

### میراث ایک فطری حق ہے

اس سے پہلے کہ ان آیات کی تفسیر رقم بند کریں چند ایک نکات کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ ہر ملک ہے کہ بیٹ سے لوگ یہ خیال کریں کہ میراث ہے کسی کی وفات کے بعد اس کے مال کو مام مال کا حصہ قرار دے کر اسے بیٹ المال میں جمع کر دیا جائے۔ لیکن غور و فکر کرنے کے بعد یہ امر کھل کر سامنے آ جاتا ہے کہ یہ کام بالکل عدالت کے خلاف ہے۔ کیونکہ میراث کا مسئلہ سونی صدائیک فطری اور منطقی مسئلہ ہے۔ جب مال باپ اپنی بعض بہنوں اور روحانی صفات قانون وراثت کے مطابق اپنی اولاد میں منتقل کرتے ہیں تو پھر ان کے مال کو اس قانون سے کسی طرح سٹیشنی کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ جائز مال ہر شخص کی محنت و پشت اور سعی و کوشش کا نتیجہ ہوتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر وہ جو کوشش کرتا ہے اور طاقت صرف کرتا ہے وہ مال سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

اسی بنا پر ہم ہر شخص کو اس کے ہاتھ کی محنت کا فطری طور پر مالک سمجھتے ہیں اس لیے جب موت کے وقت ان کا ہاتھ اپنے مال تک نہیں پہنچ سکتا تو مل کا یہی تقاضا ہے کہ یہ مال ان افراد کے پاس چلا جائے جو مرنے والے کے نزدیک ترین رشتہ دار ہوں حقیقت میں ان اشخاص کا وجود اس کے اپنے وجود کی بقا شمار ہوگا۔

اسی لیے بہت سے لوگ اتنا سراپا رکھنے کے باوجود جو ان کی زندگی کے لیے خوبی کافی ہو سکتا ہے پھر بھی اپنے کاروبار کو بڑھانے کی نگاہ کو کوشش کرتے رہتے ہیں، ان کا مقصد اپنی اولاد کے مستقبل کی حفاظت کرنا اور اسے روشن کرنا ہے۔ یعنی قانون وراثت ملک کی اقتصادی گاڑی کو زیادہ متحرک اور فعال بنا سکتا ہے۔ اگر ہر شخص کا مال اس کی موت کے بعد اس سے بالکل الگ کر دیا جائے اور اسے مام مال قرار دے دیا جائے تو ملک ہے کہ اقتصادی سرگرمیاں اور چل چل پہل ختم ہو کر رہ جائے۔ اس انگلو کا شاہد وہ واقعہ ہے جو فرانس میں پیش آیا ہے۔ کہتے ہیں اب سے کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ فرانس کی پارلیمنٹ کے نمائندوں نے میراث کے قانون کو نو قرار دیا۔ اس کی بجائے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جو کوئی چھوڑ جائے اسے ہلک کانال سمجھ کر ضبط کر لیا جائے اور اسے عوام ان اس کی ضروریات میں اس طرح خرچ کیا جائے کہ اس شخص سے تعلق رکھنے والوں میں سے کسی کو کچھ بھی نہ دیا جائے لیکن کچھ مدت گزرنے کے بعد اس قانون کے بڑے اقتصادی اثرات ظاہر ہو گئے اور یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ اس قانون نے ملک کی درآمد اور برآمد پر گہرا اثر ڈالا ہے اور اس سے اقتصادی سرگرمیوں میں بہت کمی واقع ہو گئی ہے۔ چنانچہ ان حالات نے اقتصادیات کے ماہرین کو پریشان کر دیا۔





انہوں نے اس کا بنیادی سبب قانون میراث پر غلطی قرار دیا۔ اس لیے اس پر نظر ثانی کرنا پڑی۔ بنابر اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قانون میراث حکم شرعی کے علاوہ ایک فطری اور طبعی امر بھی ہے۔ یہ اقتصادی سرگرمیوں کی فعالیت میں ایک گہرا اثر رکھتا ہے۔

## میراث گذشتہ اقوام عالم میں

وراثت کا قانون فطری بنیادوں پر قائم ہے اس لیے وہ گزری ہوئی قوموں میں بھی مختلف شکلوں میں دکھائی دیتا ہے اگرچہ بعض لوگ یہودیوں کے متعلق یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان میں قانون وراثت کا وجود نہیں تھا لیکن موجودہ قورات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قانون بڑی تفصیل کے ساتھ سفرِ امداد میں موجود ہے۔ اس میں ہے:

اور بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کے بیٹا نہ ہوں تو اس کی میراث بیٹی کو دے دو اگر بیٹی بھی نہ ہو تو اس کا ورثہ اس کے بھائیوں کو دے دو اگر بھائی بھی نہ ہو تو اس کی میراث اس کے باپ کے بھائیوں کو دے دو اگر اس کے باپ کا کوئی بھائی نہیں ہے تو اس کے پس ماندہ لوگوں میں سے جو بھی اس کا زیادہ نزدیکی رشتہ دار ہے اُسے ترکہ دے دو۔ تاکہ وہ اس کا وارث بن جائے اور یہ امر بنی اسرائیل کے لیے واجب ہے۔ اس لیے کہ خداوند عالم نے موسیٰ کو یہ حکم دیا ہے۔

مندرجہ بالا فقرہوں سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل میں میراث کا تعلق صرف اہل نسب ہی سے تھا کیونکہ اس میں شروع سے نازک بیوی اور شوہر کا نام نہیں ہے۔

دینِ عیسوی میں اس قانون کو معتبر سمجھا جانے کا کیونکہ موجودہ انجیل میں متولی ہے کہ حضرت مسیحؑ نے فرمایا۔

میں اس لیے نہیں آیا کہ قورات کے امکانات میں کوئی رد و بدل کروں۔

اسی لیے ان کی موجودہ کتب و رسالہ مذہبی میں میراث کی کوئی بحث نہیں پائی جاتی۔ صرف چند مقامات پر فقط وارث کے مشتقات پر گفتگو کی گئی ہے جو سب کی سب سنوی یا اخروی میراث کے بارے میں صحیح ہے۔

اسلام سے پہلے عربوں میں تین طریقوں سے میراث بنتی تھی:

۱۔ نسب۔ اس سے مراد ان کے ہاں صرف بیٹے اور مرد تھے۔ بچے اور عورتیں ترکہ سے قطعی طور پر محروم تھیں۔

۲۔ متبلی۔ یعنی ایسا بیٹا ہے ایک خاندان نے دھتکار دیا جو اور دوسرے نے اُسے اپنی طرف منسوب کر لیا جو یہ دراصل مزبولا بیٹا ہوتا تھا۔ اس صورت میں اس منسوبے بیٹے اور اس کے منسوبے باپ کے درمیان قانون وراثت جاری ہو جاتا تھا۔

۳۔ عہد و پیمان۔ دو آدمی آپس میں معاہدہ کر لیتے تھے کہ وہ زندگی بھر ایک دوسرے کا دفاع کریں گے اور مرنے کے بعد ایک دوسرے کے وراثہ دار اور وارث رہیں گے۔

اسلام نے میراث کے فطری اور طبعی قانون کو ان خس و خاشاک سے پاک کر دیا اور ظالمانہ تفریقات جو ایک طرف عورت مرد



اور دوسری طرف چھوٹے بڑے کے درمیان نہیں دور کر دیا۔

اسلام نے تین چیزوں کو میراث کا سرچشمہ قرار دیا۔ اسلام سے پہلے یوں نہ تھا۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں:

۱۔ نسب اپنے وسیع مفہوم کے ساتھ یعنی ہر قسم کا تعلق جو تولد کے ذریعے دو اشخاص کے درمیان مختلف سطحوں میں ظاہر ہو۔ چاہے وہ مرد و عورت ہوں چاہے چھوٹے بڑے۔

۲۔ سبب یعنی ایسے روابط جو شادی کے ذریعے مختلف افراد کے درمیان پیدا ہو جائیں۔

۳۔ ولاد اس سے مراد ایسے روابط ہیں جو نسبی یا سببی رشتہ داری کے علاوہ دو اشخاص میں پیدا ہونے والے تعلق یعنی اگر کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کر دیتا ہے اور عورت کے بعد غلام اپنا کوئی نسبی یا سببی رشتہ دار نہیں چھوڑتا تو اس کا مال آزاد کرنے والے کو مل جاتا ہے گا اور یہ غلام آزاد کرنے کی ایک جزا اور ترضیب ہے۔

اسی طرح ولاد و ضمان بریرہ ہے یہ ایک خاص معاہدہ تھا جو دو افراد کے درمیان ان کی خواہش اور ارادے سے قائم ہو جاتا تھا اور طرفین یہ امر اپنے ذمے لیتے تھے کہ وہ مختلف مواقع پر ایک دوسرے کا دفاع کریں گے اور مرنے کے بعد جبکہ ان کے درمیان کسی قسم کی نسبی یا سببی رشتہ داری بھی نہ ہو، ایک دوسرے کی میراث لیں گے۔

اسی طرح ولاد و امامت ہے یعنی اگر کوئی شخص دنیا سے پہلے سے اور اپنے بعد کسی قسم کا نسبی اور سببی رشتہ دار نہ چھوڑے تو اس کی میراث امام کو یا دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کے بیت المال کو ملے گی۔ البتہ مندرجہ بالا طبقات کے لیے شرطیں اور احکام ہیں جو کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

تفسیر

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِ كَرُمَثَل حَفَظَ الْأَنْثَبِينَ .

اس آیت میں وارثوں کے پہلے طبقے (اولاد) اور ماں باپ کے بارے میں حکم بیان کیا گیا ہے۔ واضح ہے کہ ربط و تعلق کی رو سے کوئی رشتہ اولاد، ماں اور باپ سے زیادہ قریبی نہیں ہے اسی لیے قرآن نے انہیں میراث کے دیگر طبقات پر مقدم رکھا ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا ہے، اخصائے قہاری اولاد کے بارے میں سفارش اور وصیت کرتا ہے کہ بیٹوں کو بیٹیوں کی نسبت دوگنا حصہ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ترتیب آیت اور طرز بیان کے لحاظ سے بیٹیوں کی میراث کو جو قرار دیا گیا ہے اور بیٹوں کے ورثے شارب۔ کیونکہ بیٹیوں کا حصہ مقرر (کہ کے بیٹوں کا حصہ مقرر کیا گیا ہے کہ بیٹے بیٹیوں سے دوگنا حصہ لیں گے اور یہ بیٹیوں کو میراث دینے کے لیے ایک طرح کی تاکید ہے اور زمازما جابلیت کی بدعتوں کا مقابلہ ہے کیونکہ وہ بیٹی کو بالکل محروم کر دیتے تھے۔ باقی رہا ان وظف کی میراث کے تفاوت و فرق کا غلط فہم و تقریب بیان کیا جائے گا۔

فَإِنْ كُنْ نِسَاءً فَلَئِنْ أَتَيْتَ فَلَهُنَّ ثُلَاثُ مَآثَرِكْ .

اگر مرنے والے کی اولاد صرف دو لڑکیاں یا ان سے زیادہ ہوں تو انہیں مال کا دو تہائی (۲/۳) ملے گا۔

وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ



لیکن اگر ایک بیٹی جو تو اسے مال کا نصف ملے گا۔

## ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں قرآن فرماتا ہے "فوق اثنتین" یعنی اگر دو بیٹیوں سے زیادہ ہوں تو دو تہائی مال ان کو ہے اس بنا پر یہ آیت دو لڑکیوں کے حکم سے خاصو غنی اختیار کیے ہوئے ہے کیونکہ اس نے صرف ایک یا چند بیٹیوں کا حکم بیان کیا ہے۔

اس سوال کا جواب آیت کے پہلے حصے پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے:

لِلذَّكَوَّةِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثٰی

یعنی۔ لڑکا لڑکی سے دو گنا حصہ ملے گا۔

اگر کسی مرد نے اسے کے پس ماندگان میں فقط ایک بیٹی اور ایک بیٹا جو تو بیٹی کا حصہ ایک تہائی اور بیٹے کا دو تہائی ہوتا ہے۔ بنا پر اس کے مطابق دو بیٹیوں کا حصہ دو تہائی ہو گا۔ شاید اسی وجہ سے بعد میں آئے دسے حصے میں دو بیٹیوں کے حصہ کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ چند بیٹیوں کے حصہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو دو تہائی سے نہیں بڑھتا اور فرمائیے گا۔

نیز سورہ نسا کی آخری آیت پر غور و فکر کرنے سے بھی یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے کیونکہ اس آیت میں ایک بہن کا حصہ (ایک بیٹی کی طرح) اور حاکم قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ اگر دو بہنیں ہوں تو انہیں دو تہائی مال ملے گا۔ اس حکم سے ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ دو بیٹیوں کا حصہ بھی دو تہائی ہے۔

اس کے علاوہ یہ تعبیر عربی ادب میں دکھائی دیتی ہے، وہ کہیں کہتے ہیں "فوق اثنتین" جس سے مراد ہوتا ہے (افغانستان و ما فوق) یعنی دو یا دو سے زیادہ۔

ان تمام امور کو چھوڑتے ہوئے حکم مذکور فقہ اسلامی اور منابع حدیث کے لحاظ سے تسلیم شدہ ہے فرض کیے کہ مندرجہ بالا حصے میں شک و شبہ کی گنجائش ہے تو وہ معاصر حدیث پر ایک نگاہ ڈالنے سے دور ہو جاتا ہے۔

## مرد کی میراث عورت سے دو گنی کیوں ہے؟

بظاہر تو مرد کا مرد عورت سے دو چہہ ہے لیکن غور کرنے سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ ایک لحاظ سے عورت کی میراث مرد سے دو گنی ہے اور یہ اس حمایت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہے جو اسلام نے عورت کے حقوق کی فرمائی ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر مردوں کی ذمہ داریوں کا لحاظ رکھا جائے تو مرد کی آدمی آمدنی علی طور پر عورتوں پر خرچ ہوتی ہے۔ جبکہ عورت کے ذمہ ایسی کوئی چیز نہیں۔ مرد کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کی زندگی کے لوازمات اس کی ضرورت کے مطابق مکان، لباس، خوراک اور دیگر ضروریات زندگی مینا کرے۔ چھوٹے بچوں کی زندگی کی ضروریات بھی مرد کے ذمہ ہیں۔ جبکہ عورتوں کے ذمہ یہ لازم نہیں ہیں۔ یہی حکم کہ اپنی ضروریات زندگی بھی ان کے ذمہ نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے ایک عورت یہ کر سکتی ہے کہ وہ اپنی تمام میراث کو اپنی بچت کے لئے



پر لکے جبکہ مرد اپنے اور اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرنے کے لیے مجبور ہے اس کا عملی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ مرد کی آمدنی عورت پر اور آدمی اپنے پر خرچ ہوگی جبکہ عورت کا حصہ جوں کا توں باقی رہ جاتا ہے۔

مزید وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل مثال کی طرف توجہ فرمائیے:

فرض کیجئے کہ دنیا کی کل دولت ۴۰ ارب روپے ہے۔ جو میراث کی رو سے عورتوں، مردوں، بیٹیوں اور بیٹوں میں بانٹی جاتا ہے اب دنیا کے تمام مردوں کی آمدنی کا عورتوں کی آمدنی کے ساتھ بلحاظ میراث حساب کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس رقم میں سے ۲۰ ارب مردوں کے ہیں اور ۲۰ ارب عورتوں کے۔ جب معمول کے مطابق عورتوں کی شادی ہو جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ ان کے لوازمات زندگی کا تمام تر بوجھ مردوں پر ہوگا۔ اس طرح عورتیں اپنے حصہ کا وہی مال اب رہ رہ کر ہیکڑا ہیکڑا چلی طور پر مردوں کے ۲۰ ارب روپے میں ٹھیکہ ہیں وہ ان پر اور ان کی اولاد پر خرچ ہوگا۔

اسی طرح مردوں کا ادا حصہ ۲۰ ارب روپے، عورتوں پر خرچ ہوگا۔ اب اگر اس کے ساتھ اس ۲۰ ارب روپے کو بھی جمع کیا جائے جہاں ہوں نے بچایا ہے تو یوں یہ رقم بھی طور پر ۲۰ ارب روپے بنتی ہے۔ جو پوری دنیا کے سرمایہ کا دو تہائی ہے جبکہ مرد مل طور پر ۲۰ ارب روپے سے زیادہ اپنے پر خرچ نہیں کر سکتے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خرچ اور فائدہ اٹھانے کے لحاظ سے عورتوں کا اصلی حصہ مردوں کے حقیقی حصہ سے دو گنا ہے۔ یہ فرق اس لیے ہے کہ عورتوں میں روپیہ کمانے کی صلاحیت کم ہے۔ یہ اسلام کی طرف سے عورتوں کی منطقی اور عادلانہ حمایت ہے۔ اگر ظاہری طور پر عورتوں کا حصہ آدھا ہے۔ مگر ان کا حقیقی حصہ مردوں سے زیادہ مقرر کیا گیا ہے۔

اتفاق کی بات ہے کہ آثار اسلامی کی طرف رجوع کرنے سے ہمیں اسی نکتے کا سراغ ملتا ہے کہ مندرجہ بالا سوال اسلام کے شروع میں ہی لوگوں کے ذہن میں تھا اور وہ کسی کجھار اس سلسلے میں رہبران اسلام سے سوالات بھی کریں گے تھے۔ جو جوابات ان بزرگان اسلام (ائمہ اہل بیتؑ) نے اس سوال کے دینے میں، عالمیاد سب ایک ہی مضمون کے ہیں اور وہ یہ کہ خداوند عالم نے زندگی کے اخراجات اور حق ہر مردوں کے ذمہ لگایا ہے۔ اس بنا پر ان کا حصہ بھی زیادہ مقرر کیا گیا ہے۔

کتاب معانی الانبار میں حضرت علی بن موسیٰ رضاؑ سے متعلق ہے کہ آپؑ نے اسی سوال کے جواب میں فرمایا:

یہ جو میراث میں عورتوں کا حصہ مردوں کی نسبت آدھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب عورت کی شادی ہوتی ہے تو وہ کچھ نہ کچھ لیتی ہے اور مذکور جو کتاب ہے کہ کچھ نہ کچھ دے۔ اس کے علاوہ عورتوں کے اخراجات مردوں کے کاندھے پر ہیں۔ جبکہ عورت مرد کے اخراجات اور اپنے اخراجات سے بے فکر ہے۔

## مال باپ کی میراث

بائی یا مال باپ کا ورثہ جو پہلے طبقہ کا حصہ ہیں اور ورثہ کے لحاظ سے اولاد کے برابر ہیں (یعنی طبقہ اول سے تعلق رکھتے ہیں)۔ ان کی میراث وہی ہے جو مندرجہ بالا آیت میں لکھی ہے۔ اس کی تین حالتیں ہیں:



پہلی یہ کہ مرنے والے کی ایک یا کئی بیٹے اور بیٹیاں ہوں تو اس صورت میں ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا  
 ﴿لَوْلَا بَوِّبَ لَكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ هَذَا لَكَانَ لَهُ فُلْدٌ —﴾۔

دوسری یہ کہ مرنے والے کی کوئی اولاد نہ ہو اور ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں۔ اس صورت میں ماں کا حصہ کل مال کا ایک تہائی ہے (فان لم یکن لہ ولا وورثہ ابواہ فلا مۃ الثلث)۔ یہاں باپ کے حصہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا حصہ واضح ہے یعنی دو تہائی اپنے ہمایتہ اگر مرنے والے کی بیوی ہو یا مرنے والی کا شوہر موجود ہو تو اس صورت میں بیوی یا شوہر کا حصہ باپ کے حصہ میں سے منہا ہو جائے گا۔ یعنی اس صورتِ ممل میں باپ کا حصہ دوسری شق میں تبدیل ہو جائے گا۔  
 تیسری یہ ہے کہ صرف ماں باپ وارث ہوں۔ اولاد نہ ہو۔ لیکن مرنے والے کے چھری ماوری (لگے بھائی) یا صرف پدر کے دوستیہ (بھائی) موجود ہوں تو اس صورت میں ماں کا حصہ ایک تہائی کی بجائے چھٹا (۱/۶) ہو جائے گا۔ حقیقت میں اگرچہ بھائی میراث نہیں لیں گے لیکن اس صورت میں ماں اضافی مقدار نہ ملے سکے گی۔ اسی بنا پر انہیں ”ماجب“ کہتے ہیں (فان کان لہ اخوة فلا مۃ السدس)۔

اس حکم کا فلسفہ واضح ہے کئی بھائیوں کا ہونا باپ کے زندگی کے بوجھ کو بڑھاتا ہے کیونکہ باپ ان کے اخراجات کا کفیل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں بلکہ جوان ہونے کے بعد بھی ان کے کئی اخراجات باپ کو اٹھانا پڑتے ہیں۔ اسی لیے وہ بھائی، ماں کے حصے کی کمی کا سبب بنتے ہیں۔ اگر وہ ماں باپ یا صرف باپ کی طرف سے بھائی ہوں تو وہ بھائی جو صرف ماں کی طرف سے ہیں ان کی کسی قسم کی ذمہ داری باپ پر نہیں، وہ ”ماجب“ نہیں بنتے۔

### ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن نے اس آیت میں بھائیوں کا ذکر کرتے ہوئے جمع کا مفہ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے  
 ﴿فان کان لہ اخوة﴾

اگر اس شخص (موتی) کے کئی بھائی ہوں۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ عربی میں جمع کم از کم تین کے لیے ہے۔ بلکہ تمام فقہائے اسلام کا یہ طے شدہ نظریہ ہے کہ وہ بھائی بھی واجب ہیں اور ان کی وجہ سے ماں کا حصہ ۱/۶ کی بجائے ۱/۳ ہو جاتا ہے۔

اس سوال کا جواب قرآن کی دوسری آیات کی طرف متوجہ ہونے سے واضح ہو جاتا ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام مقامات پر جمع کا لفظ تین یا تین سے زیادہ افراد کے لیے بولا جائے بلکہ کئی مقامات پر یہ لفظ دو افراد کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے مثلاً سورۃ انبیاء کی آیت ۸۱ میں،

وکنّا لحکمہم شاہدین

یہ آیت حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے فیصلوں سے متعلق کہتی ہے اور قرآن نے ان دونوں بزرگوں کے لیے ضمیر جمع (ہم) استعمال کی ہے یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض اوقات جمع کا لفظ دو افراد کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ یہ بات شاہد اور قرینہ کی محتاج ہے۔ مزید بحث آیت کے اسی مضمون پر مسلمانوں کا اتفاق اور جماع ہے اور یہ ہمارا اسلام کی طرف سے بھی اس پر دلیل موجود



ہے۔ اس مسئلہ میں (ابن عباس کے سوا) سب علماء اسلام پابجہ وہ شیعہ ہوں یا سنی کا اتفاق ہے کہ وہ بھائی بھی اس آیت کے حکم میں شامل ہیں۔

### میراث وصیت اور قرض کے بعد ہے

من بعد وصیة یوصی بہا و دین

اس کے بعد قرآن فرماتا ہے کہ وارث مال کو اپنے درمیان اس وقت تقسیم کر سکتے ہیں جبکہ مرنے والے نے وصیت نہ کی ہو اور کسی کا قرض اس کے ذمہ ہو۔ اگر وہ وصیت کر گیا ہے یا وہ کسی کا مقروض ہے تو پہلے وصیت کی تعمیل اور قرض کی ادائیگی ضروری ہے۔ البتہ جیسا کہ باب وصیت میں تحریر کیا جا چکا ہے کہ وصیت کرنے والا اپنے مال کے تباہی خطر تک کی وصیت کر سکتا ہے اگر وہ اس سے زیادہ مال کی وصیت کرتے تو درست نہیں ہے ہاں البتہ وارث مجازت سے دیں تو صحیح ہے۔

أبائکم و آبائکم لا تدرون ایہم اقرب لکم ففعلوا۔

خداوند عالم اس آیت میں فرماتا ہے تبہیں نہیں معلوم کہ تمہارے باپ دادا اور اولاد میں سے تمہارے لیے کون زیادہ مفید ہے یعنی قانون میراث نوح بشر کے حقیقی اور اصلی مصلح اور مفادات کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے اور ان مصلحتوں کی تشہیل خدا ہی کے ہاتھ میں ہے کیونکہ انسان ہر مقام پر اپنی بہتری کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ جو سکتا ہے کہ بعض لوگ یہ گمان کریں کہ ماں باپ انسان کی بہت سی ضروریات کے ذمہ دار تھے ہیں اس لیے انہیں میراث میں اولاد پر مقدم ہونا چاہیے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض لوگ اس کے برعکس سوچیں۔ ان حالات میں اگر میراث کا قانون لوگوں کے ہاتھ میں ہوتا تو اس میں طرح طرح کے منکافات اور جھگڑے پیدا ہوتے لیکن خداوند عالم جو حقائق کو سمجھ کر وضع کر دیا ہے انہیں قبولی جانتا ہے۔ اس نے قانون میراث کے مثبت نظام کو جس میں نوح بشر کی بھلائی ہے مقرر فرمایا۔

فریضۃ من اللہ ان اللہ کان علیہما حکیم

یہ ایک ایسا قانون ہے جو خدا تعالیٰ نے اس طرف سے واجب ہے اور وہ دانا و حکیم ہے۔  
یہ جو گزشتہ مطالب کی تاکید کے لیے آیا ہے تاکہ لوگ میراث سے مربوط قوانین کے بارے میں کوئی اعتراض نہ کر سکیں۔

### میراث میں میاں بیوی کا ایک دوسرے سے حصہ

ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لہن ولد

گذشتہ آیت میں اولاد اور ماں باپ کے حصہ کی طرف اشارہ ہوا تھا یہاں میاں بیوی کا ایک دوسرے سے میراث لینے کی کیفیت کی وضاحت کی گئی ہے۔ آیت کہتی ہے مرد صاحب اولاد نہ ہو تو اپنی بیوی کے مال میں سے آدمی میراث لے گا لیکن اگر اس کے ایک یا کئی بچے ہوں (چاہے وہ کسی اور شوہر کے کیوں نہ ہوں) تو پھر شوہر مال کا ایک چوتھائی حصہ لے گا۔

فان کان لہن ولد فذلکم الربع مصلحتکم

البتہ یہ تقسیم بھی بیوی کا قرض ادا کرنے اور اس کی مالی وصیتوں کو پورا کرنے کے بعد ہے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:



من بعد وصیة یوصین بها او دین

یہی بیویوں کی میراث اپنے شوہر کے مال سے جبکہ شوہر کی کوئی اولاد نہ ہو تو وہ مال کا چوتھا حصہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:  
ولهن الربع معاثرکتھن ان لکم ولد لیکن اگر شوہر کی اولاد ہو (پاپا ہے یہ اولاد کسی اور بیوی سے ہو تو پھر مردوں کا  
اشواں حصہ ہو گا) فان کان لکم ولد فلهن النصف معاثرکتھن۔

تقسیم میراث بھی پہلی تقسیم کی طرح شوہر کے قرضوں کی ادائیگی اور مالی وصیت پوری کرنے کے بعد ہوگی۔ من بعد وصیة توصون بها او دین۔  
قابل توجہ امر یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کا حصہ اولاد کی موجودگی میں ادا ہے۔ یہ اولاد کے حقوق کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہے۔  
اس بات کا سبب کہ شوہر کا حصہ عورت سے دوگن قرار دیا گیا ہے، وہی ہے جو گذشتہ بحث میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور نبی کی  
میراث کے بارے میں تحریر کیا جا چکا ہے۔

اس نکتہ کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ جو حصہ مردوں کے لیے مقرر ہوا ہے اچانک وہ چھوٹا ہوا اشواں (وہ ایک بیوی سے  
مخصوص نہیں ہے بلکہ اگر مرد کی کئی بیویاں ہوں تو بھی مذکورہ حصہ ان سب کے درمیان مساوی تقسیم ہوگا۔ آیہ مذکورہ بالا کا ظہور یہی ہے۔

## بھائیوں اور بھائیوں کی میراث

وان کان رجل یورث کلالۃ

اس آیت میں ہیں ایک نیا لفظ ملا ہے جو قرآن میں صرف دو مقام پر آیا ہے۔ ایک زیر بحث آیت میں اور دوسرے سورۃ  
نساء ہی کی آخری آیت میں اور وہ ہے لفظ "کلالہ"۔ منات کی کتاب میں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ "کلالہ" اصل میں مصدری معنی رکھتا  
ہے اور کلال - کے معنی میں ہے۔ جس کا مطلب ہے "قوت اور توانائی کا ختم ہونا"۔

لیکن یہ لفظ بعد میں الیٰ ہی بھائیوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو متوفی کی میراث دیتے ہیں شاید اس کی وجہ اور مانا بہت  
یہ ہے کہ بھائی اور نہیں میراث کے دوسرے طبقے کا جزو ہیں اور صرف ماں باپ اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں وارث ہوتے ہیں  
اور ایسے شخص جس کے ماں باپ اور اولاد نہ ہو یقیناً رنج و مصیبت میں ہوتا ہے اور اپنی طاقت اور توانائی سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔  
اس لیے انہیں "کلالہ" کہا جاتا ہے۔ راجب مفردات میں لکھا ہے کہ کلالہ، ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو متوفی کی میراث اس صورت میں  
لے جبکہ اس کے ماں باپ، اولاد اور اولاد نہ ہو۔ لیکن ایک اور روایت جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے  
منقول ہے، اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کلالہ - عنوان اور نشان ہے ایسے شخص کے لیے جو دنیا سے اس حالت میں پہلے بھاگو اس کی بھائی  
باپ بھائی اور اولاد نہ ہو۔

نیز اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ کلالہ لفظ متوفی کے لیے بولا جائے اور اس قسم کے رشتہ داروں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا  
ہو۔ جیسا کہ اس نے اپنی کتاب میں اس موضوع کی وضاحت کی ہے۔

لے صحاح اللغة میں ہے: "الكلالۃ فی الاصل مصدر بمعنی الكلال وهو ذهاب القوة۔"





باقی رہا یہ کہ قرآن مجید نے بہن بھائیوں کے مضاف کی بجائے فقط کلالہ کیوں چننا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ایسے اشخاص جن کے ماں باپ ہوں نہ اولاد اور یہ بات بد نظر رکھیں کہ ان کا مال ایسے لوگوں کے ہاتھ آئے گا جو اس کی کمزوری اور ناتوانی کی نشانی ہیں۔ اس لیے قبل ازیں کہ غیر لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں وہ خود اس مال کو ضروری مواقع ضرورت مند لوگوں کی مدد اور اجتماعی علاج و معیوہ میں خرچ کرے۔

اب ہم آیت کی تفسیر کی طرف لوٹتے ہیں:

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوْ امْرَأَتًا وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ

یہ آیت بتاتی ہے کہ اگر کوئی شخص دنیا سے اٹھ جائے اور بہن بھائی اس کی میراث لے لیں یا کوئی عورت دنیا سے ہلے بے اولاد اس کا ایک بھائی اور ایک بہن زندہ جو قرآن میں سے ہر ایک اس کے مال کا چھٹا حصہ لے گا۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ متوفی کا ایک بھائی یا بہن باقی رہ گئے ہوں اور اگر وہ ایک سے زیادہ ہوں تو ہر وہ کل مال کی ایک تہائی ۱/۳ لے لیں گے۔ یعنی ان کو چاہیے کہ ایک تہائی مال آپس میں بانٹ لیں (فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ)۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے: مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دِينَ

یہ اس صورت میں ہے جبکہ وصیت پہلے پوری ہو چکی ہو اور قرض ادا کیا جا چکا ہو (اَلْيَوْمَ نُنْزِلُ فِي هَذِهِ آيَاتٍ)۔ یعنی اس حالت میں جبکہ وصیت اور قرض میں وراثتوں کو نقصان پہنچنے کا کوئی پہلو نہ ہو۔ مقصد یہ ہے کہ ایک تہائی سے زیادہ مال کی وصیت نہ کرے کیونکہ ان روایتوں کے مطابق جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بیٹے سے مروی ہیں ایک تہائی سے زیادہ مال کی وصیت کرنا گویا وراثتوں کو نقصان پہنچانا ہے۔ ایسی وصیت کی تفصیل وراثتوں کی اجازت سے ہوگی یا یہ کہ وراثتوں کو محروم کرنے اور انہیں نقصان پہنچانے کے لیے مقروض نہ ہوتے ہوئے خواہ مخواہ قرض کی ادائیگی کا ذکر کر دیا جائے۔

آخر میں تاکید کے طور پر فرماتا ہے:

وَصِيَّةٌ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ

یعنی۔ یہ خدا کی وصیت اور نصیحت ہے اس کا احترام کرنا چاہیے کیونکہ وہ تباری بستی کو خوب جانتا ہے۔ جس نے یہ حکم مقرر کیا ہیں وہ وصیت کرنے والوں کی نیت سے بھی واقف ہے لیکن اس کے باوجود وہ بردبار بھی ہے چنانچہ ان لوگوں کو جو اس کے حکم کو نہیں مانتے فوراً سزا نہیں دیتا۔

## چند اہم نکات

- جو کچھ مندرجہ بالا آیت میں بہن بھائیوں کی میراث کے بارے میں ہے اگرچہ وہ بظاہر ظنی ہے مگر مدی، مدری بہن بھائی اور صرف پدری یا صرف مادر بھائیوں کے بارے میں ہے۔ لیکن سورۃ نساہ کی آخری آیت کی طرف توجہ کرنے سے جس کی تفسیر متعرب کبھی جائے گی معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے مراد متوفی کے صرف مادر بھائی بہن بھائی ہیں (جو ماں کی طرف سے بہن بھائی ہوں)۔



بلکہ سورہ نسا کی آخری آیت چھٹی ماوردی یا صرف چھٹی ہیں بجائیوں کے بارے میں ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس آیت کے ذیل میں اس سلسلے میں شواہد پیش کریں گے۔

مگر جہاں بنا کچھ یہ دونوں آیتیں نہ نکلائے۔ ہیں بجائیوں کی میراث سے بحث کر رہی ہیں اور بقا ہر ایک دوسرے کے خلاف ہیں لیکن دونوں آیات کے معنایں میں غرور و فکر کرنے سے یہ بات کس کس مانتے آجاتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک ہیں بجائیوں کی ایک خاص صورت کے متعلق وضاحت کر رہی ہے۔ بنا بریں ان دونوں آیتوں میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے۔

۲۔ ظاہر ہے کہ اس طبقے کی وراثت اس صورت میں ہے جب پہلے طبقہ یعنی دل باپ اور اولاد میں سے کوئی باقی نہ ہو، اس امر کی شاہد یہ آیت ہے:

”وَالْوَالِدَاتُ لَرَحَامٍ بِغَضَبٍ أُولَىٰ بَعْضُهُنَّ فِي كِتَابِ اللَّهِ“

رشتہ داروں میں سے بعض میراث کے تقرر اور تعین میں دوسروں پر ترجیح رکھتے ہیں یعنی جو مرنے والے کے زیادہ قریب ہیں وہ مقدم ہیں (انفال۔ ۷۵)

اسی طرح وہ بہت سی دہائیں جو اس سلسلے میں متوال ہیں وہ میراث کے طبقات کے تعین اور بعض کی بعض پر ترجیح پر مزید گواہ ہیں۔

۳۔ ”ہم شریکاء“ فـ المثلث اگر ایک سے زیادہ (ماوردی بجائی اور نہیں) ہوں تو وہ مال کے ایک تہائی میں برابر برابر کے شریک ہیں اس آیت سے ہر چنانچہ کہ وہ ایک تہائی مال آپس میں مساوی طور پر تقسیم کریں گے اور اس صورت میں مرد اور عورت کا کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ شرکت طبقہ کا منہم حصوں کا برابر برابر ہوتا ہے۔

۴۔ مندرجہ بالا آیت سے یہ بات ابھی طرح سمجھ میں آتی ہے کہ انسان یہ حق نہیں رکھتا کہ وصیت کے ذریعے یا ایسا قرضہ بیان کر کے جو دراصل اس کے ذمہ نہیں ہے وارثوں کے خلاف سازش کرے اور ان کا حق خالص کرے۔ ہاں اس کی طرف یہ ذمہ داری ہے کہ جو قرضہ چاہے اس کے ذمہ ہے آخری موقع پر انہیں بتا دے اور وہ عاقلانہ وصیت کا حق رکھتا ہے جس کی مدد روایات کی دوسری مال کا ایک تہائی حصہ ہے۔

اس سلسلے میں رہبر ان اسلام کے ارشادات میں سخت ہدایات لکھائی دیتی ہیں ان میں سے ایک حدیث میں ہے:

ان الضرار فی الوصیۃ من الکبائر۔

وارثوں کو نقصان پہنچانا اور انہیں بے جا وصیت کے ذریعے حق شری سے محروم کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

اسلام حقیقت میں اس حکم کے ذریعے ایک طرف تو اس شخص کو اس کے مال کے ایک حصہ سے اس کی وفات کے بعد بھی فائدہ و ثواب پہنچانا چاہتا ہے دوسری طرف وارثوں کو بھی فائدہ پہنچانا چاہتا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ گناہ اور دشمنی کی وجہ سے بہت کا رشتہ بے مرنے کے بعد بھی زخمی رہنا چاہیے کمزور اور شست پڑ جائے۔

۱۳۔ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي



مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

۱۳۔ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا سِوَا سِوَا لَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝

ترجمہ

۱۳۔ یہ خدا کی (مقرر کی ہوئی) سرحدیں ہیں۔ جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرے (اور اس کے قوانین کی سرحدوں کا احترام کرے) وہ اسے ایسی جنت کے باغوں میں بھیجے گا جس کے درختوں کے نیچے پانی کی نہریں جاری رہتی ہیں اور یہ لوگ ہمیشہ کے لیے اس میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

۱۴۔ اور جو کوئی خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی سرحدوں سے تجاوز کرے گا تو وہ اسے ایسی آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلت آمیز سزا ہے۔

تفسیر

”حدود“ جمع ہے۔ اصل میں اس کا معنی ہے منع کرنا اور روکنا۔ بعد ازاں ہر اس چیز کو جو دو چیزوں کے درمیان مداخلت ہو اور انہیں ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا کرے جدا کرنا کہے۔ مثلاً گھر کی حد، باغ کی حد، شہر کی حد اور ملک کی حد۔ گویا ایسے نقاط کو جدا کرتا ہے جو انہیں دوسرے نقاط سے جدا کریں۔

خداوند عالم مندرجہ بالا آیت میں فقط تلك کے ذریعے میراث کے قوانین کی طرف جو گذشتہ آیات میں آپکے ہیں اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”یہ خدا کی سرحدیں ہیں جنہیں چھاننا اور عبور کرنا منع ہے۔ جو ان سے آگے بڑھیں گے وہ گناہگار بھیجے جائیں گے۔“  
تلك حدود اللہ کا یہ مفہوم کلامِ بید کی متعدد آیات میں آیا ہے اور یہ ہر جگہ جتنا ہی احکامات اور مقررات بیان کرنے کے بعد آیا ہے مثلاً سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۷ میں احکامات میں جنسی لحاظ کی ممانعت اور روزہ کے احکام کے بعد سورہ بقرہ کی آیت ۲۱۹ اور ۱۲۳ سورہ طلاق کی آیت ۱۰ میں طلاق کے کچھ احکام کے بعد اور سورہ مائدہ کی آیت ۳۸ میں کفارہ کے بیان کے بعد ہے۔ ان سب باتوں پر احکام و قوانین بیان ہوئے ہیں جن سے آگے بڑھنا ممنوع ہے اور وہ خدائی سرحدوں کے عنوان سے پہچانے جاتے ہیں۔  
ومن بطع الله ورسوله يدخله جنات.....

خداوند عالم ان چند خدائی حدود اور سرحدوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وہ لوگ جو خدا اور اس کے رسول کی احکامات



کرتے ہیں اور ان سرحدوں کا احترام کرتے ہیں، ہمیشہ جنت کے باغوں میں رہیں گے جن کے درختوں کے نیچے سدا پانی بہتا رہتا ہے۔  
آیت کے آخر میں فرماتا ہے: **ویرثتہا بڑی کامیابی و کامرانی ہے (وذلك الفوز العظيم)۔**

من يعص الله ورسوله ويتعد حدوده يدخله منا امانا فیهما

آیت کا یہ حصہ ان لوگوں کے مخالفت نقطہ نظر کو بیان کرتا ہے جن کی طرف گزشتہ آیتوں میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: **وہ لوگ جو خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتے ہیں اور ان کے احکامات کی سرحدیں چاند جاتے ہیں وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔** البتہ ہم جانتے ہیں کہ صرف خدا کی حکم دہی (ہا ہے وہ گنا و کبیرہ کیوں نہ ہو) ہمیشہ کے عذاب کا سبب نہیں ہے۔ اسی وجہ سے آیت مذکورہ بالا میں وہ لوگ مراد ایسے گئے ہیں جو دشمنی، سرکشی، بغاوت اور آیاتِ الہی کے انکار کی بنا پر خداوند عالم کے احکامات کو اپنے پاؤں کے نیچے روند ڈالتے ہیں۔ حقیقت میں وہ خدا اور قیامت کے ان پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ اسی بات کی طرف نور و ذکر کرتے ہوئے کہ لفظ جمع ہے اور تمام قوانینِ الہی پر محیط ہے، یہ سنی بعید و کفائی نہیں دیتا کیونکہ جو شخص خداوند عالم کے سب قانون توڑ دے وہ ہرگز خدا پر ایمان نہیں رکھتا۔ ورنہ ان میں سے کسی کا احترام نہ کرتا۔

قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ گزشتہ آیتوں میں اہلِ بہشت کے بارے میں خالد بن ولیدؓ اور جنت میں رہیں گے، جامع کی موت میں آیا ہے اور اس آیت میں جو دو چیزوں کے متعلق ہے: **خالدؓ اور خداوند کی شکل میں آیا ہے۔** ایسی دو آیات میں جو ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہیں، تیسرے کا یہ فرق اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اہلِ بہشت کے لیے اجتماعی زندگی ہے جو جنت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت شمار ہوتی ہے جبکہ اہلِ دوزخ عذابِ الہی میں اس طرح پھنسے ہوئے اور ڈوبے ہوئے ہوں گے کہ انہیں دوسروں کی کوئی مدد نہ ملے گی۔ فرضِ دہلی طور پر اکیلے ہوں گے یہاں تک کہ یہ بات اس دنیا میں اپنی رائے پر مبنی ہوں اور انکے تھک رہنے والے لوگوں کے بارے میں جی جی کر اور اجتماعی زندگی بسر کرنے والوں کے مقابلے میں صادق آتی ہے کہ یہ لوگ اس دنیا میں جنتی اور دوزخی میں ولہ عذاب ملین

ان کے لیے ذلیل اور رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

اصل میں گزشتہ جیسے میں عذابِ خداوندی کی جسمانی سزاؤں کا پہلو جھلکتا ہے اور یہی جو اس جہاں میں ذلت و رسوائی کا تذکرہ بھی ہے اس لیے یہاں روحانی پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

## اسلامی قانون میراث کی خصوصیات

عام طور پر میراث کے قانون میں اور خاص طور پر اسلام کے میراث کے قانون میں کئی ایک خوبیاں ہیں۔ ذیل میں بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

- 1۔ اسلامی نظامِ میراث میں یہ غلطی ہے کہ اس میں متوفی سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص بھی سلسلہِ مراتب کو پیش نظر رکھتے ہوئے میراث سے محروم نہیں رہتا اور یہ جو رواج زمانہ جاہلیت کے عربوں اور بعض دوسرے ملکوں میں تھا کہ وہ عورتوں اور بچوں کو تہیہ لڑاٹھا سکے اور جنگ کی طاقت نہ رکھنے کی وجہ سے میراث سے محروم کر دیتے تھے اور متوفی کی دولت فوراً کے ہاتھ لے لیا



کو دے دیتے تھے، اسلام میں سب سے اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی قانون میراث ان سب افراد پر محیط ہے جو مرنے والے کے ساتھ کوئی نسبت یا ربط رکھتے ہیں۔

۲ یہ قوانین جائیداد اور فطری مزدوریات انسانی کے لیے مثبت پہلو رکھتے ہیں کیونکہ انسان ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ اپنے خزانہ پسینے سے کمائی ہوئی دولت ایسے افراد کے ہاتھوں میں دیکھے جو اس کے جگہ کا محاذ ہیں اور ان کی زندگی حقیقت میں ان کی زندگی کی بقا و دوام ہے۔ اس لیے قانون میراث میں اولاد کا حصہ سب سے زیادہ ہے جبکہ ماں باپ اور باقی رشتہ دار و غیرہ اپنے مقام پر مناسب حصے کے حامل ہیں۔

۳ یہ قانون انسان کو زیادہ دولت کمانے اور اقتصادی گاڑی کے سپروں کو حرکت دینے کے سلسلے میں شوق و لگن اور اہمیتا ہے۔ کیونکہ جب انسان اپنی زندگی کی محنت کے نتیجے کو اپنے مرکز محبت و تعلق کے حصے میں دیکھتا ہے تو پھر وہ چاہے کسی سبب اور حالت میں جو کام کرنے کے لیے اس کا شوق بڑھتا چلا جاتا ہے اور اس کی مصروفیات میں غمزدگی اور وقت نہ نہیں آتا۔ بیچارہ کم کھد چکے ہیں کہ جب بعض ممالک میں قانون میراث کو منسوخ قرار دیا گیا اور مرنے والوں کا مال اور جائیداد حکومت کو دے دیئے گئے تو جلد ہی اس ملک کے اقتصادی ماحول میں اس قانون کے منفي اثرات نمودار کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ اس لیے انہیں مبراۓ قانون ختم کرنا پڑا۔

۴ اسلام کا قانون میراث دولت کو ایک جگہ جمع کرنے سے روکتا ہے کیونکہ اس نظام میں ہر انتقال کے بعد دولت و ثروت عادلانہ طور پر بہت سے افراد میں بانٹی جاتی ہے اس لیے یہ نظام دولت کی عادلانہ تقسیم کے لیے معادن و مددگار ہے۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ آج کی دنیا میں تقسیم دولت کی جو مختلف شکلیں ہیں ان سے اکثر معاشرے کو نقصان اور تکلیف پہنچی ہے۔ اسلام کا قانون میراث اس طرح کا نہیں ہے بلکہ اس میں مال کی تقسیم اس طرح ہوتی ہے کہ اسے سب ہمیشہ خوشی قبول کریتے ہیں۔ اسلامی قانون میراث متونی سے صرف میل جول رکھنے کی بنا پر نہیں جوتا بلکہ وارثوں کی حقیقی ضرورت کو بھی سامنے رکھتا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ دیکھتے ہیں کہ میٹوں کا حصہ میٹوں کی نسبت دوگن ہے۔ یا بعض حالات میں باپ کا حصہ ماں سے زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قانون اسلامی کے مطابق مرد کی زیادہ اقتصادی ذمہ داریاں ہیں مردوں کی زندگی کا خرچ مردوں کے کندھے پر ہے۔ اسی لیے ان کو مردوں کی نسبت زیادہ ضرورت ہے۔

### مول اور تحصیب کے کہتے ہیں

ہم اس مقام پر درجہ اولی مسئلوں کا جائزہ دیتے ہیں اور وہ ہیں مول اور تحصیب۔ یہ بحث اس وجہ سے شروع ہوتی ہے کہ میراث کے حصے جس طرح گزشتہ آیات میں بیان کیے گئے ہیں بعض اوقات مجموعی سے کم اور زیادہ ہو جاتے ہیں مثلاً اگر دو چری ملازمی ہیں اور شوہر وارث ہوں تو ان (دو بیٹوں) کی میراث دو تہائی دے دی جائے اور شوہر کا ورثہ ادا کر دیا جائے اور ان کا مجموعہ پچہ بڑھ گئیگی اس سے پچہ زیادہ ہو جائے گا۔ یہاں یہ بحث واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ کیا عادلانہ طور پر کل پچہ حصوں کی نسبت سے سب وارثوں کو کم دیا جائے یا یہ کہ مقررہ خزانہ سے کم کیا جائے۔



علمائے اہل سنت کے درمیان تو یہی مشہور ہے کہ سب کے حصوں سے کم کیا جائے۔ فقہی اصطلاح میں اسی کو محول کہا جاتا ہے و سنت میں محول کے معنی زیادتی اور بلند کی گئی ہیں۔

بہر حال وہ کہتے ہیں کہ اضافی پے دونوں گروہوں سے ان کے حصوں کے مطابق کم دیا جائے۔ اسی طرح دیگر مواقع پر بھی وہ ایسا کرتے ہیں۔ ہم حقیقت میں اسی موقع پر میراث کے حصہ داروں کو طلبگاروں کی طرح فرض کرتے ہیں اور مقروض تمام کے مطالبات پورا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اصطلاح کے مطابق وہ دیوالیہ ہو گیا ہے اور کون نہیں جانتا کہ ایسے مواقع پر طلبگاروں کے حصوں کی مناسبت سے کمی کی جاتی ہے۔

لیکن شیعہ فقہاء کا نظریہ یہ ہے کہ بیٹہ نفس خاص افراد کے مال میں ہوتا ہے ان کے مطابق مندرجہ بالا مثال میں نفس اور کمی دونوں بڑھانے کے حصہ میں کی جائے گی وہ کہتے ہیں کہ جس طرح حدیث میں آیا ہے، لیکن نہیں کہ وہ خداجو سب چیزوں کے حساب کو یہاں تک کر بیا بان کے ریت کے ذروں کو بھی جانتا ہے میراث کے حصوں کو ایسے کیونکر قرار دے سکتا ہے کہ ان میں کمی واقع ہو۔ یقیناً ایسے مواقع پر خدانے کوئی قانون وضع کیا ہے۔ اگر اس قانون کی طرف توجہ کر لی جائے تو کمی کا تصور نہیں ہو سکتا اور وہ قانون یہ ہے کہ وارثوں میں سے بعض ایسے ہیں جن کے لیے قرآن میں "مداقل" اور "مداکثر" مقرر نہیں ہوئی یعنی ان کا حصہ قابل تغیر ہے اور اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے۔ اس لیے مندرجہ بالا مثال میں نفس شوہر کی طرف نہیں جائے گا۔ پے اضافی حصہ دو بیٹوں کے حصے سے کم کرنا پڑے گا (خود فرمائیے گا)۔ کبھی کبھی اس کے برعکس معاملہ ہوتا ہے اور حصوں کا مجموعہ کل مال سے کم ہوتا ہے اور کچھ مال بھی جاتا ہے مثلاً ایک شخص مر جاتا ہے اور ایک بیٹی اور ماں باقی رہ جاتی ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ اس صورت میں ماں کا حصہ پے ہے اور بیٹی کا پچا ہے۔ لیکن مجموعہ پچا ہوتا ہے یعنی پچا جاتا ہے۔ علمائے اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ بہت مصعب اور وزن کسب یعنی بددائے طبع کو دی جائے گی (مثلاً اس مثال میں متوفی کے بھائیوں کو دی جائے) اسی کو اصطلاح میں تعصیب کہتے ہیں۔

لیکن شیعہ فقہاء کا نظریہ یہ ہے کہ وہ سب مال انہی دو کے درمیان ایک اور تین کی نسبت سے بانٹ دیا جائے کیونکہ پہلے طبقہ کے حصے ہونے دو سرے طبقہ کی باری نہیں آتی۔ اس کے علاوہ ہمسکے طبقہ کے مردوں کو اضافی مقدار دینا زائد جاہلیت کے دور سے منہ جاتا ہے جو عورتوں کو بلا وجہ میراث سے محروم کر دیتے تھے۔

مندرجہ بالا ایکسٹریم پیدہ علمی بحث ہے جس کا خلاصہ ہم نے تحریر کر دیا ہے اس کی مزید تفصیل کے لیے کتب فقہ طحاوی فرمائیے۔

۱۵. **وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً  
مِنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُنَّ**

۱۵. حساب کا طریقہ یہ ہے کہ عدالت کی پچا ہے جو کہ دو بیٹوں کا حصہ ہے اور پچا شوہر کا حصہ ہے۔ پے اضافی مقدار ہے اسے ۲ اور ہم کی نسبت سے ان دونوں گروہوں کے اور تین تقسیم کر دیں۔ رہائش میں نسبت کی تقسیم کا قاعدہ موجود ہے اس کے مطابق کل کہتے ہونے "دونوں بیٹوں کے حصہ" میں پچا شوہر کے حصے میں سے پچا منہ کر لیں گے۔  
۱۶. ہر مرد بلا واسطہ یا بلا واسطہ متوفی سے ربط رکھتے ہیں۔



الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۝

۱۶۔ وَالَّذِينَ يَأْتِيْنَهَا مِنْكُمْ فَادُّوْهُمَا ۚ وَلَا تَبَاوَا أَصْلَحَافًا غَرَضُوا

عَنْهُمَا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

ترجمہ

۱۵ اور تمہاری عورتوں میں سے جو زانی ہوں، ان پر چار مسلمان مردوں کو گواہ کے طور پر طلب کرو اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو اپنے گھروں میں بند کرو۔ یہاں تک کہ وہ مرد باتیں یا خدا ان کے لیے کوئی راستہ کھول دے۔

۱۶ اور وہ مرد اور عورتیں (جو شادی شدہ نہ ہوں) اور یہ بڑا کام کر بیٹھیں، انہیں تکلیف پہنچاؤ (ان پر مدد جاری کرو) اور اگر سچ مچ توہم کریں اور اپنی اصلاح کر لیں اور گندہ شدہ حرکت کی تلافی کریں تو انہیں معاف کر دو کیونکہ خداوند عالم تو بہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔

تفسیر

وَالَّذِي يَأْتِيْنَ النَّاسَ حَصَصَةٌ.....

لفظ خاصہ جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے اصل میں بہت بڑے کام یا بڑی گفتگو کے معنی میں ہے اگر یہ لفظ زنا اور عصیت و پاک دامن کے خلاف کاموں کے بارے میں استعمال ہو تو وہ بھی اسی مناسبت سے ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں غیر تو مقامات پر آیا ہے بعض مواقع پر زنا بعض جگہوں پر عصیت و پاک دامن کے لیے اور بعض مقامات پر نہایت بڑے اور سنگین کاموں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ اکثر مفسرین نے اس آیت شریفہ کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ یہ آیت ان شوہر و عورتوں کی سزا کی طرف اشارہ کرتی ہے جو زنا کار ہوں۔ آیت مزید بتاتی ہے کہ اگر تمہاری بیویاں زنا کی تہمت سے آلودہ ہوں تو چار مسلمان مرد اس کام کے گواہوں کے طور پر بخاؤ۔ اگر وہ اس بات کی گواہی دے دیں تو پھر ان عورتوں کو گھر میں بند کر دو یہاں تک کہ ان کو موت آجائے۔

اس امر کی دلیل کہ مندرجہ بالا آیت زنا سے متعلق کی طرف اشارہ کرتی ہے، اس قرینہ کے علاوہ جو آیت دال آیت میں ہے لفظ موصیاء (تمہاری بیویاں) بھی ہے۔ کیونکہ یہ تعبیر قرآن مجید میں بار بار آئی ہے۔ اسی وجہ سے شوہر و عورتوں کے عصیت و عصمت کے معنی میں اس آیت میں ”عقریہ“ مقرر ہوئی ہے۔ لیکن اس کے بعد یہ آیت فوراً بلافاصلہ کہتی ہے: ”أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا“ (یا یہ کہ خدا ان کے لیے کوئی راستہ نکال دے۔) یعنی ان کے لیے قید کی سزا جاری ہے یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا





یہ کہ کوئی نیا قانون خدا کی طرف سے ان کے لیے معین ہو۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ ایک وقتی حکم تھا جو شروع شروع میں نازل ہوا تھا۔ آئندہ جب حالات اور افکار سازگار ہو جائیں تو ان کے بارے میں ایک نیا حکم نازل کیا جائے۔ اس موقع پر جو وہ تھے اس قانون کی زد میں آتی ہیں اور ابھی تک زندہ ہیں وہ فطرتاً قید سے آزاد ہو جائیں گی۔ دوسری سزا بھی انہیں نہ دی جائے گی۔ ان کی قید خانہ سے آزادی پہلا حکم منسوخ ہو جانے کی وجہ سے ہو گی۔ باقی رہائی سزا کا زمانہ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سزا کا قانون ان کاموں کے لیے جو تھے جو اس کے آنے کے بعد انجام پائیں اس طرح آئندہ کے لیے جو بھی قانون جو وہ ان قیدیوں کی رہائی کا راستہ ہے۔ البتہ نیا قانون ان تمام افراد کے لیے ہے جو آئندہ جرم کریں گے (خود فرمایا ہے)۔

باقی رہا وہ احتمال جو بعض نے پیش کیا ہے کہ "او یصلیٰ اللہ لہن مسیلاً" سے مراد یہ ہے کہ خداوند عالم نے سنگسار کے متعلق اپنے آئندہ حکم کے ذریعہ ایسے افراد کے لیے آزادی کی راہ کھول دی ہے، تو یہ تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ یہی بھی "لہن مسیلاً" (ان کے لیے نفع کی راہ) کے ساتھ مناجعت نہیں رکھتا کیونکہ کسی کو قتل کر دینا نجات کا راستہ نہیں ہے ہم جانتے ہیں کہ وہ قانون جو اسلام نے زمانے محض کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے بعد میں مقرر کیا ہے۔ "رمیم" (سنگسار کرنا) ہے جو احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بطور مسلم موجود ہے اگرچہ قرآن میں اس کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔

جو کچھ ہم رقم کیے ہیں اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مندرجہ بالا آیت ہرگز منسوخ نہیں ہوئی کیونکہ نفع ان احکامات کے بارے میں صادق آتا ہے جو شروع میں بصورت مطلق ہوں مگر وقتی اور محدود طور پر، جبکہ آیت مندرجہ بالا نے طریقہ کا حکم ایک محدود اور وقتی حیثیت سے ذکر کیا ہے اور اگر کچھ روایتوں میں ہے کہ آیات مندرجہ بالا ان احکام کے ذریعے جو عفت و محبت کے منافی اعمال کی سزا کے بارے میں آئے ہیں، منسوخ ہو گئی ہے تو اس سے مراد اصطلاحی نفع نہیں ہے کیونکہ نفع کا معنی روایات کی زبان میں حکم کے ہر طرح سے خاتمے کے لیے بولا جاتا ہے (خود فرمایا ہے)۔

ضمناً اس طرف بھی توجہ کرنا چاہیے کہ اس قسم کی حدوں کو گھر میں قید رکھنے کا حکم ایک طرف سے تو ان کے فائدے میں ہے کیونکہ یہ ان کو عام قید خانوں میں قید کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ دوسری طرف تجربہ یہ بتاتا ہے کہ عام قید خانے معاشرے کو بگاڑتے اور تباہ و برباد کرنے میں گہرا اثر رکھتے ہیں کیونکہ یہ عام طور پر بڑائیوں کی بہت بڑی درس گاہ بنتے ہیں۔ جرم لوگ وہاں اپنے تجربے ایک دوسرے کو منتقل کرتے ہیں کیونکہ وہ اکٹھے رہتے ہیں اور ان کے پاس وسیع قاریخ وقت بھی ہوتا ہے۔

وَالَّذِينَ يَأْتِيَانَهَا مِنْكُمْ

اس کے بعد خداوند عالم اس آیت میں غیر محض (غیر شادی شدہ) سے سرزد ہونے والے زنا اور عفت کے منافی عمل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے، اگر کوئی اسے مرد و عورت پر بڑا کام کریں تو انہیں سزا دو۔ اگرچہ اس آیت میں زمانے غیر محض کی صراحت نہیں ہے۔ لیکن اس لحاظ سے کہ یہ آیت گزشتہ آیت کے بعد آئی ہے اور زنا کی جس سزا کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے وہ اس سزا سے جدا اور الگ ہے جو گزشتہ آیت میں مٹی اور اس سے ہلکی ہے۔ چنانچہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حکم زنا کرنے والوں میں سے ایسے کو وہ کے بارے میں ہے جو پہل آیت میں داخل نہ تھا اور چونکہ گزشتہ آیت اس قریب سے جس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں محض کے زنا کے ساتھ مخصوص ہے، تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ آیت غیر محض کے زنا کے بارے میں حکم بیان کر رہی ہے۔



یہ نکتہ بھی واضح ہے کہ اس آیت میں ذکر کی جوفی سزا ایک کی سزا ہے اور سورۃ نور کی آیت میں جو عقوبت نافرمانی میں سے ہر ایک کے لیے سو کوڑے بیان کی گئی ہے، بہت ممکن ہے کہ وہ اس آیت کی تفسیر و توضیح ہو اسی دلیل کی بنا پر یہ حکم منسوخ نہیں ہوا۔ تفسیر مباحثی میں امام جعفر صادقؑ نے اس آیت کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

المبکر اذا انت الف حشۃ الھی اقتلھا هذه الشیبة فلان وھما

یعنی اس آیت سے مراد غیر شادی شدہ مرد و عورت ہیں اگر وہ تمہارا کام کریں تو انہیں سزا دی جائے۔

لفظ "الذان" اگرچہ تثنیہ ملکہ کا صیغہ ہے، تاہم اس سے مراد مرد اور عورت دونوں ہی ہیں اور یہ اصطلاح کے مطابق باب تفسیر سے ہے۔

بعض مفسرین نے یہ احتمال تحریر کیا ہے کہ یہ آیت و اطاعت جیسے بدترین کام کے بارے میں ہے اور گزشتہ آیت کا ربط سزا و عورت سے عورت کا ہا حضرت کرنا کے ساتھ ہے۔ لیکن "یا ایہا الذان" کی ضمیر و فاعلہ کی طرف پھرنے سے جو گزشتہ آیت میں ہے، یہ توجہ نکلتا ہے کہ مثنائی صفت مل میں اس آیت میں ذکر ہے، اسی ذمیت کا ہے جس ذمیت کا آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ بنا بریں ایک کو و اطاعت کے بارے میں اور دوسرے کو مسامحت کے بارے میں سمجھنا ٹکا ہر کے خلاف ہے۔ اگرچہ یہ دونوں انواع ہم جنس سے خطاب کرنے میں شریک ہیں۔

اس بنا پر دونوں آیات کا ناسخ و تنقیح ہے۔ ان سب کو چھوڑتے ہوئے بھی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں و اطاعت کی سزا قتل ہے نہ کہ آزار اور تکلیف پہنچانا اور کوڑے مارنا۔ فرض اس امر کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ گزشتہ بحث آیت منسوخ ہو گئی ہے فان تابا و اصلحا فامضوا عنہما ان الله کان توابا رحیما

خداوند عالم آیت کے آخر میں اس قسم کے گناہوں کے لیے توبہ اور بخشش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اگر وہ واقف توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر کے گزشتہ گناہوں کی تلافی کریں تو ان کی سزا سے صرف نظر و چشم پوشی کر دو کہ یہ خداوند عالم توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔ یہ حکم حقیقت میں اس قسم کے گناہ کا بدل کے لیے واپس آنے کی راہ کھولتا ہے کہ توبہ اور اصلاح کی صورت میں اسلامی معاشرہ فراخ دلی کے ساتھ دامن پھیلائے ہوئے انہیں قبول کرتا ہے اور اب وہ معاشرے کے احکامات سے ہمکنار افراد بن کر رہتے۔

البتہ جیسا کہ فقہی کتب میں ہے توبہ اس صورت میں درست ہے کہ وہ اسلامی عدالت میں ثبوت جرم و شہادت گواہان اور عدالت اسلامی کا حکم صادر ہونے سے پہلے کی جائے لیکن وہ توبہ جو حکم صادر ہونے کے بعد ہو، کوئی وزن نہیں رکھتی ہاں اس حکم سے ضمان یا صلح ہوتا ہے کہ جو لوگ توبہ کر چکے ہیں انہیں گزشتہ گناہوں کا ذمہ دار نہیں رکھا جائے گا۔

تو جہاں سزا کا حکم اور حد شرعی ماقبل ہو جائے وہاں پر بدرجہ اولیٰ لوگ اس کے کیے ہوئے گناہ سے چشم پوشی کریں۔ اسی طرح وہ لوگ جن کے بارے میں یہ حد جاری ہو گئی ہو اور اس کے بعد وہ توبہ کر لیں وہ بھی مسلمانوں کی طرف سے چشم پوشی کے مستحق ہیں۔

اسلام کے تعزیری قوانین کا سہل اور منع طریقہ

کبھی کبھی بعض لوگ کئی ایک مناسبتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ سوال کرتے ہیں کہ اسلام نے تعزیری قوانین کی اتنی سخت اور



ناتاہل برداشت سزائیں کیوں مقحوک ہیں۔ مثلاً ایک مرتبہ شاہی شدہ عورت سے زنا کرنے کی سزا پہلے عرقہ مقدر ہوئی اور اس کے بعد قتل کی بہتر نہیں ہے کہ اسی قسم کے گنہگاروں کی سزا زیادہ نرم اور ہلکی دی جائے تاکہ جرم اور سزائیں اعتدال قائم رہے۔

لیکن ذرا سوچئے اگرچہ اسلام کے تعزیری قوانین اور سزائیں بظاہر سخت اور شدید دکھائی دیتی ہیں لیکن اس کے مقابلے میں جرم کے ثابت ہونے کا طریقہ اتنا آسان نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ایسی شرطیں لگائی گئی ہیں کہ غالباً جب تک گناہ ذمے کی چوٹ اور پرہیزگار نہ کیا جائے وہ شرائط پوری نہ ہوں گی۔ مثلاً گواہوں کی تعداد چار ہے۔ جس کی طرف ہم گشتہ آیت میں اشارہ کر چکے ہیں کہ صرف تندر اور لا پرواہ افراد ہی مجرم ثابت ہو سکتے ہیں۔ واضح ہے کہ اس قسم کے اداہل و گلوں کو سخت سزائی دینا چاہیے۔ تاکہ وہ معاشرے کے لیے عبرت بن سکیں اور وہ گنہگار کی آلودگی سے پاک ہو جائے۔ اسی طرح گواہوں کی شہادت کے لیے کچھ شرطیں ہیں مثلاً آنکھوں سے دیکھنا اور قرائن پر قناعت نہ کرنا اور شہادت میں یکسانیت وغیرہ جو جرم کو ثابت اور گناہ نا کر دیتی ہے۔

اس طرح اس قسم کی سخت ترین سزا کا امکان گنہگاروں کے سامنے رکھا ہے اور یہ احتمال چاہت کتنا ہی ضعیف کیوں نہ ہو بہر حال بہت سے لوگوں کی نفسیات پر اثر انداز ہو سکتی ہے لیکن اسلام نے اس کے اثبات کو مشکل کر دیا ہے تاکہ اگر ایسے مواقع آئیں تو عملی طور پر سزا وسیع پیمانے پر نہ دی جاسکے۔ درحقیقت، اسلام چاہتا ہے کہ اس قانون تعزیر کا اثر تہدید ہی قائم رہے اور زیادہ افراد قتل بھی نہ ہوں۔ فرضِ تہذیب یہ نکلتا ہے کہ سزا کے قصین اور اثبات جرم کی راہ میں اسلام کا یہ طریقہ ایسی روش ہے جو معاشرے کو گناہ کی آلودگی سے بچانے کے لیے بہت موثر ہے بلکہ یہی افراد کو یہ سزا دی جاتی ہے وہ زیادہ تعداد میں بھی نہیں ہیں۔ اسی بنا پر ہم نے اس روش اور طریقے کا عنوان سہل اور متین رکھا ہے۔

۱۷۔ اَتِمَّا التَّوْبَةَ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ  
مِنْ قَرِيبٍ فَاُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝  
۱۸۔ وَلَٰكِنَّ التَّوْبَةَ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى اِذَا احْضَرَا حَدّٰهُمْ  
الْمَوْتَ قَالَ اِنِّیْ نُبِتُ الثَّنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوتُوْنَ وَهُمْ كَفَّارٌ ۝ اُولَٰئِكَ  
اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

ترجمہ  
۱۷۔ تو بہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو جہالت کی وجہ سے بُرا کام کرتے ہیں اور اس کے بعد جلدی سے توبہ کر لیتے ہیں  
نہا ایسے لوگوں کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور وہ رانا و عظیم ہے۔

۱۸۔ اور برے کام کرنے والے لوگوں میں سے جب کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ



اب میں توبہ کرتا ہوں۔ یہ توبہ نہیں ہے اور نہ ان کے لیے جو حالت کفر میں دنیا سے اٹھ جاتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تفسیر

قبولیت توبہ کے لیے شرطیں

انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة

گذشتہ آیت میں عفت اور پاک دانی کے خلاف عمل کرنے والوں کو توبہ کے سبب سزا نہ ملنے کا مسئلہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ اور اسی سلسلے میں اس جملے کے ذریعے پروردگار کی طرف سے ان کی توبہ قبول ہونے کی طرف اشارہ بھی ہوا ہے۔

ان الله كان توابا رحیما

خدا اپنے بندوں کی توبہ بہت قبول کرتا ہے اور ان پر رحم کرنے والا ہے۔

خداوند عالم اس آیت میں وضاحت کے ساتھ مسئلہ توبہ پر اور اس کی کچھ شرطیں بیان کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ توبہ تو صرف ان کے لیے ہے جو جہالت کی وجہ سے گناہ کرتے ہیں۔

آئیے اب دیکھیں کہ جہالت کیا چیز ہے کیا یہ جہل و نادانی اور گناہ سے بے خبری ہے یا اس کے منہ سے اثرات اور دردناک نتائج سے ناواقفیت کا نام ہے۔ فقط جہل اور اس کے مشتقات اگرچہ مختلف معانی کے لیے آئے ہیں لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ زیر بحث آیت میں خواہشات نفسانی کا ظلم، کشرش، جوار و بوس کو غلبہ اور قتل و دیا بان کی قتل پلن کا تسلط واجب ہے مگر یہ اس حالت میں گناہ کی وجہ سے علم رخصت نہیں ہو جاتا لیکن وہ اغراض نفسانی سے رب کریم کی طرف سے اجڑ جاتا ہے اور جب علم اپنا آخر کو بیٹھے تو وہ اللہ تعالیٰ کی جہل و نادانی کے برابر ہے۔ اگر گناہ اس قسم کی جہالت کی وجہ سے نہ ہو بلکہ حکم پروردگار کے انکار اور دشمنی کی بنا پر ہو تو اس قسم کا گناہ کفر ہے۔ اسی وجہ سے اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی مگر یہ کہ وہ اس روش کو چھوڑ دے اور خدا وادار سے باز آجائے۔

دراصل یہ آیت اسی حقیقت کو بیان کر رہی ہے جسے حضرت امام زین العابدینؑ نے دعائے ابو حمزہ میں زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، آپؑ بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں،

اللہی لما عصمت عن عصیتک وانا بربوبیتک جاحد ولا بامرک مستغف ولا لعلتک متعبد

ولا وعیدک منها وذلک خطیئة عرفت ووصلت لی نفسی وغلبتی هوای.....

اے خدا جب میں نے تیری ہدایت کی اس وقت گناہ کی طرف پیش قدمی تیری عنایت سے ہمارے دوسرے رشتے ہونے کی تیرے حکم کو سمجھنے کے سبب سے تھی اور نہ ہی تیری سزا کو خفیت سمجھتے تھے نہ تیری سزا کے وعدے کو خیر اہم جانتے



جسے تھی بلکہ ایک غلطی اور غلطی، جو مجھ سے ہو گئی۔ نفس مارنے مجھ پر حق کو شکوک کر دیا اور مجھ پر ہوا دہوس نے غلبہ کر لیا۔

اس جملے میں توبہ کی ایک اور شرط کی طرف اشارہ ہے۔ فرماتا ہے:

لَا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ حَتَّىٰ تَمُوتَ قَرِيبَ

یعنی۔ وہ جلدی سے توبہ کریں۔

اس بارے میں کتنا قریب سے کیا مراد ہے مفسرین میں اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض اس سے مراد آثار موت ظاہر ہونے سے پہلے کہتے ہیں اور بعد والی آیت جو یہ بتلاتی ہے کہ موت کی علامتیں ظاہر ہونے کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی، اس پر بطور گواہ پیش کرتے ہیں اس بنا پر لفظ قریب شاید اس وجہ سے ہے کہ اصولی طور پر دنیا کی زندگی چاہے کتنی ہی کیوں نہ ہو مختصر ہے اور اس کا خاتمہ نزدیک ہے۔

لیکن بعض نے گناہ کے قریب کا وقت مراد لیا ہے۔ یعنی اپنے گناہ سے بعد از جلد پشیمان ہو اور خدا کی طرف وٹ آئے کیونکہ مکمل توبہ وہ ہے جو گناہ کے آثار و نشانات کو روح و جسم سے بالکل و محو کر دے۔ یہاں تک کہ گناہ کا کوئی اثر دل میں باقی نہ رہے اور نہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ انسان جلد از جلد اس سے پہلے کہ گناہ اس کے جسم میں جڑ پکڑے اور اس کی طبیعت ثانیہ بنے۔ اس سے ہچکچاتے۔ ورنہ بصورت دیگر زیادہ تر گناہوں کے اثرات انسان کے قلب و جان کے گوشوں میں باقی رہ جاتے ہیں۔ پس مکمل توبہ وہ ہے جو گناہ کے فورا بعد کی جائے۔ قریب کا لفظ لغت اور عرف عام کی روش سے ان ہی معنی سے مناسبت رکھتا ہے۔ یہ درست ہے کہ ایک مرمضہ مرنے کے بعد بھی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ پوری توبہ نہیں ہے اور شاید صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ پر لازم ہے، یا بھی اسی معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ یہ تفسیر قرآن کی طرف اسی آیت میں ملتی ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی قسم کی توبہ قبول کرنا بندوں کے حقوق میں سے ہے جبکہ مرمضہ و راز کی توبہ قبول کرنا تفضل الہی ہے نہ کہ حق۔

فَاُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَلِيمٌ حَكِيمٌ

خداوند عالم توبہ کی شرطوں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے کہ خدا ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہ دانا و حکیم ہے۔

وَلَيْسَ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ

اس آیت میں ان افراد کی طرف اشارہ ہے جن کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ فرماتا ہے: وہ لوگ جو موت کی چوکھٹ پر پہنچ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب ہم گناہ سے توبہ کرتے ہیں، ان کی توبہ قبول نہیں کی۔ اس کی وجہ بھی واضح ہے کہ جان کنی کے عالم میں جبکہ موت بالکل سامنے دکھائی دے رہی ہو، انسانی آنکھ سے پردے اٹھ جاتے ہیں اور اس میں ایک خاص بینائی پیدا ہو جاتی ہے اور کچھ حقائق جن کا تعلق دوسری دنیا کے ساتھ ہے اور اپنے اعمال جو اس زندگی میں کیے تھے، اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے کیونکہ اب مسائل مٹی پہلو اختیار کر لیتے ہیں لہذا ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہر گناہگار اپنے برے کاموں پر پھپھکتا ہے اور اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو اپنے قریب آگ کا شعلہ دیکھ کر اس سے بھاگتا چاہتا ہے۔ یہ مسلم ہے کہ شرعی ذمہ داری اور آزمائشیں پروردگار کی بنیاد اس طرح



کے مشابہات پر نہیں ہے بلکہ اس کا دار و مدار غیب کے ایمان اور عقل و فہم کی آنکھ کے مشاہدہ پر ہے۔  
اسی بنا پر کلام مجید میں ہے کہ جس وقت دنیا کے مذاہب کی پہلی نشانی گوارے ہوئے زمین کے بعض قوموں پر ظاہر ہو جاتی تھی تو ان پر توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ہم فرعون کی سرگزشت میں پڑھتے ہیں:

حق اذ ادركه الفرق قال امنت الله لا اله الا الذي امنت به بنو اسرائيل وانا من

المسلمين الان يقعد عصيت قبل وكنت من المفسدين۔ (پولس ۱۱:۹)

یہاں تک کہ جب وہ دھوکے لگا تو اس نے پکار کر کہا: اب میں ایمان لایا ہوں کہ بنی اسرائیل کے معبود کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں تسلیم فرم کرتا ہوں لیکن اسی سے کہہ دیا گیا کہ تو اب یہ بات کہتے ہو بلکہ اس سے پہلے تا فرما کر تارک ہے اور توفاد کرنے والوں میں سے تھا۔ اس وجہ سے تیری توبہ قبول نہیں ہوگی۔

بعض قرآنی آیتوں مثلاً سورہ سجدہ کی آیت ۱۶ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان بگڑا قیامت میں مذاہب الہی کو دیکھتے ہیں اور اپنے کیے پر پچھتاتے ہیں۔ لیکن ان کی پشیمانی انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی۔ ایسے لوگ بالکل ان جرموں کی طرح ہیں جن کی نگاہ جب سولی کی لکڑی پر پڑتی ہے اور اس کا چھندا اپنی گردن میں محسوس کرتے ہیں تو اپنے کیے پر پچھتاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ پچھتاوا نہ باعث فضیلت ہے نہ سبب عزت و افتخار اور نہ ہی ترقی و درجات کا ذریعہ۔ اسی لیے یہ توبہ بے اثر ہے۔

یقیناً یہ آیت ان روایات کے خلاف نہیں ہے جو یہ کہتی ہیں کہ توبہ آخری سانس تک قبول ہو سکتی ہے کیونکہ روایات میں آخری سانس سے مراد وہ لمحہ ہی جن میں ابھی موت کی نشانیاں نہ دیکھی ہوں اور اصطلاح کے مطابق ابھی برزخی نگاہ پیدا نہ ہوئی ہو۔

دوسرا گروہ ان افراد کا ہے جن کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ یہ وہ ہیں جو کفر کی حالت میں مرجائیں خداوند عالم آیت بالا میں ان کے بارے میں فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَرَاءٌ يَحْسَبُ جَزَاءَ كُفْرِهِمْ مَرَجَاتِهِمْ فِي ان کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہے۔ یہ حقیقت قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی واضح کی گئی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے لوگ جو کفر کی حالت میں دنیا سے چلے جاتے ہیں وہ کس وقت توبہ کریں گے کہ ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی توبہ عالم آخرت میں قبول نہیں ہوگی اور بعض منسخرین کہتے ہیں کہ توبہ سے مراد بندوں کی توبہ نہیں بلکہ خدا کی طرف سے توبہ ہے۔ یعنی خدا ان کے لیے حضور رحمت کی طرف نہیں آئے گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ آیت کی نظر ایک اور مقصد پر ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ وہ افراد جنہوں نے صحت و سلامتی اور ایمان کی حالت میں اپنے گناہوں سے توبہ کی ہے لیکن موت کے وقت دنیا سے بحالت ایمان نہیں گئے۔ ان کی گزشتہ توبہ بے معنی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ انسان کے نیک اعمال کی ایک شرط قبولیت موافقات بر ایمان یعنی ایمان کے ساتھ دنیا سے جانا ہے اس لیے جو لوگ زندگی





کے آخری لمحات میں کافروں ان کے پہلے اعمال ذیباں تک کہ وہ نیک عمل جو ایمان کی حالت میں کیے تھے قرآنی آیتوں کی توضیح کے مطابق رائیگاں ہو جائیں گے۔ اگرچہ انہوں نے ایمان کی حالت میں گناہوں سے توبہ کر لی ہو لیکن اس صورت میں وہ بھی بیکار ہو جائیں گے۔ گویا توبہ کے قبول ہونے کی دو شرطیں ہیں۔

۱۔ موت کی نشانیاں ظاہر ہونے سے پہلے ہو۔

۲۔ انسان ایمان کے ساتھ دنیا سے اٹھے۔

اس آیت سے غلطی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ توبہ میں دیر نہ کرے کیونکہ ہر سکتا ہے کہ اچانک موت آجائے اور اس کے لیے توبہ کے دروازے بند ہو جائیں۔ یہ بات توبہ کے قابل ہے کذریعہ بحث آیت میں توبہ کی تاخیر جس کو تسلیم کیے ہیں نیز حالت کفر کی موت کو ہم پر قرار دیا گیا ہے اور یہ اس اہمیت کی علامت ہے جو اس موضوع کو قرآن سے رہا ہے۔ آیت کے آخر میں فرماتا ہے: **وَتِلْكَ اٰیَاتُ الَّذِیْنَ اٰلٰہُہُمْ هٰذَا الٰہِیْحٰمِیْنِ**۔ ہم نے ان دونوں گروہوں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یاد رہے کہ ضرورت نہیں کہ توبہ کے لیے مذکورہ بالا شرطوں کے علاوہ اور بھی شرطیں ہیں جن کی طرف متعلقہ آیتوں میں اشارہ ہوگا۔

۱۹۔ **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوْا النِّسَاءَ کَرِهًا وَّلَا تَعْصُوْهُنَّ لَیْتَ ذٰہِبُوْا بِبَعْضِ مَا اَتٰیَنَّموْهُنَّ اِلَّا اَنْ یَّاْتِیَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِیْنَةٍ وَّعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ کَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّ یَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا ۝**

ترجمہ

۱۹۔ اے ایمان والو! تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ عورتوں سے سختی سے اور انہیں تکلیف پہنچا کر (میراث لو اور جو کچھ بطور حق میراث انہیں دیا ہے اسے اپنی ملک بنانے کے لیے ان پر سختی نہ کرو۔ مگر یہ کہ وہ کھلے بندوں برائی کریں اور ان سے اچھا سلوک کرو۔ اگرچہ تم ان سے کوئی وجوہات کی وجہ سے نفرت و حقارت کرتے ہو تو فوراً عیندگی کا پختہ ارادہ نہ کرو، کیونکہ اکثر اوقات تم کسی چیز کو نا پسند کرتے ہو اور خدا ان میں بہت زیادہ نیکی قرار دیتا ہے۔





## شانِ نزول

تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام غسّہ باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت ایسے افراد کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنی بیویوں کو اپنے پاس تو رکھتے تھے مگر ان سے بیویوں کا ماسلوک نہیں کرتے تھے اور اس انتظار میں رہتے تھے کہ کب یہ مری اور وہ ان کے مال پر قبضہ کریں۔

جیسا کہ ابن عباس کہتے ہیں:

یہ آیت ایسے افراد کے بارے میں نازل ہوئی جن کی بیویوں کا حق مہر بہت زیادہ تھا اس کے باوجود وہ ان سے ازدواجی تعلقات رکھنا نہیں چاہتے تھے لیکن ان کا حق مہر زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کو طلاق بھی دے سکتے تھے۔ اس لیے وہ ان پر سختی کرتے تھے تاکہ وہ حق مہر بخش کر طلاق لے لیں۔

مفسرین کے ایک گروہ نے اس آیت کی ایک اور شانِ نزول بھی نقل کی ہے جو اس آیت کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتی بلکہ آیت ۲۲ کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے۔ ہے انشاء اللہ ہم اسی آیت کی ذیل میں بیان کریں گے۔

## تفسیر

## حقوق نسواں کا دوبارہ دفاع

یا ایہا الذین آمنوا لا یجعل لکم ان تمثوا النساء کرہا

ہم اس سورت کے شروع میں لکھ چکے ہیں کہ اس سورت کی آیتیں زمانہ جاہلیت کے بہت سے بُرے کاموں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں چنانچہ زیر بحث آیت میں اس زمانہ کی چند بڑی عادتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ ان سے دور رہیں:

۱۔ عورتوں کو ان کے مال کی لالچ میں قیدی نہ بناؤ۔ جیسا کہ شانِ نزول میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مردوں کی ایک خالص روش یہ تھی کہ وہ ان دولت مند عورتوں سے جو بد سورت ہوتی تھیں شادی کر لیتے۔ پھر انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیتے تھے انہیں طلاق دیتے اور نہ ہی ان سے بیوی کا سا برتاؤ کرتے، اس اُمید پر کہ انہیں موت آجائے تو ان کے مال پر قبضہ کریں۔ آیت مذکورہ بالا ۲۱۵ احکام کرتی ہے کہ اسے ایمان والو! تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ عورتوں کی میراث انہیں تکلیف پہنچا کر زبردستی لے لو۔ اس طرح سے قرآن نے مذکورہ کام کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔

۲۔ عورتوں سے مہر کا حق بخشوانے کے لیے غمٹیاں نہ کرو۔ ان کی ایک بڑی عادت یہ تھی کہ وہ عورتوں کو طرح طرح سے ستاتے تھے تاکہ وہ حق مہر بخش دیں اور طلاق لے لیں۔ خاص طور پر یہ معاملہ ایسے موقع پر ہوتا تھا جبکہ کسی عورت کا



حتیٰ مہر زیادہ بچہ ہی آیت نے اس کام سے منع فرمایا ہے ولا تفضلوہن لتذہبوا بمعنی ما اتیتہموہن۔ یعنی ان پر اس لیے سختی نہ کرو کہ اس طریقے سے جو حق تم نے انہیں دیا ہے اسے اپنی جگہ بنا سکو لیکن اس کا ایک استثنائٰ حکم بھی ہے جس کی طرف اللہ ان یا حقین بنماحتہ مہینۃ کے ذریعے اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ اگر وہ جو حق سے اور شرناک کام کریں تو پھر شرناک کو یہ حق حاصل ہے کہ ان پر سختی کریں تاکہ وہ اپنا حق مہر تبادلتے لیے حلال کر کے طلاق سے لیں۔ درحقیقت یہ ایک قسم کی منزل ہے جو ہر کچھ عورتوں سے ان کے کثرت کے بدلے تاوان لینے کی طرح ہے۔ کیا آیت مذکورہ میں "ماحتہ مہینۃ" واضح برائی سے مراد وہ جس سے کام میں جو حضرت دہاکہ ہنسی کے منافی ہیں یا اور کسی قسم کے سخت ناگوار احوال ہیں۔ مفسرین کے درمیان اس سلسلے میں ایک طوفانی بحث ہے لیکن اس حدیث میں جو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے اس کی تشریح ہو چکی ہے کہ یہ عورت کی ہر طرح کی سخت مخالفت، نافرمانی اور بڑے سوک پرست عمل ہے۔ بے الہیہاں پر ہر چھوٹی بڑی مخالفت مراد نہیں ہے کیونکہ لفظ ماحتہ میں اہمیت اور اس کا خلاف معمول ہونا منتفی ہے۔ لفظ "مہینۃ" بھی اس کی تاکید کرتا ہے۔

۳۔ ان کے ساتھ شائستہ اور مناسب طریقہ کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ "وما شروہن بالمعروف"۔ فرما کر عورتوں کے پاس سے میں شائستہ معاشرت اور مناسب انسانی سلوک کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے بعد مزید کہا گیا ہے:

فان کرہتموہن ففسی ان لکروا مشیئا و یجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا

یعنی۔ یہاں تک کہ اگر تم بعض وجوہات کی بنا پر اپنی بیویوں سے مکمل طور پر خوش نہیں ہو اور انہیں پسند نہیں کرتے ہو اور وہ تمہاری نظر میں کئی باتوں میں اچھی نہیں ہیں تو فوراً ان سے صلہ رہنہ کی کا پختہ ارادہ یا ان سے بڑا سلوک نہ کرو۔ بلکہ جہاں تک جو سکے ان سے اچھا سلوک کرو۔ کیونکہ جو ملتا ہے کہ تمہاری رائے کا دار و مدار تنگ و شبہ پر ہو اور جسے تم پسند نہیں کرتے خدا نے اسی میں بہت زیادہ خیر و برکت اور نفع رکھا ہو۔ اس بنا پر جب تک پانی سر سے اونچا نہ ہو جائے یہی مناسب ہے کہ حسن معاشرت اور خوش گفتاری کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مایاں بیوی ایک دوسرے سے بلا وجہ اور بلا دلیل خواہ مخواہ کے بغض و حسد میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان حالات میں ان کے فیصلے ٹھیک نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ اچھائیاں ان کی نظر میں برائیاں اور برائیاں ان کی نگاہ میں اچھائیاں بن جاتی ہیں لیکن وقت گزرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے آہستہ آہستہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ اس لیے تمنا اس امر کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس آیت میں خیرا کے شعرا کی تعبیر سے ان مایاں بیوی کو جو ایک دوسرے کے ساتھ خوش اخلاق سے پیش آتے ہیں ایک خوشخبری دی گئی ہے جو وسیع مفہوم رکھتی ہے جس کے کئی ایک مصداق ہیں جن میں سے ایک واضح مصداق نیک، صالح، لائق اور عزت و ارادہ والا بھی ہے۔

۲۰۔ وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ أَحَدَهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا بِهِ شَيْئًا ۚ وَتَاْخُذُوْنَ بِهِ تَانَا ۚ وَإِشْمَاقُنَا ۝



۲۱۔ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۝

ترجمہ

۲۱۔ اگر تمہارا یہ ارادہ ہو کہ اپنی بیوی کی جگہ دوسری بیوی کا انتخاب کرو اور تم اسے (حق مہر کے طور پر) بہت زیادہ مال دے چکے ہو تو اس میں سے کوئی چیز بھی واپس نہ لو۔ کیا تم عورتوں سے مہر واپس لینے کے لیے تہمت اور کھیلے گناہ کا سہارا لیتے ہو۔

۲۱۔ اور تم کس طرح اسے واپس لے سکتے ہو جبکہ ایک دوسرے کے ساتھ تعلق اور پورا پورا میل ٹاپ رکھتے ہو۔ (پھوڑنے کے باوجود) وہ تم سے شادی کے وقت مضبوط وعدہ لے چکی ہیں۔

شان نزول

اسلام سے پہلے یہ رسم تھی کہ اگر مرد چاہتے کہ پہلی بیوی کو طلاق دیں اور نئی شادی کریں تو حق مہر سے بچنے کے لیے اپنی بیوی پر ہفت کے منافی تہمت لگاتے اور اس پر سختی کرتے تھے تاکہ وہ اس بات پر تیار ہو جائے کہ اپنا حق مہر جو عام طور پر پہلے ہی وصول ہو جاتا تھا واپس کر دے اور طلاق لے لے۔ پھر وہی دوسری بیوی کا حق مہر مقرر کر دیتے تھے۔ مندرجہ بالا آیت اس بڑے فعل سے بچنے کا حکم دیتے ہوئے اسے قابل مذمت قرار دیتی ہے۔

تفسیر

یہ آیت بھی عورتوں کے بعض حقوق کی حمایت میں نازل ہوئی ہے اور عام مسلمانوں کو حکم دیتی ہے کہ جب وہ پہلی بیوی سے علیحدگی اور نئی بیوی لےنے کا ارادہ کریں تو انہیں یہ حق نہیں ہے کہ پہلی بیوی کے حق مہر میں کمی کریں یا اگر اسے ادا کر چکے ہوں تو اس سے واپس لے لیں۔ قنطار کا معنی ہے بہت زیادہ مال و دولت، چنانچہ راجب مفردات میں لکھا ہے کہ قنطار کی اصل قنطرہ ہے جس کا معنی "پہل" ہے اور چونکہ زیادہ مال بھی پہل کی مانند ہے جس سے انسان زندگی بھر فائدہ اٹھاتا ہے۔ اسی بنا پر اسے قنطار کہا گیا ہے۔ یہاں گفتگو کی بنیاد یہ ہے کہ طلاق شوہر کے فائدے کے لیے دی جا رہی ہے نہ کہ عورت کے منافی نفعت کا حل

۱۔ تفسیر معانی آیہ زیر بحث۔

۲۔ مزید توضیح کے لیے تفسیر نور کی جلد ۲ میں سورۃ اہل عمران کی آیت ۴۱ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیے (امداد ترجمہ ص ۳۳)۔



کی دیر سے، اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ عورتوں کا تسلیم شدہ حق پامال کیا جائے۔

اتَّخَذُوْنَهٗ بَهْتًا نَّارًا وَّ اِنَّمَا مَبِيْنًا

اس کے بعد زمانہ جاہلیت کے اسی طرز عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کردہ لوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے تھے مزید فرماتا ہے: کیا تم عورتوں کا حق مہر واپس لینے سے تہمت اور واضح گناہ کا ارتکاب کرنا چاہتے ہو۔ یعنی ایک تو یہ ظلم ہے اور ایک بزدلانہ اور غلط کام ہے۔ اور دوسرے کھلم کھلا گناہ ہے۔

وَكَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ وَفَدَّ اَفْطٰقُكُمْ اِلٰی بَعْضِ

اس آیت میں مردوں کے جذبہ محبت کو متحرک کرنے کے لیے نئے سرے سے استفہام انگاری سے کام لیتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا گیا ہے: تم اور تمہاری بیویاں دونوں خلوت میں ایک دوسرے کے ساتھ رہے اور ایک روح و تقاب کی طرح آپس میں بھرپور میل ملاپ رکھتے رہے۔ پھر کس طرح اسی نزدیکی کے باوجود بیگانوں اور دشمنوں کی طرح ایک دوسرے سے برتاؤ کرتے ہو اور ان کے مانے ہوئے حقوق کو پامال کر رہے ہو۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے آجکل کی فارسی زبان میں اگر دو بگڑی دوست ایک دوسرے سے بڑی بگڑی تو انہیں کہا جاتا ہے کہ تم نے دونوں ایک دوسرے کے ساتھ نان و نمک کھایا ہے اب کیوں بگڑتے ہو۔ اصل ایسے موقع پر شریک حیات پر ظلم اپنے آپ پر ظلم کے مترادف ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے: اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ تمہاری بیویوں نے شادی کے وقت تم سے پختہ عہد و پیمان لیا ہوا ہے، تم اب کس طرح اس مقدس اور مضبوط عہد کو شکرا سکتے ہو اور واضح عہد شکنی کی طرف قدم بڑھا سکتے ہو۔

وَ اِذَا خَدَّٰنُكُمْ مِّثْلًا اَغْلٰظًا

منہا غور کرنا چاہیے کہ یہ آیت اگرچہ پہلی بیوی کو طلاق دینے اور نئی سے شادی کرنے کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے لیکن پھر بھی صرف اسی صورت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی طیندگی اور طلاق مرد کے ارادے سے ہو اور عورت جدائی نہ چاہے وہاں تمام مہر ادا کیا جائے اور اگر پہلے دیا جا چکا ہے تو اس میں سے کوئی چیز واپس نہ لی جائے چاہے دوسری شادی کا ارادہ ہو نہ ہو۔ اس بنا پر ان دنوں استبداد زوج اگر تم دوسری بیوی انتخاب کرنا چاہتے ہو۔ — یہ جملہ حقیقت میں زمانہ جاہلیت کی کیفیت کے بارے میں ہے۔ تاہم اس سے اصل حکم متاثر نہیں ہوتا۔ یہاں اس نکتے کا ذکر بھی ضروری ہے کہ "استبدال" کا معنی ہے "تبدیلی کا ہونا"۔ اسی لیے اس میں طلب اور ارادہ پایا جاتا ہے۔ اب اگر ہم دیکھتے ہیں "اردتعدا" تم چاہو اس کے ساتھ شخص ہے، تو یہ اس بنا پر ہے کہ آیت چاہتی ہے کہ یہ نکتہ گوشل گزار کرے کہ نئی بیوی سے شادی کرنے کے لیے ناجائز اور بزدلانہ جھگڑے اور مقدمے شروع نہ کرو۔

۲۲۔ وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط اِنَّهٗ

لہ انشاء اصل میں مادہ نفا سے ہے۔ جس کا معنی ہے وسعت و کشادگی۔ جب ایک شخص دوسرے سے مکمل میل جول قائم کر لیتا ہے تو دراصل وہ اپنے محدود ہم کو ایک وسیع ترجمہ اور وجود میں تبدیل کر لیتا ہے اس لیے نفا کا معنی ہے ربط ضبط (میل جول) پیدا کرنا۔



## كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ۝

ترجمہ

۱۲ اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں۔ مگر وہ جو ہو چکا ہے (اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے) کیونکہ یہ کام بڑا، باعثِ نفرت اور غلط ہے۔

شان نزول

زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی شخص فوت ہو جاتا اور اپنے پیسے بیوی بچے چھوڑ جاتا تو اگر وہ بیوی اس کے بیٹوں کی سگی ماں نہ ہوتی تو وہ بیٹے اسے مال کی طرح اپنی میراث بنالیتے اور اس طرح وہ یہ حق بہتے کر اپنی سوتیلی ماں سے خود شادی کر لیں یا اس کی کسی اور سے شادی کر دیں۔ ظہور اسلام کے بعد ایک مسلمان کے بارے میں ایک حادثہ پیش آیا، وہ یہ کہ ابوقیس نامی ایک انصاری فوت ہو گیا۔ اس کے بیٹے نے اپنی سوتیلی ماں سے شادی کرنا چاہی تو اس عورت نے کہا میں تجھے اپنا بیٹا سمجھتی ہوں لیکن بچے یہ کام مناسب نہیں سمجھتی اس کے باوجود حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی شرعی ذمہ داری معلوم کر لیتی ہوں۔ اس کے بعد اس عورت نے یہ بات حضور کی خدمت میں عرض کی۔ اس پر آیت مذکورہ بالا نازل ہوئی اور اس کام سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا۔

تفسیر

جیسا کہ ہم شان نزول میں اشارہ کر چکے ہیں کہ اس آیت نے زمانہ جاہلیت کے ایک خبیث کردہ اور ناپسندیدہ فعل پر غلط بطلان کھینچ دیا اور فرمایا: وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ یعنی ان عورتوں کے ساتھ کہ جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں نکاح نہ کرو۔ لیکن کیونکہ عام طور پر کوئی قانون گذشتہ امور پر مادی نہیں ہوتا۔ اس لیے مزید فرمایا: إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ یعنی۔ مگر وہ شادیاں جو اس سے پہلے ہو چکی ہیں۔

اس کے بعد تین سنت برائیاں اس قسم کی شادی کے بارے میں بیان فرمائی۔ پہلی یہ کہ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّہٗ كَانَ فَاحِشَةً مَّا س کے بعد مزید فرماتا ہے: اِیْمَلْ اِیْسَیْہے جو لوگوں کی نظروں میں نفرت کا سبب ہے۔ یعنی انسان کی فطرت اسے پسند نہیں کرتی (وہ مقنا) اور آخر میں فرماتا ہے: اِیْلَہٗ طَرِیْقَہٗہے (وساء سبیل) یہاں تک کہ تاریخ میں ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بھی اس قسم کی شادی کو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے اور جو بچے اس سے پیدا ہوتے تھے انہیں 'حقیت' (قابل نفرت اولاد) کے نام سے پکارتے تھے۔

واضح ہے کہ یہ حکم کئی ایک مصلحتوں کے پیش نظر اور صلاح معاشرہ کے لیے مقرر ہوا کیونکہ سوتیلی ماں سے نکاح ایک طرف تو سگی ماں سے نکاح کی طرح ہے کیونکہ سوتیلی ماں کے احکام بھی سگی ماں کے سے ہیں۔ دوسری طرف باپ کے حرم میں تصرف اس



کے احترام کی جنگ ہے۔ ان سب سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ عمل اس شخص کی اولاد میں نفاق کا بیج بوتا ہے کیوں کہ جو سکتا ہے کہ سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کے معاملہ میں اولاد کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے، بلکہ باپ اور بیٹے کے درمیان بھی رقابت پیدا ہو سکتی ہے کیونکہ عام طور پر پہلے اور دوسرے شوہر میں رقابت اور دشمنی ہوتی ہے۔

اگر یہ کام دسوتیلی ماں سے شادی، باپ کی زندگی میں باپ کے طلاق دینے کے بعد، انجام پائے پھر تو حسد اور دشمنی کی واضح دلیل ہے۔ اگر اس کے مرنے کے بعد جو پھر بھی ہو سکتا ہے کہ بیٹے کو مرے ہوئے باپ سے دل میں ایک قسم کا مسدہ پیدا ہو۔ تین قسم کی تعبیریں جو اس کام کی برائی اور مذمت میں زیر نظر آیت میں آئی ہیں بعید نہیں کہ ان کا اشارہ انہی تین غلطیوں کی طرف ہو۔

۲۳۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ الَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَّائِبُكُمُ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

ترجمہ

۲۳۔ تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری چھوہیاں، تمہاری خالائیں، تمہاری خالتیاں، تمہاری بھانجیاں اور وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے، تمہاری رضاعی بہنیں، تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی وہ بیٹیاں جنہوں نے تمہاری گود میں پرورش پائی ہو اور جو ان بیویوں سے ہیں جن کے ساتھ تمہاری جنسی آمیزش ربی ہے اور اگر ان سے جنسی آمیزش نہیں رہی تو ان کی بیٹیاں تمہارے لیے منوع نہیں ہیں (اسی طرح) تمہارے ان بیویوں کی بیویاں جو تمہاری نسل سے ہیں (مذکورہ بالا سے) ایذا تم پر حرام ہے، یہ کہ دو بہنوں کو جمع کرو کر وہ جو گزشتہ زمانے میں جو چکا ہے خدا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

تفسیر





## محارم سے نکاح کی حرمت

اس آیت میں محارم (دو خواتین میں سے رشتہ زودیت منع ہے) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ممکن ہے کہ اس آیت کی بنیاد پر تین طریقوں سے حرمت پیدا ہو۔

۱۔ ولادت، جسے نسبی تعلق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲۔ طریق ازدواج سے جسے سببی ارتباط کہتے ہیں۔

۳۔ رضاعت (دودھ پلانے) سے جسے ارتباط رضائی کہتے ہیں۔

سب سے پہلے نسبی محارم کی طرف جو سات طرح کے ہیں، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

حُرْمَتُ عِلَّیْکُمْ اُمَّهَاتُکُمْ وَاَبْنَاؤُکُمْ وَاَخْوَاؤُکُمْ وَابْنَاؤُکُم مِّنْ اُمَّهَاتِکُمْ وَاَخَوَاتُکُمْ

تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، بھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔

یاد رکھیے کہ ماں سے مراد وہ عورت نہیں ہے جس سے انسان بلا واسطہ پیدا ہوا ہو بلکہ وادی پڑ وادی اور باپ کی ماں اور اسی قسم کی دوسری عورتیں مراد ہیں۔ جس طرح بیٹی سے مراد صرف بلا واسطہ بیٹی نہیں ہے بلکہ بیٹی، پوتی، لڑکی اور اس کی اولاد بھی ہے اسی طرح دوسرے پانچ مواقع پر بھی ایسا ہی ہے۔ یہ امر واضح ہے کہ تمام لوگ فطری طور پر اس قسم کی شادیوں سے نفرت کرتے ہیں مہی وجر سے سب قومیں ذہن افراد کو چھوڑ کر محارم سے نکاح حرام سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو بیوی جو اپنے منابغ اور کتب کی بنا پر اس قسم کی شادیوں کو جائز سمجھتے تھے آج اس کا انکار کرتے ہیں۔ اگرچہ بعض لوگ اس بات کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اس امر کو ایک پرانی عادت اور رسم قرار دیں۔ لیکن یہ سراسر ہے کہ ایک قانون کی حیثیت تمام لوگوں، زمانوں، ممالک اور شعبوں میں ملتی ہوئی ہے۔ فطری ہونے کی ترجمانی کرتے ہیں۔ کیونکہ ایک عام رسم و عادت میں وہائی اور عالمگیر بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اس سے قطع نظر بھی آج یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہم خون افراد کی ایک دوسرے سے شادیاں بے شمار فطرت کی حامل ہوتی ہیں یعنی بھی ہوئی وراثتی بیماریاں شدت اختیار کر لیتی ہے اور آٹھ ہجرت ہوتی ہیں (اس سے یہ مراد نہیں کہ اس طرح بیماری پیدا ہوتی ہے بلکہ یہاں تک کہ بعض لوگ تو محارم سے گور کر قوم و قبیلہ میں بھی جو نسبتاٰ نزدیکی ہیں مثلاً چچا زاد کا ایک دوسرے سے شادی کرنا بھی اچھا نہیں سمجھتے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ بھی وراثتی بیماریوں کے خطرات میں شدت پیدا کرتا ہے لیکن یہ مسئلہ اگر دوسرے رشتہ داروں میں کوئی مشکل پیدا نہیں کرتے (جیسا کہ عام طور پر نہیں کرتا) تب بھی نزدیک کے رشتہ داروں میں جو کہ زیادہ ہم خون ہیں یقیناً خرابی اور بیماری میں شدت پیدا کر دیتا ہے۔

۱۔ ابتداء اسلام میں چچا زاد کا ایک دوسرے سے شادی کرنا اور اس قسم کے دوسرے رشتہ دار حرام نہیں ہونے کیونکہ یہ محارم کی طرح نہیں ہیں اور اس قسم کے رشتوں میں کسی حادثہ کا احتمال بہت کم ہے۔ ہم خود بہت سے مواقع کے مبنی قائل ہیں کہ اس قسم کی شادیاں جو نہیں اور ان کے نتیجے میں جو بچے پیدا ہوتے وہ صحت مند اور ذہنی طور پر لائق ہیں۔





علاوہ ازیں عام طور پر محارم میں منہی جذبہ کشش کا سرے سے کوئی وجود نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ زیادہ تر ایک دوسرے کے ساتھ رہتے جڑتے، چلتے پھرتے اور باہر دان پڑتے ہیں۔ دو ایک دوسرے کے لیے ایک عام اور دائمی وجود ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ استثنائی اور غیر معمولی قوانین کی محوری اور کل حالت کے لیے میزان نہیں بن سکتے۔ نیز یہی معلوم ہے کہ جنسی کشش ہی ازدواجی زندگی کے رشتے کے استحکام کے لیے شرط اول ہے۔ اس بنا پر اگر محارم کے درمیان ازدواج جو قودہ ناپائیدار اور گرم جوشی سے ماری ثابت ہوگا۔

اس کے بعد رضائی محارم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: **وامہتکمہ الللاق اور ضعنکمہ واخولتکمہ من الرضاۃ۔** یعنی۔ اور تہباری وہ مائیں جو تمہیں دودھ پلاتی ہیں اور تہباری رضائی بیویں تم پر حرام ہیں۔ اگرچہ قرآن نے آیت کے اس حصے میں صرف دو گروہوں یعنی رضائی بیویوں اور ماؤں کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن بے شمار ہجود دنیا کی بنا پر رضائی محارم انہی تک محدود نہیں ہیں بلکہ مشہور حدیث کے مطابق جو حضرت پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے: **ایحرم من اللواضع ما یحرم من النسب۔** یعنی تمام افراد جو نسب کے لحاظ سے حرام ہیں وہ رضاعت (دودھ پالنے) کی رو سے بھی حرام ہیں البتہ دودھ پلانے کی مقدار جو عمریت پر اثر ڈالتی ہے، یہ اور اس طرح کی دیگر شرائط کی تفصیل فقہی کتب میں موجود ہے۔

### محارم رضائی کی حرمت کا فلسفہ

اس کا فلسفہ یہ ہے کہ کسی خاص فرد کے دودھ سے کسی کے گوشت اور ہڈیوں کی پرورش اس کی اولاد سے اس کی شبابہت پیدا کر دیتی ہے۔ مثلاً جو عورت کسی بچے کو ایک مقدار تک دودھ پلاتی ہے تو اس کا جسم اس کے دودھ سے ایک خاص نشوونما پاتا ہے۔ اس سے ایک خاص قسم کی شبابہت اس بچے اور عورت کے اپنے بچوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ حقیقت میں ان میں سے ہر ایک اس ماں کے بدن کا ایک جزو شمار ہوتا ہے اور وہ دوسری بیانیوں کے مانند ہوتے ہیں۔

آخر میں محارم کے تیسرے گروہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں چند ضمانات کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

- ۱۔ **واہلت خبثکم۔** اور تہباری بیویوں کی مائیں۔ یعنی صرف اتنی سی بات کہ ایک عورت کسی شخص کے نکاح میں آ جائے اور میلہ نکاح جاری ہو جائے تو اس عورت کی ماں اور اس کی ماں کی ماں اور اس طرح کے سب رشتے اس پر حرام ابھی ہو جائیں گے۔
- ۲۔ **وربما نسبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم اللاتی دخلن۔** اور تہباری بیویوں کی وہ بیٹیاں جو تہباری گود میں ہیں بشرطیکہ اس بیوی کے ساتھ ہم بستری کر چکے جو یعنی ایک عورت سے صرف عقد شرعی کرنے سے اس کی وہ لڑکیاں جو دوسرے شہرے ہیں اس شخص پر حرام نہیں ہوں گی بلکہ ان کی حرمت کے لیے یہ شرط ہے کہ عقد شرعی کے علاوہ اس عورت سے مباشرت بھی کرے۔ اس مقام پر یہ قید بتاتی اور تائید کرتی ہے کہ بیوی کی ماں کا حکم جو کہ ابھی ابھی کھائی ہے وہ اس قسم کی شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے اور اصطلاح کے مطابق حکم کے احاطہ کا تقویت دیتا ہے اگرچہ فی حجور کہہ اور تہباری گود میں ہیں کی قید کا ظہور یہ ہے کہ اگر بیوی کی دوسرے شوہر سے بیٹی انسان کی گود میں پرورش نہ پائے تو وہ اس پر حرام نہیں ہے لیکن روایات کے قرینہ اور حکم کے مسلم ہونے کی بنا پر یہ قید اصطلاح کے مطابق اتر ذی نہیں ہے بلکہ واقعی تحریم کے نکتہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ایسی لڑکیاں ہیں



کی مائیں دوسری شادی کر سکتی ہیں عموماً کم عمر ہوتی ہیں اور اکثر نئے شوہر کی گود میں اس کی اپنی بیٹیوں کی طرح پروش پاتی ہیں۔ آیت کہتی ہے کہ یہ واقعی تمہاری بیٹیوں کی مانند ہیں تو کیا کوئی شخص اپنی بیٹی سے شادی کر سکتا ہے۔ رہا سب بھی جو کریمہ کی جمع ہے اسی بنا پر ہے۔

آیت کے اس حصہ کے بعد مطلب کی تاکید کے طور پر مزید فرماتا ہے کہ اگر ان سے منسی آمیزش نہیں رکھتے تو پھر ان کی بیٹیاں تم پر حرام نہیں ہیں (فان لم تکنوا دخلتم جہنم فلا جناح علیکم)۔

۳۔ وحلائلہن البنا شکم الذین منہن اصلاً بیکم یعنی۔ اور تمہارے ان بیٹیوں کی بیویاں جو تمہاری صلب و نسل سے ہیں۔ حقیقت میں من اصلاً بیکم یعنی۔ وہ بیٹے جو تمہاری نسل سے ہیں، اس وجہ سے ہے کہ زمانہ جاہلیت کی ایک غلط رسم پر غلط بطلان کہنا جاسے کیونکہ اس زمانے میں معمول تھا کہ کچھ افراد کو اپنا بیٹا بنا لیتے تھے یعنی جو کسی اور کو بیٹا جوں اُس اپنے بیٹے کے نام سے پکارتے تھے اور مزبورے بیٹے پر حقیقی بیٹے کے تمام احکام و قانون لاگو ہوتے تھے اور اسی وجہ سے مزبورے بیٹیوں کی بیویوں سے شادی نہیں کرتے تھے۔ اسلام میں مزبور بیٹا اور اس کے سب احکام کی طور پر کوئی بنیاد نہیں رکھتے۔

۴۔ وان تجتمعوا بینہن الا حلتین۔ اور تم پر دو بیٹیوں کو جمع کرنا منع ہے۔ یعنی تم ایک ہی وقت میں دو بیٹیوں کے ساتھ شادی نہیں کر سکتے۔ اس اگر دو بیٹیوں یا زیادہ کے ساتھ مختلف زمانوں میں یا پہلی بہن سے طہارت کے بعد دوسری سے شادی کی جائے تو کوئی ہرج نہیں۔ چونکہ زمانہ جاہلیت میں دو بیٹیوں کو اکٹھے رکھنے کا رواج تھا اور کوئی لوگ ایسی شادیاں کر چکے تھے۔ اس لیے قرآن منہ ربیاءا بھلے کے بعد کہتا ہے۔ لام فتد مسلف یعنی اس حکم کا دوسرے احکام کی طرح اگر گذشتہ شادیوں پر اثر نہیں پڑے گا۔ یعنی جو لوگ اس قانون سے پہلے اس قسم کی شادیاں کر چکے ہیں ان کے لیے کوئی مذاب اور سزا نہیں ہے۔ اگرچہ اس وقت ان میں سے صرف ایک کو پھنسا اور دوسری کو چھوڑا پڑے گا۔

اسلام نے اس قسم کی شادی سے کیوں روکا ہے۔ شاید اس کی رمزیہ ہو کہ وہ نہیں طبعی اور فطری منسی رشتے کی وجہ سے ایک دوسرے سے بہت زیادہ محبت کرتی ہیں۔ لیکن جب وہ ایک دوسرے کی رقیب بن جائیں گی تو وہ پہلی فطری محبت باقی نہ رہے گی بلکہ ایک قسم کا تضاد ان میں جنم لے گا جو ان کی زندگی کے لیے انتہائی مضر ہے کیونکہ ہمیشہ مشک کے لیے ہڈ بڑ محبت اور جذبہ رقابت ان کے دلوں میں باہم برسرِ چکر رہیں گے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ جو الاماقت مسلف ان تمام محارم کے بارے میں ہے جن کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی اگر اس آیت کے نزول سے پہلے ذکر کیے ہوئے محارم میں سے اس زمانے کے مروج قوانین کے مطابق کوئی شخص شادی کر چکا ہے تو یہ تحریم کو حکم اس پر لاگو نہیں ہوگا اور ان کی و جائز اولاد ہوگی لیکن اس آیت کے نزول کے بعد ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔ آیت کا آخری جملہ یعنی ان الذہ کان عنقوا ورحیمہا بھی اس مفہوم سے مطابقت اور مناسبت رکھتا ہے۔

۵۔ طال۔ طال کی جمع ہے۔ جو طال۔ طال سے اس عورت کے معنی میں ہے جو طال پر طال برباد و طال سے ہے جس کے معنی اس عورت کے ہیں جو ایک بلکہ کسی مرد کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارے۔



۲۳۔ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ  
وَاحِلَ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ  
مُسَافِحِينَ ۖ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً  
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ  
كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

ترجمہ

۲۳۔ اور شوہر دار عورتیں اتم پر حرام ہیں، مگر وہ کہ جن کے تم مالک بن گئے ہو۔ یا ایسے احکام میں جو خدا نے تم پر مقرر کیے ہیں۔ ان (مذکورہ) عورتوں کے علاوہ باقی عورتیں تم پر حلال ہیں اور انہیں اپنے مال کے ذریعے اپناؤ بشرطیکہ تم پاک (اسم ربوہ) اور زنا سے بچو اور جن عورتوں سے متعذرتوان کا حق مہر جو تم پر واجب ہے ادا کرو اور تم پر اس کی نسبت کوئی گناہ نہیں میں پر ایک دوسرے کے ساتھ مہر مقرر کر کے موافقت کرو، خدا انا دیکھ ہے۔

تفسیر

والمحصنات من النساء . . . . .

یہ آیت گہ مشد آیت کی بحث کا خیمہ ہے جو ان عورتوں کے متعلق ہے جن سے شادی کرنا حرام ہے، یہ آیت مزید فہر دار کرتی ہے کہ سہاگنوں کے ساتھ شادی اور مباشرت حرام ہے۔

”محصنات“ محصنہ کی جمع ہے اور محسن کے مادہ سے ہے جس کا معنی ہے ”تعلد“۔ اسی مناسبت سے یہ لفظ شوہر دار یا خیف و پاکہ اس عورتوں کے لیے جو غیر مردانہ سے جنسی تعلق سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتی ہیں یا کسی مرد کی سرپرستی میں ہوں کہ یہ بولا جاتا ہے بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ آزاد عورتوں کو کینزوں کے مقابلے میں (محصنات) کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی آزادی حقیقت میں ایک ہار دیواری کے مانند ہے جو ان کے گرد موجود ہے اور کوئی دوسرا ان کی اجازت کے بغیر اس میں داخل ہونے کا حق نہیں رکھتا۔ لیکن واضح ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں شوہر دار عورتیں ہی مراد ہیں۔ یہ حکم صرف مسلمان عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر مذہب و ملت کی عورتوں کے بارے میں ہے یعنی ان سے شادی نہیں کر سکتے۔

اس حکم میں جو استثنا ہے وہ صرف ان غیر مسلم عورتوں کے بارے میں ہے جو جنگ میں مسلمانوں کی قیدی ہو جائیں یا اسلام کی نظر



شانستہ سائنس آں آفرید کاری است \* کار و چنیں دل آویز نقش ز ماس و فلسفینی !  
وہ خالق ہی لائق تعریف ہے کہ جس نے پانی اور مٹی سے ایسا دل آویز نقش بنایا۔  
ایمان سجدہ خضوع اور انکساری کے معنی میں ہے۔

بہر حال ہم نے اس موقع پر آدم کو خطرے سے آگاہ کر دیا تھا اور ”ہم نے کہا اسے آدم ! اس طرز عمل سے یہ تصدیق ہوگئی کہ ایسی تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے۔ اس کا خیال رکھنا کہ کہیں وہ تمہیں جنت سے باہر نہ نکال دے۔ جس سے قرنج و تکلیف میں مبتلا ہو جائیگا۔ (فقلنا یا آدم ان هذا عدو لك ولزوجك فلا يخرجنكما من الجنة فتشني)۔  
یہ بات واضح ہے کہ یہاں جنت ”دار آخرت کی بہشت جاوداں کے معنی میں نہیں ہے کہ جو ایک نقطہ تکامل و ارتقا ہے اور اس سے باہر نکلنا اور وہیں سے بازگشت ممکن نہیں ہے۔ یہ جنت جس کا یہاں ذکر ہے ایک بارگاہِ حق میں اس دنیا کے باغوں کی سب چیزیں موجود ہیں اور پردہ و کار کے لطیف و کرم سے اس میں کوئی تکلیف اور زحمت نہیں تھی۔ لہذا خدا آدم کو اس خطرے سے خبردار کرتا ہے کہ اگر اس اس دنیا کی جگہ سے تم باہر نکل گئے قرنج و شکل میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ ”فتشني“ شقاوت کے بارے ہے اور شقاوت کے معانی میں ہے ایک درد و رنج بھی ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے اپنا دوسرے شتمن پہلے دونوں یعنی آدم و حوا کی طرف کیوں کیا ہے اور فرمایا ہے کہ :

فلا يخرجنكما من الجنة

شیطان تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے۔

لیکن باہر آنے کا نتیجہ مفرد کی ضرورت میں آدم کے بارے میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے :

فتشني

اسے آدم ! تو درد و رنج میں جا پڑے گا۔

تفسیر کا یہ اختلاف ممکن ہے کہ اس نکتے کی طرف اشارہ ہو کہ پہلے درجے میں درد و رنج آدم ہی کے حصہ میں آئے تھے۔ یہاں تک کہ یہ انہی کی ذمہ داری تھی کہ اپنی بیوی کی مشکلات بھی اپنے کندھے پر اٹھائیں اور مردوں کی ذمہ داری شروع دن سے اسی طرح سے چلی آ رہی ہے۔  
یاد رہے کہ چونکہ شروع میں آدم سے ہی عہد و پیمان لیا گیا تھا۔ لہذا آخر میں بھی انہی سے خطاب کیا گیا ہے۔

اس کے بعد خدا ”بہشت کے راحت و آرام اور اس سے باہر کے ماحول کے درد و رنج کی آدم کے لیے اس طرح تشریح کرتا ہے :

تویاں پر نہ تو ہوگا کہ رعبہ گا۔ اور نہ ہی برہنہ ہوگا۔ (ان لك الا تجوع فيها ولا تعری)۔

”نہ تو اس میں پیاسا رہے گا اور نہ ہی شوریج کی کمی ہوگی و صوبہ تجھے تکلیف پہنچائے گی“ (وانك لا تكلو فيها ولا تعری)۔

یہاں مفسرین کے لیے ایک سوال سامنے آیا ہے اور وہ یہ کہ پیاس کا عذاب آفتاب کے ساتھ اور ہموک کا برہنگی کے ساتھ کیوں ذکر کیا گیا ہے حالانکہ عام طور پر پیاس کا ذکر ہموک کے ساتھ کرتے ہیں۔



کا مالک ہونے کی صورت میں اس کی قیمت ادا کرنے کے بعد بیٹے شاید ضمنی طور پر پیغمبر صلی علیہ وسلم کی تعبیر اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہو کہ استیلا از دواج میں متبراً انصب احین اور مقصد صرف جنسی پیاس کی تسکین نہ ہو بلکہ شادی بیاہ اس بلند ترین مقصد کو زندہ کرنے کے لیے جو جس کے لیے جنسی پیاس انسان میں رکھی گئی ہے اور وہ ہے بقائے نسل انسانی اور برائیوں سے اس کی حفاظت۔

## اسلام میں وقتی شادی

فَمَا اسْتَعْطَعْتُمْ بِهِ عَشْرَتَيْنِ مَثْوًى مِنْ أَجْوَاجٍ فَزَيِّنُوا لَهُنَّ

آیت کے کس جس میں وقتی شادی کی طرف اشارہ ہے جسے اصطلاح میں "مقعدہ" کہتے ہیں۔ اور شادوبد العزت ہے تم جن عورتوں کے ساتھ مقعدہ کرتے ہو ان کا حق مبرا ایک حق و واجب کے طور پر ادا کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازدواج موقت کی اصل تشریح اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ہی مسلمانوں میں تسلیم شدہ تھی۔ اس لیے تو خداوند عالم اس آیت میں حق مبرا ادا کرنے کی دینیت فرما رہا ہے اور کیونکہ یہ ایک اہم تفسیری وقتی اور اجتماعی بحث ہے اس لیے مزاد دی ہے کہ کئی گوشوں اور پہلوؤں سے اس کا مطالعہ کیا جائے۔

- ۱۔ جو قرآن آیت مندرجہ بالا میں موجود ہیں وہ اس آیت کے وقتی شادی پر دلالت کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔
- ۲۔ اس قسم کی شادیاں حضرت رسول اکرمؐ کے عہد میں جو تئیں اور رسول اللہؐ کے دور میں اسے شروع نہیں کیا گیا۔
- ۳۔ اس قسم کی ازدواج معاشرتی اور اجتماعی ضرورت بھی ہے۔
- ۴۔ مقعدہ بہت سے مسائل کا حل بھی ہے۔

اب پہلی بحث کو لیتے ہیں اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ مقعدہ میں سے مستعمل کیا گیا ہے۔ اسلام میں وقتی نکاح کے لیے ہے اور اصطلاح کے مطابق اس بارے میں حقیقت شرعیہ موجود ہے اس امر کا گواہ یہ ہے کہ مقعدہ کا لفظ ہی معنی میں مالاویش پیغمبر اور کلمات صحابہ میں بار بار استعمال ہوا ہے مثلاً

دوسرے یہ کہ اگر اس لفظ کے مذکورہ معنی نہ لیے جائیں تو پھر اس کے لغوی معنی (نفع اٹھانا) مراد لیے جائیں گے تو اس صورت میں آیت کے معنی کا خلاصہ یہ ہو گا کہ اگر مقعدہ اپنی دالی عورتوں سے فائدہ اٹھاؤ تو ان کا حق مبرا نہیں ادا کرو۔ جبکہ یہیں معلوم ہے کہ حق مبرا کی ادائیگی کی شرط عورتوں سے متبع اور نفع حاصل کرنا نہیں ہے۔ بلکہ تمام مہر و تاجر شہر یا کم از کم نصف حق مبرا نکاح ہوتے ہی واجب ہو جاتا ہے۔

۱۔ نکاح کی آزادی کے سلسلے میں اسلام نے جو زبردست لائق عمل اختیار کیا اس کے بارے میں متعلقہ آیات کے ذیل میں تفصیلی بحث کی جائے گی۔

۲۔ کنز العمال، مجمع البیان، تفسیر القرآن، بریل اور الفہرست کی جلد ۱۰، صفحہ ۱۰۰۔

۳۔ مشہور یا زیادہ مشہور یہ ہے کہ دائمی عقد کے بعد پورا مہر مرد پر واجب ہو جاتا ہے، اگرچہ نکاح سے پہلے طلاق سے حق مبرا عدا واجب ہو جاتا ہے۔



نیز یہ کہ بزرگ اصحاب اور تابعین مثلاً عبداللہ ابن عباس، سلام کے مشہور عالم و مفتی، ابی بن کعب، بابر بن عبداللہ، عمران بن حصین، سعید بن جبیر، مجاہد، قتادہ، مدی اور دیگر بیت سے حضرات اہل سنت اور تمام حضرات اہل بیت مندرجہ بالا آیت سے نکاح موقت کے معنی سمجھے ہیں۔ یہاں تک امام فخر رازی جن کی غیبت یہ ہے کہ وہ شیعوں کے مسائل میں اشکال تراشی کرتے ہیں، اس آیت کے بارے میں تفصیلی بحث کے بعد کہتے ہیں کہ مکمل مذکور ایک حدیث کے بعد منسوخ ہو گیا تھا۔ چوتھے یہ کہ ائمہ اہل بیت نے جو اسرار وحی کو تمام لوگوں سے زیادہ جانتے تھے بالاتفاق آیت کے یہی معنی ہیں ان سے اس سلسلے میں بیت سی روایتیں منقول ہیں۔ ان میں سے ایک روایت حضرت امام جعفر صادق سے مروی ہے، آپ نے فرمایا:

المتعة نزل به القرآن وجرت بها السنة من رسول الله

متو کا حکم قرآن میں نازل ہوا ہے۔ اور سنت رسول اس کے مطابق جاری ہوئی ہے

ملاوہ ازیں حضرت امام باقر سے منقول ہے کہ آپ نے ابو بصیر سے متو کے بارے میں سوال کے جواب میں فرمایا:

نزلت في القرآن فما استمتعتم به منهن فأتوهن اجورهن فريضة

قرآن مجید نے اس سلسلے میں ٹھنکوں کو ہے چنانچہ فرماتا ہے، انما استمتعتم

نیز امام محمد باقر سے منقول ہے کہ آپ نے متو کے بارے میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے جواب میں فرمایا:

احلها الله في كتابه وعنى لسان منجيه فهو حلال الى يوم القيامة

خداوند عالم نے اسے قرآن میں اپنے پیغمبر کی زبان پر حلال کیا اور وہ تمام تک حلال ہے

کیا یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے

تمام علما نے اسلام کا اتفاق ہے بلکہ ضرورت دین، اس پر دلالت کرتی ہے کہ نکاح موقت آغاز اسلام میں جائز تھا نیز یہ آیت کی متعدد جواز پر دلالت، اصل حکم کے مسلم ہونے پر کسی قسم کی نفی نہیں کرتی۔ کیونکہ مخالفین کا خیال ہے کہ اس حکم کا شرعی ہونا سنت سے ثابت ہے۔ یہاں تک کہ مسلمان آغاز اسلام میں اس پر عمل کرتے تھے اور وہ مشہور مجاہد حضرت عمر سے منقول ہے:

مستان كانتا على عهد رسول الله وانا محمدا ومعدن عليهما امتدة النساء وعتدة الحج

دو مشہور پیغمبر کے عہد مبارک میں تھے جنہیں میں دھرم، حرام کتابوں اور ان پر سزا بھی دوں گا عورتوں سے

متو اور حج تمتع، جو ایک خاص قسم کا حج ہے۔

۱۔ وہ لوگ جو پیغمبر کے زمانے کے بعد آئے اور آنحضرت کے زمانے کے نہ پائے۔

۲۔ نور الثقلین جلد اول صفحہ ۶۶، تفسیر برہان جلد اول صفحہ ۲۰۰۔

۳۔ گذشتہ حوالہ۔

۴۔ تفسیر برہان، زیر بحث آیت کے ذیل میں، اقوال ہیں کہ یہ حدیث درگاہ مشہور دونوں حدیث کافی میں ہیں۔

۵۔ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۰، تفسیر قرطبی، طبری، سنن کبریٰ، زیلعی، کتاب نکاح۔



حرام مال کھانا اور کبھی وہ فسقی پہلو رکھتے ہیں یعنی یہ ایسا کام جو کام ہے کہ اگر ایک انسان سے مرزد ہو جائے تو نہ صرف یہ کہ کوئی گناہ نہیں ہوتا بلکہ کبھی اس کی نسبت سے وہ ایک مطلوب اور شائستہ عمل ہوتا ہے لیکن اگر وہی کام کسی دوسرے سے مرزد ہو جائے تو اس کے مرتبہ و مقام کا لحاظ کرتے ہوئے وہ غیر مناسب ہو سکتا ہے۔

مثلاً ایک ہسپتال بنانے کے لیے لوگوں سے امداد کی اپیل کی جاتی ہے۔ ایک کارگر آدمی اپنی ایک دن کی مزدوری کہ جو کبھی چند روپے سے زیادہ نہیں ہوتی دیتا ہے۔ یہ عمل اس کی نسبت سے ایثار اور اچھا عمل ہے۔ کامل طور پر مطلوب و پسندیدہ ہے لیکن اگر ایک دولت مند آدمی بھی اتنی ہی مقدار میں مدد کرے تو نہ صرف یہ کہ یہ عمل اس کی طرف سے ناپسندیدہ نہ ہو بلکہ طاقت و خدمت کے لحاظ سے یہ حالانکہ اصولی طور پر نہ صرف یہ کہ اس نے کوئی حرام کام نہیں کیا ہے بلکہ ظاہراً ایک کارطیر میں مدد بھی کی ہے۔ یہ وہی بات ہے کہ جیسے ہم یوں کہتے ہیں :

حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ مَسِيئَاتُ الْمُقْرَبِينَ

نیک لوگوں کی اچھائیاں مقربین کے لیے گناہ ہیں۔

نیز یہ وہی چیز ہے کہ جو ترک ہونے کے عنوان سے مشہور ہوئی ہے اور ہم اسے گناہ نسبتی سے یاد کرتے ہیں کہ چونکہ گناہ ہے اور نہ ہی مقام عصمت کے خلاف ہے۔

اسلامی و مادیث میں بھی کبھی کبھی استہانت کی مخالفت پر مصیبت کا اطلاق ہوا ہے۔ ایک حدیث میں امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے روزانہ کی نافذ نمازوں کے بارے میں فرمایا :

”یہ سب خوب ہیں واجب نہیں ہیں۔۔۔ اور جو شخص ان کو ترک کرے اس نے

مصیبت کی کچھ نہ سمجھتا ہے کہ جب انسان کسی نیک کام کو انجام دیتا ہے تو اس کام کو جاری رکھنا چاہیے۔

اس موضوع اور حضرت آدم سے مربوط دوسرے مسائل اور ان کے جنت سے باہر نکلنے کے بارے میں چھٹی جلد سرورہ اعراف کی آیہ

۱۹۔ بعد اور جلد اول سورہ بقرہ کی آیہ ۳۰ تا ۲۸ کے ذیل میں بحث کر چکے ہیں۔ یہاں کلمہ کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۲۳۔ قَالَ اهْبِطْ مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ

مِّنِّي هُدًى مِّنْ اَشْجَعٍ مُّدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰی ۝

۱۲۴۔ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْۤ اِنَّ لَهُۥ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ

الْقِيَمَةِ اَعْمٰی ۝

۱۲۵۔ قَالَ رَبِّ لَوْ حَشَرْتَنِيْ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝





- ۱۲۶۔ قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَبِّئُهَا ۖ وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْشَىٰ ۖ
- ۱۲۷۔ وَكَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَوْ يُومِنُ بِآيَاتِ رَبِّهِ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَلْقَىٰ ۖ

### ترجمہ

- ۱۲۶۔ خدا نے، فرمایا: تم دونوں اور اسی طرح شیطان، اس بات، سے نیچے اترو۔ اسس حالت میں ۔۔۔
- ۱۲۷۔ کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو لیکن جس وقت میری ہدایت تمہارے پاس آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا نہ تو وہ گمراہ ہو گا اور نہ ہی، نیچے و تخلیف میں مبتلا ہو گا۔
- ۱۲۸۔ اور جو شخص میری یاد سے روگردانی کرے گا۔ وہ تنگ زندگی گزارے گا اور قیامت کے دن ہم اُسے نابینا عثرہ کریں گے۔
- ۱۲۹۔ وہ کہے گا: پروردگار! تو نے مجھے نابینا کیوں عثر کیا؟ میں تو بینا تھا۔
- ۱۳۰۔ خدا، فرمائے گا: یہ اس بنا پر ہے کہ میری آیات تیرے پاس پہنچیں اور تو نے انہیں بھلا دیا۔ اسی طرح آج تجھے بھی بھلا دیا جائے گا۔
- ۱۳۱۔ اور جو شخص اسراف کرے گا اور اپنے پروردگار کی آیات پر ایمان نہیں لائے گا۔ ہم اُسے اسی قسم کی جزا دیں گے اور آخرت کا عذاب زیادہ شدید اور زیادہ پائیدار ہے۔

### تفسیر

#### تنگ زندگی :

آدم کی توبہ اگرچہ قبول ہو گئی تھی مگر انہوں نے ایسا کام کیا تھا کہ اب پہلی جیسی حالت کی طرف لوٹنا ممکن نہیں تھا۔ لہذا خدا نے "اُنہیں اور حوا کو حکم دیا کہ تم دونوں، اور اسی طرح شیطان بھی تمہارے ساتھ، جنت سے زمین پر اتر جاؤ" قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا۔

"اور آئنا ایک تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے" (بعضکم لبعض عداۃ)۔

لیکن میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ راہ سعادت اور نجات تمہارے سامنے کھلی ہوئی ہے۔ پس جس وقت میری ہدایت تمہارے پاس آئے تو تم میں سے جو کوئی اس ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ تو گمراہ ہو گا اور نہ ہی بد نصبت۔ (فاما یا تیسکم منہ ذی



فمن اتبع هدای فلا یضل ولا یشتیٰ

اور اس غرض سے کہ جو لوگ حق تعالیٰ کے فرمان کو بجا دیتے ہیں، ان کی پریشانی کا نتیجہ بھی واضح ہو جائے، مزید فرمایا گیا ہے :  
اور جو شخص میری یاد سے روگردانی کرے گا وہ تنگ اور سخت زندگی بسر کرے گا : ومن اعرض عن ذکری فان له سعیشۃ ضنکاً۔

۱۰ اور قیامت کے دن ہم اسے نابینا محسوس کریں گے " (ونحشره لیوم القیامۃ اعن)۔

ہاں وہ یہ "عرض کرے گا کہ پروردگار! تو نے مجھے نابینا کیوں محسوس کیا ہے جب کہ پہلے تو میں بینا تھا" قال رب لسو حشرتینی اعن وقد کنت بصیراً۔

خدا کی طرف سے اُسے فوراً یہ جواب دیا جائے گا : یہ اس بنا پر ہے کہ ہدایت تیرے پاس آئی تھیں تو تو نے انہیں فراموش کر دیا اور انہیں غفلت میں ڈال دیا۔ ہذا آج کے دن تو بھی فراموش کر دیا ہے گا۔ ۱۱ قال کذا لک اتل لئلا یفتنہا وکذا لک الیم نلسی۔  
اور تیری آنکھیں پروردگار کی نعمتوں اور اُس کے مقام قرب کو نہ دیکھ پائیں گی۔

۱۲ اور آخر میں مجموعی نتیجہ نکالتے ہوئے آخری زیر بحث آیت میں فرمایا گیا ہے : اور جو لوگ اسراف کریں گے اور اپنے پروردگار کی آیات پر ایمان نہیں لائیں گے ہم انہیں اسی قسم کی جزا دیں گے : (و کذا لک نجزی من اسرف ولعنون) بالآیات ربہ۔

۱۳ اور آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ شدید اور زیادہ پائیدار ہے :

۱۴ ولعذاب الآخرۃ اشد والبقیٰ۔

## چند اہم نکات :

۱۔ یادِ خدا سے غفلت اور اس کے ستاؤ : کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے سامنے زندگی کے تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں اور وہ جس کام میں ہمت ڈالتا ہے اُسے بند دروازوں کا سامنا ہوتا ہے اور کبھی اس کے بالکل عکس وہ بندر بھی جاتا ہے ہر طرف اپنے لیے دروازوں کو کھلا ہوا پاتا ہے۔ ہر کام کے لیے حالات سازگار ہوتے ہیں اور کوئی بندش اور کسی قسم کی گراہ اس کے سامنے نہیں ہوتی یا اس حالت کو وسعتِ زندگی کہتے ہیں جب کہ پہلی حالت کو "ضیق" اور زندگی کی تنگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ "سعیشۃ ضنک" کی تعبیر کہ جو اوپر والی آیت میں آئی ہے۔ اُس سے بھی مراد ہے :

کبھی سعیشۃ کی تنگی اس بنا پر نہیں ہوتی کہ اس کی آمدنی کم ہے، بسا اوقات اس کی آمدنی میں ریل پیل ہوتی ہے لیکن نخل

۱۵ "ضنک" سختی اور تنگی کے معنی میں ہے۔ یہ لفظ ہمیشہ مزدکی صورت میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا شنیہ "جمع اور توشہ

نہیں ہے۔



حرس اور لالچ زندگی کو اس پر تنگ کر دیتے ہیں نہ صرف یہ کہ ایسا شخص اس بات پر مائل نہیں ہوتا کہ اس کے گھر کا دروازہ کھولا  
اور دوسرے اس کی زندگی سے فائدہ اٹھائیں۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے لیے بھی اسے کھلا نہیں رکھنا چاہتا۔  
علی علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق :

”وہ اپنی زندگی تو فقیروں کی طرح سے بسر کرتا ہے لیکن اُس کا حساب سرمایہ داروں کا  
سا ہوگا۔“

واقعاً انسان ان تنگیوں اور سختیوں میں کیوں گرفتار ہو جاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اس کا اصلی عامل یادِ خدا سے رُودردانی ہے۔  
یادِ خدا رُوح کے لیے آرام دسکون اور تقویٰ و شجاعت کا باعث ہے اور اس کو بھلا دینا اضطراب، خوف اور پریشانی  
کا سبب ہے۔

جس وقت انسان خدا کو بھلا دیتے کی وجہ سے اپنی ذمہ داریوں کو بھلا دے تو وہ شہوات، خواہشات، حرس اور طمع میں  
غرق ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے ہنر میں تنگ زندگی ہی ہوگی۔ نہ اس میں کچھ قناعت ہوگی کہ جو اس کی رُوح کی تسکین کا موجب  
نہ اُس کی مصروفیت کی طرف توجہ ہوگی کہ جو اُسے روحانی غنا اور تعمیری عطا کر دے اور نہ ہی اس کا وہ انطلاق ہوگا کہ جو اُسے طہیان  
شہوات کا مقابلہ کرنے کے قابل بنائے۔

اصولاً زندگی کی یہ تنگی زیادہ تر مصروفیت کی کمی اور روحانی استغنا کے نہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مستقبل کے بارے میں  
مطمئن نہ ہونا، موجودہ امکانات و وسائل کے نابود ہو جانے کا خوف اور مادی دنیا کے ساتھ انتہائی وابستگی جی اس کا سبب بنتی ہے  
اور وہ شخص کہ جو خدا پر ایمان رکھتا ہے اور اُس نے اس کی پاک ذات کے ساتھ دل لگایا ہے، وہ ان تمام پریشانیوں سے امان  
میں ہوتا ہے۔

البتہ یہاں تک تو بات ایک فرد سے متعلق تھی لیکن جب ہم ایسے معاشرے میں جائیں کہ جو یادِ خدا سے منہ پھیرے  
ہوئے ہو تو پھر مسئلہ اس سے بھی زیادہ وحشت ناک ہو جائے گا۔ وہ معاشرے کہ جو تعیب خیز اور حیرت انگیز صنعتی ترقی کے باوجود  
اور زندگی کے تمام وسائل فراہم ہونے کے باوجود شدید اضطراب اور پریشانی کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ عجیب و غریب تنگی  
اور سختی میں گرفتار ہیں اور وہ اپنے آپ کو محسوس اور قیدی سمجھتے ہیں۔

سب ایک دوسرے سے ڈرتے ہیں۔ کوئی شخص کسی دوسرے پر اعتماد نہیں کرتا۔ تمام روابط اور تعلقات ذاتی مفادات کے  
محور پر گردش کرتے ہیں۔ جگت خوفِ اسلورڈی کا بھاری و بھروسہ کے زیادہ تر اقتصادی مسائل کو حل کیلئے ہمارے ہاں کی کریں اس بھاری بوجھ کے نیچے خم ہو گئی ہیں۔

تیر تانے بھروسے سے مجھے نہیں ہے اس کے اپنے سرمایہ اعداد و شمار کے مطابق ہر گزری اور ہر منہ کی تیار کی ہوئی بلاتم، کتابت و تالیف نشاندہ چیزیں اور فحاش  
نے انہیں اپنا غلام اور قیدی بنا رکھا ہے۔ ان کے کمرؤں کے ماحول میں نہ نورِ محبت ہے اور نہ ہی نشاطِ بخش پیار کا رشتہ۔  
ہاں ! یہ ہے ان کی سخت زندگی اور ”معیشتِ ضنک“۔

امریکہ! شیطانِ اعظم کے ایک سابق صدر نکسن نے اپنی پہلی صدارتی تقریر میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا کہ  
ہم اپنے گروا کو ایسی زندگیاں دیکھ رہے ہیں کہ جو اندر سے خالی ہیں۔ ہم خود کو خوش



زنا کاری کے برابر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بہر حال وہ نکاح کے اصول و قواعد کی رو سے نکاح کی ایک شکل ہے۔

اعتراض کی دوسری بات یہ ہے کہ متد اس امر کا سبب ہے کہ بعض بوس پرست افراد اس قانون سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس کی آڑ میں طرح طرح کی برائیاں کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ نیک اور عزت والے افراد کبھی اس کے لیے تیار نہیں ہوتے اور صاحب حیثیت اور عزت و درجہ والے کبھی اس کے قریب نہیں آتے۔

وہ کونسا قانون ہے جس سے لوگ غلط فائدہ حاصل نہیں کرتے تو پھر کیا ضروری ہے کہ کسی خطری قانون اور اجتماعی ضرورت کو اس لیے روک دیا جائے کہ اس سے غلط فائدہ اٹھایا جاتا ہے یا غلط فائدہ اٹھانے والوں کی روک تھام کی جائے۔

فرض کیجئے کہ ایک جماعت حج بیت اللہ سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے اس مقدس سفر میں خبیثات کا کاروبار کرتی ہے تو کیا اسی صورت میں لوگوں کو اس عظیم اسلامی کانفرنس میں شرکت سے منع کر دیا جائے گا یا غلط کاروبار کرنے والوں کو قرار واقعی سزا دی جائے گی۔

اگر آپ یہ دیکھتے ہیں کہ آج کے محترم افراد اس قانون اسلامی سے نفرت کرتے ہیں تو دراصل اس میں قانون کا عیب نہیں بلکہ قانون پر غلط عمل کرنے والوں کا قصور ہے یا اس سے بھی زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس میں غلط فائدہ اٹھانے والوں کا قصور ہے۔ اگر بالکل کے معاشرے میں نکاح بوقت پر صحیح خطوط اور درست صورت میں عمل کیا جائے اور اسلامی حکومت مخصوص قوانین و ضوابط کے تحت اسے درست طور پر عمل میں لائے تو غلط فائدہ اٹھانے والوں کی بھی روک تھام ہو سکے گی یوں محترم افراد بھی اور اجتماعی کے اہرامیں بے نقصان عبادت نہیں کریں گے۔

کہتے ہیں کہ متد کی وجہ سے لادارٹ پہنچے، نابائرا دلہ کی طرح معاشرے میں رہتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم جو کچھ اس سے پہلے تحریر کر چکے ہیں اس سے اس سوال کا جواب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نابائرا اولاد قانون کی نظر میں مل باپ کی سے کسی سے بھی وابستہ نہیں ہے۔ جبکہ متد کی اولاد اور عقد دائمی کی اولاد میں میراث اور دیگر حقوق اجتماعی کی رو سے ذرا برابر بھی فرق نہیں ہے۔ گویا حقیقت حال سے بے خبری اشکال اور شک و شبہ کا سرچشمہ ہے۔

## رسل اور نکاح موقت

اس گفتگو کے آخر میں ایک منید بات کی یاد دہانی ضروری معلوم ہوتی ہے جسے مشہور انگریز دانشور برنڈرسل نے اپنی کتاب "زنا شوقی اور اخلاق" میں آزمائشی شادی کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔ وہ جو جوانوں کا ہمارے کرنے والے "بن بی لینڈ سی" کی تجویز دوستانہ شادی یا آزمائشی شادی کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے:

ہج صاحب موصوف کی تجویز کے مطابق جو جوانوں کو یہ اختیار ملنا چاہیے کہ وہ ایک نئی قسم کی شادی کر سکیں۔ جو عام شادی (دائم) سے تین امور میں مختلف ہو۔

۱۔ یہ برنڈرسل کی کتاب کے فارسی ترجمے کا نام ہے۔ (مترجم)



- ۱۔ طرفین کا مقصد صاحب اولاد ہونا نہ ہو اس سلسلے میں ضروری ہے کہ انہیں عمل روکنے کے طریقے سکھائے جائیں۔
  - ۲۔ ان کی عیندگی بآسانی ہو سکے۔
  - ۳۔ طلاق کے بعد عورت کسی قسم کے نان و نفقہ کا حق نہ رکھتی ہو۔
- رسل حج لینہ سی کا مقصد بیان کرنے کے بعد کہتا ہے،

میرا خیال ہے کہ اگر اسی قسم کی شادی کو قانونی طور پر درست مان لیا جائے تو بہت سے زوجان خصوصاً کابلوں اور یونیورسٹیوں کے کے طالب علم وقتی نکاح پر تیار ہو جائیں گے اور ایک وقتی مشترک زندگی میں قدم رکھیں گے۔ ایسی زندگی جو اپنی بھویں آزادی سے ہونے ہے۔ اس طرح بہت سی معاشرے کی خرابیوں، لاپرواہیوں، جھگڑوں، خصوصاً جنسی بے راہ روی سے نہات مل جائے گی۔ یہ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ نکاح موقت کے بارے میں مندرجہ بالا تجویز کئی لحاظ سے اسلامی حکم کی طرح ہے لیکن جو شرطیں اور خصوصیتیں اسلام نے نکاح موقت کے لیے تجویز کی ہیں وہ کئی لحاظ سے زیادہ واضح اور مکمل ہیں۔ اسلامی نکاح موقت میں اولاد نہ ہونے دینا ممنوع نہیں ہے اور فریقین کا ایک دوسرے سے جدا ہونا بھی آسان ہے۔ جدائی کے بعد نان و نفقہ بھی واجب نہیں ہے۔

ولا جناح علیکم فیما تراضیتموہ من بعد الفریضۃ

آیت کے آخر میں یہ ذکر کرنے کے بعد کہ حق مہر کی ہوائی ضروری ہے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اگر طرفین عقد ایک دوسرے کی رضامندی کے ساتھ حق مہر کی مقدار میں کمی بیشی کریں تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ یہ کہ مہر ایک ایسا فرض ہے جو طرفین کی مرضی سے تبدیل ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں عقد موقت و دائمی میں کوئی فرق نہیں ہے اگرچہ ہم تفصیل سے کھچکے ہیں کہ یہ آیت نکاح موقت کے بارے میں ہے۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں ایک اور بھی احتمال ہے اور وہ یہ کہ اس میں کوئی مانع نہیں کہ نکاح موقت کے ختم ہونے پر طرفین مدت نکاح اور اس طرح حق مہر کے اضافے کے متعلق آپس میں موافقت کر لیں۔ نکاح موقت مدت مقررہ ختم ہونے سے پہلے بھی قابل تجدید ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ مہر دہا کر لیتے ہیں کہ مہر شدہ مدت نکاح اور مقررہ حق مہر دونوں میں بقدر ضرورت اضافہ کر دیا جائے۔ روایات اہل بیت میں بھی اس تفسیر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ان اللہ کان علیہما حکیمان

نہی احکام کی طرف اس آیت میں اشارہ ہوا ہے وہ ایسے ہیں جو فوج بشر کے لیے خیر و سعادت کے حامل ہیں کیونکہ پروردگار مہم بندوں کے مصالح سے آگاہ اور اجرائے قانون میں عظیم ہے۔

۲۵۔ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مَنْ قَتَلْتُمْ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَإِنَّكَ حَوَّهْنِ يَٰ ذُنَّ أَهْلِيهِنَّ وَ  
 أَسْوَهْنِ أَجْوَرَهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَصَتٍ غَيْرِ مُسْفِحَةٍ وَلَا  
 مُتَّخِذَتٍ أَخْدَانٍ ۚ فَإِذَا أُحْصِنَ فَإِنَّ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ  
 نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ  
 مِنكُمْ ۚ وَأَن تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

ترجمہ

۲۵ اور جو لوگ آزاد پاک دامن عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ کنیزوں میں سے پاک دامن ایماندار  
 عورتوں سے جو ان کی ملکیت میں ہیں نکاح کریں خدا تمہارے ایمان سے آگاہ ہے اور تم سب ایک ہی پکی کے مختلف  
 اجزاء ہو۔ اور ان کنیزوں سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو۔ لیکن ان کا حق مہر ان ہی کو اس شرط کے ساتھ  
 دو کرو کہ وہ پاک دامن رہیں۔ نہ یہ کہ وہ کھلے بندوں بنا کر پیہری اور نہ ڈھکے چھپے یا ربنائیں اور جب وہ سہاگن ہوں اور  
 پھر عفت کے معافی کام کریں تو ان کے لیے آزاد عورتوں سے آدمی سزا ہوگی۔ کنیزوں سے نکاح کرنے کی یہ اجازت  
 صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو (جنسی تقاضوں کے حوالے سے) سخت تنگ ہوں۔ اگر مہر و تحمل سے کام لو تو تمہارے  
 لیے زیادہ بہتر ہے اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر

کنیزوں سے نکاح

ومن لم يستطع منكم طولا ان ينكح ....

گذشتہ آیات میں نکاح کے متعلق مباحث کے بعد ریاست کنیزوں سے نکاح کرنے کی شرطیں بیان کرتی ہے۔ سب سے پہلے  
 کہتی ہے جو لوگ آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کے لیے مالی قدرت نہیں رکھتے وہ کنیزوں سے نکاح کر سکتے ہیں۔ جن کا حق مہر و رعا  
 طور پر باقی مصارف ان کی نسبت زیادہ ہوں اور آسان ہوتے ہیں۔ البتہ کنیزوں سے نکاح سے مراد یہ نہیں ہے کہ کنیز کا مالک اپنی کنیز

۱۔ لفظ طول (بروزن نوع) اصل میں مادہ طول (بروزن نور) سے ہے اور یہ تو انائی، رسائی، مالی وسائل وغیرہ کے معنی میں آیا ہے۔



سے نکاح کرے کیونکہ وہ تو ان شرطوں کے مطابق جو فقہ کی کتابوں میں اپنی کینز کو ایک بیوی کی طرح رکھ سکتا ہے۔ بنا بریں اس سے مراد مالک کے علاوہ دیگر افراد کا کسی کینز سے نکاح کرنا ہے۔

ضمنی طور پر لفظ "مومنات" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کینز کا یقینی طور پر مسلمان ہونا ضروری ہے تاکہ اس سے نکاح کر سکے۔ اسی بنا پر اہل کتاب کینزوں سے نکاح نہیں کر سکتا۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن ان کینزوں کے لیے "فقیہات" کا لفظ استعمال کرتا ہے فقیہات جمع ہے اور عام طور پر یہ لفظ قابل احترام عورتوں اور زیادہ تر نوجوان لڑکیوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

یہ جوتاتا ہے کہ تم ان کے ایمان کی تشکیک نہ کرو۔ یہ ان کی ظاہری حالات اور اعتقاد کے پابند مصباحی رہبان کا باطن اور ان کے دل کے بھید تو خدا تعالیٰ ہی کا علم ہے۔

بعضکم من بعض

چونکہ بعض لوگ کینزوں سے نکاح کرنا پسند نہیں کرتے تھے اس لیے قرآن فرماتا ہے کہ تم سب ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئے ہو اور تم ایک دوسرے سے ہو۔ اسی بنا پر تمہیں کینزوں سے نکاح کرنے میں کراہت نہیں کرنا چاہیے جو انسانی نقطہ نظر سے مختلف نہیں ہیں اور معنوی قدر و قیمت کی وجہ سے بھی دوسروں کی طرح ان کی قدر و منزلت تقویٰ و پرہیزگاری سے وابستہ ہے اور تم ایک ہی جسم کے مختلف اعضاء ہو۔

فانکم حوہن باذن اللہ

لیکن یہ ضروری ہے کہ یہ نکاح مالک کی اجازت سے ہو۔ کیونکہ یہ اس کی اجازت کے بغیر باطل ہے اور مالک کو اہل سے تعبیر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مالکوں کو چاہیے کہ وہ کینزوں کے ساتھ جنس تجارت اور مال و دولت کا ماسلوک نہ کری بلکہ ایک خاندان کے سرپرست کی طرح ان کے ساتھ اولاد اور اہل و عیال جیسا مکمل انسانی برتاؤ کریں۔

وانتوہن اجورہن بالمعروف

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لیے مناسب حق مقرر کیا جائے اور وہ خود ان ہی کو دیا جائے یعنی مہر کی مالک خود نونذریاں ہوں گی۔ اگرچہ مفسرین کی ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ اس آیت میں ایک قطف مذکور ہے۔ ان کے خیال میں اصل میں یوں ہے:   
 انوما لکم من اجورہن (ان کا مہر ان کے آقاؤں کو دو) لیکن یہ تفسیر ظاہر آیت کے مطابق نہیں ہے۔ اگرچہ بعض روایات اس کی حمایت کرتی ہیں۔ مگر آیت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ غلام بھی ان اموال کے مالک ہو سکتے ہیں جو جانور طریقوں سے ان کے ہاتھ آئے۔ اور بالمعروف یعنی اچائی کے ساتھ۔ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حق مقرر کرنے میں ان پر کوئی ظلم و ستم نہ کیا جائے بلکہ ان کا واقعی حق یا معمول کے مطابق ادا کیا جائے۔

محسنات منہن مصافحات ولا متخذات الخدان

اس نکاح کی ایک اور شرط یہ ہے کہ ایسی کینزوں کا انتخاب کیا جائے جو منافعی عفت و پاک دامنی کوئی حرکت ظاہر نہ ظاہر یا





ڈھکے چھپے یا رہنا کر ذکر میں خود متخذات اخذ ان ۔ ۷

ممکن ہے اس موقع پر یہ سوال پیدا ہو کہ غیر سادات کی تفسیر کے ذریعے زنانے منع کرنے کے بعد پوشیدہ دوست بنانے (اختلا) سے منع کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن اس امر کے پیش نظر کہ زمانہ جاہلیت میں بعض لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ صرف کھلے بندوں زنا برا فعل ہے لیکن ڈھکے چھپے یا رہی نگاہ کر یہ کاسد الی جری نہیں ہے۔ اس سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن نے ہر دو قسم کی وضاحت کیوں فرمائی ہے۔

فاذا احصن فان اتین بفاحشة فعليهن نصف ما على المحصنات من العذاب

اسی جملے میں ان احکام کی مناسبت سے کمینوں کے ساتھ شادی کرنے اور ان کے حقوق کی حمایت کے بارے میں ہیں اور ان میں ان کی سزا کے بارے میں بھی بحث آگئی ہے اور وہ یہ کہ جب وہ پاکدامنی اور عفت کی راہ سے نہیں اور بدکاری کریں تو آزاد عورتوں کی نسبت انہیں آدمی سزا دی جائے یعنی انہیں پچاس کوڑے مارے جائیں۔

دوسرا نکتہ جس کی طرف یہاں توجہ کرنا چاہیے یہ ہے کہ قرآن فرماتا ہے: "اذا احصن" یعنی اگر وہ محصن ہوں تو ان کے لیے یہ سزا ہوگی۔

### ”محصنہ“ سے یہاں کیا مراد ہے

مفسرین نے اس کے بارے میں کئی اہمال کئے ہیں۔ بعض نے مشہور فقہی اصطلاح اور سابقہ آیت کے مطابق شوہر اور عورت کے معنی میں اور بعض نے اسے مسلمان کے معنی میں لیا ہے۔ لیکن اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہ لفظ صرف اس جملے میں وہ مرتبہ آیا ہے اس لیے دونوں جگہ ایک ہی معنی میں ہونا چاہیے۔ دوسری طرف سہاگوں کی سزا سنگسار دی ہے ذکر تازیانے۔ غرض اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ پہلی تفسیر جس میں محصنہ کے معنی شوہر والی عورت بیان کی گئی ہے قابل قبول نہیں ہے۔ اسی طرح دوسری تفسیر یعنی مسلمان ہونا اس پر بھی کوئی ثابہ نہیں ہے۔ اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ لفظ محصنات جو کہ قرآن مجید میں زیادہ تر پاکدامن عورتوں کے معنی میں آیا ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حق یہ ہے کہ زیر نظر آیت اسی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ یعنی وہ لونڈیاں جو مالکوں کی سختی کے ذریعے ہمہ فرشی کرتی تھیں انہیں تو سزا عطا ہے لیکن وہ کمینوں جو اس جان بیوا سختی سے دوچار نہیں ہیں اور پاکدامنی کی زندگی بسر کر سکتی ہیں اگر وہ سنی عفت کام کریں تو انہیں آزاد عورتوں کی طرح سزا دی جائے گی۔ لیکن ان کی سزا آزاد عورتوں کی نسبت آدمی ہوگی۔

ذلک لمن خشی العنت منکم

عنت (بروزن سند) اصل میں ہڈی کے دوبارہ ٹوٹنے کو کہتے ہیں یعنی بڑی کا درست ہو کر زخم مٹنے کے بعد نئے سرے سے کسی عادت کے وجہ سے ٹوٹ جانا۔ واضح ہے کہ اس قسم کا ٹوٹنا انتہائی دردناک اور تکلیف دہ ہوتا ہے اسی لیے ”عنت“ کا لفظ عورتوں پر فرمایا

۷۱ اخذ ان فعلن کی مراد ہے۔ یہ اصل میں دوست اور ساتھی کے معنی میں ہے۔ لیکن عام طور پر ایسے افراد کے لیے بولا جاتا ہے جو عفت جنس کے ساتھ پوشیدہ اور ناجائز تعلق رکھتے ہوں۔ یاد رکھیے کہ لفظ فعلن قرآن میں سوا دو مرتبہ دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔



مشکلوں اور دکھ تکلیف پہنچانے والے کاموں کے لیے استعمال ہوتا ہے قرآن مجید مندرجہ بالا جگہ میں فرماتا ہے: کنیزوں کے ساتھ شادی ان لوگوں کے لیے ہے جو جنسی خواہش کی وجہ سے بہت تنگ ہوں اور آزاد عورتوں سے شادی کرنے کی استطاعت بھی نہ رکھتے ہوں۔ اس بنا پر اس قسم کی شادی دوسرے افراد کے لیے جائز نہیں ہے۔ لیکن ہے کہ اس حکم کا فلسفہ یہ ہو کہ اس زمانے میں خصوصاً لونڈیوں کی تربیت برے اور گئے گزرے حالات میں ایسی ہوتی تھی کہ وہ طبعاً اخلاقی، روحانی اور معاشرتی نقائص میں مبتلا تھیں اور مسلم ہے کہ جو بچے اس شادی سے پیدا ہوتے ان پر مال کا کچھ نہ کچھ اثر پڑتا۔ اسی بنا پر اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لیے ایک زبردست تدبیر کی اور عمدہ پروگرام پیش کیا تاکہ وہ ہمیشہ کے لیے غلام بن کر نہ رہ جائیں نیز ضمنی طور پر غلاموں اور کنیزوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ شادی کر سکیں۔ یقیناً یہ بات اس امر کے منافی نہیں ہے کہ بعض کنیزی اخلاقی اور تربیتی لحاظ سے مخصوص استثنائی کیفیت رکھتی تھیں۔ جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے وہ کنیزوں کی اکثریت کے بارے میں مختصراً مگر جم کتا ہوں میں پڑھتے ہیں کہ بعض بزرگان دین کی مائیں کنیزی تھیں تو استثنائی لحاظ ہی سے متعلق تھیں۔ البتہ یہ بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ جو کچھ کنیزوں کے بارے میں ہے، ضرورت کے بغیر ممنوع ہے وہ ان سے شادی اور نکاح ہے نہ کہ ملکیت کے اعتبار سے جنسی میل ملاپ۔

وَالْأَنْصِبُ وَالْأَخِيرُ لَكُمْ

جہاں تک تہابری طاقت میں ہو کہ تہابراو اس گناہ سے آلودہ نہ ہو، اپنے آپ کنیزوں کے ساتھ شادی بیاہ سے بہانہ فائدہ مند ہے۔

وَاللَّهُ سَنُفِِّرُ رَحِيمٌ

اور خدا ان برے کاموں کو جو تم گزرے ہوئے زمانے میں جہالت اور بے فہمی کی وجہ سے کرتے رہے ہو بخشے والا اور مہربان ہے۔

۲۶۔ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّيسَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيُثَوِّبَ

عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

۲۷۔ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ

أَنْ تَمِيلُوا مِيلًا عَظِيمًا ۝

۲۸۔ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وِثْرَ الْإِنْسَانِ ضَعِيفًا ۝

ترجمہ

۲۶ خدا چاہتا ہے کہ ان احکام کے ذریعے نیکی اور خوش قسمتی کی راہیں تمہارے لیے واضح کرے اور گزرے ہوئے لوگوں



کے (میچ) طریقوں اور سنتوں کی طرف تمہاری ہدایت و رہبری کرے اور تمہیں گناہوں سے پاک کرے اور خدا دادا اور حکیم ہے۔

۲۷ اور خدا چاہتا ہے کہ تمہیں بخش دے اور گناہوں سے پاک کر دے لیکن جو لوگ شہوت کے غلام ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم بالکل مغرور ہو جاؤ۔

۲۸ خدا چاہتا ہے کہ کینزوں سے نکاح اور اسی قسم کے دوسرے احکامات کے ذریعے تمہارے لیے کام کو آسان کرے اور انسان کمزور پیدا ہوا ہے اور اپنی عظمت و سرشت کے پیش نظر مثبت جواب دہی کا محتاج ہے۔

تفسیر

یہ پابندیاں کس بنا پر ہیں

یومئذ اللہ لیبین لکم ویهدیکم صاف الذین من قبلکم ویستوب علیکم  
ان شروط و قیود اور مختلف احکام کے بعد جو گزشتہ آیتوں میں نکاح کے متعلق اشارۃً بیان ہوئے ہیں جو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا ہو کہ ان تمام قانونی قید و بند اور حدود کا کیا مقصد ہے کیا یہ بہتر نہ تھا کہ ان امور میں انسان کو کھلی آزادی دے دی جاتی تاکہ جس طرح بعض دنیا پرست ہر ذریعے اور ہر طریقے سے لذت اور فائدہ اٹھا سکے ہیں دوسرے لوگ بھی اس سے بہرہ ور ہوتے۔ مندرجہ بالا آیت حقیقت میں ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے بتاتی ہے کہ خدا چاہتا ہے کہ ان مقررات اور احکام کے ذریعے تمہارے لیے حقائق واضح کرے اور تمہاری رہبری ایسے راستوں کی طرف کرے جن میں تمہارے لیے فائدہ ہی فائدہ ہے اور دیکھو تمہارے لیے یہ پروگرام نہیں ہے بلکہ گزشتہ پاکیزہ قومیں بھی اسی قسم کی سختیوں (قواعد و ضوابط) رکھتی تھیں۔ ملا وہ ازبی خدا چاہتا ہے کہ تمہیں بخش دے اور اس کی نعمتیں جو تمہاری غلطیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے تم پر بند ہو گئی ہیں دوبارہ تمہیں عنایت فرمائے اور یہ اس صورت میں ہے کہ قبل از اسلام زمانہ جاہلیت میں نافرمانی کے جو راستے تم نے اختیار کر رکھے تھے ان سے ہٹ آؤ۔

واللہ علیہ حکیم

خدا اپنے احکام کے ہمراہ رموز کو جانتا ہے اس نے اپنی حکمت سے تمہارے لیے حکام کو نافذ کیا ہے۔

واللہ یرید ان یتوب علیکم ویرید الذین یتبعون الشکوک ان تمینوا میلاً منظمیماً

اور سر فوٹا کیا کرتا ہے کہ خداوند عالم ان احکام کے ذریعے یہ چاہتا ہے کہ وہ نعمتیں اور برکتیں جو تمہارے شہوتوں میں آلودہ



ہونے کی وجہ سے تم سے جھگڑ گئی تھیں، ان سے دوبارہ تمہیں فائدہ ہے لیکن وہ شہوت پرست جو گناہوں کی وجہوں میں غرق ہیں یہ چاہتے ہیں کہ تم نیکی کے راستے سے بالکل مڑوڑو اور ان کی طرح سر سے لے کر پاؤں تک گناہوں میں ڈوب جاؤ۔ اب تم خود فیصلہ کرو کہ وہ پابندیاں جو تمہاری نیکی اور بندگی و رجعت کے لیے ہیں تمہارے لیے بہتر ہیں یا یہ آزادی اور شر ہے جہاں جو ناجس میں شکست، تنزل اور پستی ہے۔

یہ آیات حقیقت میں ان افراد کو جو مجاہدہ سے نہانے میں بھی دینی قوانین خصوصاً جنسی مسائل کے سلسلے میں اعتراضات کرتے ہیں جواب دیتی ہیں کہ ان بے قید و بند آزادیوں کی حقیقت سراسر کی سی ہے اور ان کا نتیجہ انسانیت کی تکمیل و ترقی، کامیابی اور خوش بختی کی راہ سے روگردانی ہے، راہبرداری میں گرفتاری اور باکثرت کے گڑھوں میں گرنے کے مترادف ہے۔ جن کے بہت سے نمونے ہم اپنی آنکھوں سے خاندانوں کی مباحی و مختلف قسم کے جنسی جرائم، ناجائز اولاد، جنسی بیماریوں اور نفسیاتی پریشانیوں کی شکل میں دیکھ سکتے ہیں۔

یومئذ اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفاً

یہ آیت اس نکتے کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ پہلا حکم مقررہ خطوط کے ماتحت کیزوں سے نکاح کی آزادی کے بارے میں ایک قسم کی آسانی اور کشادگی کے لیے تھا کیونکہ انسان، اصولی طور پر ایک کمزور مخلوق ہے جس پر خواہشات نفسانی ٹھہرائی کے طوفان ہر طرف سے ٹکراتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ وہ انسان کو ان کے مقابلے کے لیے ایسے جائز شرعی طریقے بتائے جن سے انسان ان خواہشات کی تسکین کا سامان فراہم کر سکے اور اپنے آپ کو غلط راستوں پر پھنسنے سے محفوظ رکھ سکے۔

۲۹۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ○

۳۰۔ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدُوًّا وَإِنَّا وَظَلَمًا فَسَوْفَ نَصْلِيهِ نَارًا ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ○

ترجمہ

۲۹۔ اے ایمان والو! ایک دوسرے کے مال باطل (اور ناجائز طریقے) سے نہ کھاؤ نہ کرنا ایسی تجارت ہو جو تمہاری رضامندی سے کی جائے اور خودکشی نہ کرو۔ خدا تم پر مہربان ہے۔

۳۰۔ اور جو شخص اس کام کو از روئے ظلم کرے تو اسے ہم بہت جلد آگ میں ڈالیں گے اور یہ کام خداوند عالم کے لیے آسان ہے۔



## تفسیر

## معاشرے کی سلامتی کا دارومدار اقتصادی سلامتی پر ہے

يا ايها الذين آمنوا لاتاكلوا اموالكم ببينكم بائناط

درحقیقت یہ آیت تو انہیں اسلام کی بنیاد کو مالی معاملات اور معاملات سے متعلق رکھنے والے مسائل سے مراد دہانتی ہے۔ اسی وجہ سے فقہائے اسلام میں دین اور معاملات کے تمام ابواب میں اسی سے استدلال کرتے ہیں۔ آیت ایسا نہ کرو گوں کو خطاب کرتے ہوئے کہتی ہے، ایک دوسرے کے اموال غلط اور باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ یعنی دوسروں کے مال میں ہر قسم کا تصرف جو منطقی اور عقلی جواز کے بغیر ممنوع قرار دیا گیا ہے اور ان سب کو ایک لفظ "باطل" کے تحت بیان کر دیا گیا ہے جو ایک وسیع طبقہ رکھتا ہے ہم جانتے ہیں کہ باطل حق کے مقابلے میں ہے اور وہ ہر ای چیز کو جو بڑی، بے مقصد اور بے بنیاد ہو اپنے دائرے میں سیٹ ہوئے ہے۔ قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی مندرجہ بالا عبارت کے مشابہ عبارتوں کے ذریعے اس امر کی تاکید کی گئی ہے مثلاً تو تمہارے

کی مذمت اور ان کی بدکرداری کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

واكلهم اموال الناس بائناط (نساء ۱۲۸)

وہ لوگوں کے مال میں جواز کے بغیر غلط تصرف کرتے تھے۔

اور سورہ بقرہ کی آیت ۱۸۸ میں ہے:

لاتاكلوا اموالكم ببينكم بائناط

اس میں بھی لوگوں کو جواز اور بے بنیاد و محدود کے ذریعے مال ہڑپ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

اس بنا پر ہر قسم کی زیادتی، دھوکا، غریب، سودی بین دین اور ایسے معاملے جن کی مدد میں مکمل طور سے معین و مقرب نہیں ہیں، ایسی اجناس کی خرید و فروخت جن میں منطقی اور عقلی طور پر فائدہ نہیں ہے اور فساد و گنہگاروں کے وسائل کی خرید و فروخت سب کے سب اسی کی قانون کے تحت ہیں۔ اگرچہ بہت سی روایتوں میں لفظ باطل کی تفسیر قمار بازی اور سود وغیرہ کی گئی ہے لیکن یہ دراصل ان چیزوں کا تعارف کر دیا گیا ہے جو واضح طور پر اس لفظ میں شامل ہیں نیز کہ باطل کسی تک نہ دے۔ شاید یا دہانتی کی ضرورت ہو کہ ان (کھانا) سے تعبیر کرنا ہر قسم کے تصرف کی طرف اشارہ ہے۔ چاہے وہ معمول کے مطابق کھانے سے جو یا پہننے اور رہائش وغیرہ سے اور یہی معنی عربی زبان کے علاوہ آجکل کی فارسی میں بھی مکمل طور پر رائج ہے۔

الا ان تحسبون تجارتنا عن تراض

یہ جو گندہ مشنہ قانون کی کی استثنائی صورت بیان کر رہا ہے لیکن اصطلاحی طور پر مشتائے منقطع ہے۔ یعنی جو کچھ اس بجلے



میں آیا ہے وہ پہلے قانون میں شروع ہی سے داخل نہ تھا اور صرف ایک تاکیدی اور یاد دہانی کے طور پر ذکر ہوا ہے اور یہ اپنے مقام پر خود ایک کی قانون ہے کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: مگر یہ کہ تم باہر دو دوسروں کے مابین تعصبات محل انصاف کے مطابق ہو جو عمرین کی باہمی رضا و رغبت سے جو اس لیے اس بیان کے مطابق تمام مالی مبادلات اور لوگوں میں مروج مختلف طرت کی تجارت اگر ظہن کی رضامندی سے ہو اور عقل و منطق کے مطابق ہو تو وہ اسلام میں جائز ہے۔ مگر وہ امور اس میں داخل نہیں ہیں جن سے برہانائے صحت صورتاً ممانعت کی گئی ہو۔

لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا

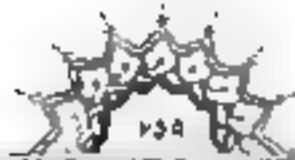
اس کے بعد آیت کے ذیل میں لوگوں کو قتل نفس سے منع کیا گیا ہے۔ اگر قرآن کا یہ جہر سامنے رکھا جائے: اِنَّ اللہ کان بکم دخیلاً یعنی خداوند عالم تمہاری نسبت زیادہ مہربان ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ جل و علاؤ کشی سے نفی کے واسطے میں ہے۔ یعنی مہربان خدا نہ صرف اس پر راضی نہیں کہ کوئی دوسرا تمہیں قتل کرے بلکہ خود تمہیں بھی یہ اجازت نہیں دیتا کہ تم خود سے اپنے آپ کو موت کے گھاٹ اتار دو۔ روایات اہل بیت میں بھی زیر نظر آیت کا مفہوم خود کشی سے احتیاج ہی بیان کیا گیا ہے۔ اب یہ سوال ابھر کر سامنے آتا ہے کہ قتل نفس اور لوگوں کے مال میں باطل و ناحق تعصبات میں کیا تعلق ہے؟ اس سوال کا جواب واضح ہے اور حقیقت میں قرآن نے ان دونوں احکام کا ایک دوسرے کے ساتھ ذکر کر کے ایک اہم اجتماعی نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر لوگوں کے مالی مسائل میں بنیادوں پر استوار نہ ہوں اور معاشرے کے اقتصادی معاملات خوشگوار طریقہ سے آگے نہ بڑھیں تو ایک دوسرے کے سوال میں ناحق تعصبات کریں تو سماج ایک قسم کی خود کشی میں گرفتار ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ شخصی خود کشی میں اضافہ ہوگا اجتماعی اور معاشرتی خود کشی میں اس کے ضمنی اثرات میں سے ہوگی۔ اس سے دور حاضر کے مختلف مسائل میں آنے والے حوادث و انقلاب اس حقیقت کے شاہد مادل ہیں۔ چونکہ خداوند عالم اپنے بندوں پر مہربان ہے لہذا انہیں خطرے سے خبردار کرتا ہے تاکہ وہ ہوشیار اور چوکنے رہیں۔ کہیں غلط قسم کے مبادلات مال اور غیر صحیح اقتصادی نظام ان کے معاشرے کو نیست و نابود کر کے نہ رکھ دے۔

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَاِنَّهُ عَدُوٌّ لِّغُلَامِي وَلِغُلَامِي عَدُوٌّ لِّكَ

اور جو شخص اس حکم کو نہ مانے اور لوگوں کا ناحق مال لے کر گناہگار ہو یا خود کشی کی طرف بڑھے تو نہ صرف یہ کہ وہ اس جہان کی آگ میں جلیے گا بلکہ وہ تو غضب پروردگار کی آگ میں بھی جلیے گا اور یہ کام خدا کے لیے آسان ہے (وَلَا تَنْفَعُكَ دَعْوَاكَ) بشرِ عاشقِ ازمنہ و باقر

استثناہ منطق اکثر و بیشتر حکم عام کی حریت کی تاکیدی ہے تاکہ اس پر مطلق آیت مندرجہ بالا پر مطلق آتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس حقیقت کا بھی پتہ دیتا ہے کہ تعصبات باطل کی حرمت کے باوجود زندگی کی راہیں تمہارے لیے بند نہیں ہیں اور تم جائز تجارت کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کر سکتے ہو۔ تفسیر مجمع البیان آیت مذکورہ کے ذیل میں، نور الثقلین جلد اول صفحہ ۱۰۷ پر ملاحظہ فرمائیے۔

صلی اللہ علیہ وسلم اصل میں آگ کے قریب جانے کے سنی میں ہے۔ ہم آگ سے گرم ہونے، جلنے اور جلنے کو بھی صلی کہتے ہیں زیر بحث آیت میں یہ لفظ آگ میں داخل ہونے اور جلنے کے سنی میں ہے۔



۳۱۔ اِنْ تَجْتَلِبُوا كِبٰرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نَكْفُرْ عَنْكُمْ سَيَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ  
مُدْخَلًا كَرِيْمًا ۝

ترجمہ

۳۱۔ اگر تم ان گناہان کبیرہ سے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے بچو گے تو ہم تمہارے پھوٹے موٹے گناہوں کی پردہ پوشی کریں گے اور تمہیں نہایت عمدہ اور اچھی جگہ عنایت فرمائیں گے۔

تفسیر

گناہان کبیرہ و صغیرہ

اِنْ تَجْتَلِبُوا كِبٰرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نَكْفُرْ عَنْكُمْ سَيَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ

یہ آیت صراحت کے ساتھ اعلان کرتی ہے کہ اگر تم گناہان کبیرہ کو جن کی ممانعت کی جا چکی ہے چھوڑ دو، تو ہم تمہارے سہولت کی پردہ پوشی کریں گے اور تمہیں بخش دیں گے اور تمہیں بہت عطا کریں گے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گناہ دو قسم کے ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام قرآن نے کبیرہ رکھا ہے اور دوسری قسم کا "سہولت" اور سورہ فجر کی آیت ۲۰ میں سہولت کی بجائے "لعمریہ" فرمایا ہے اور سورہ کہف کی آیت ۴۹ میں کبیرہ کے مقابلے میں صغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ جہاں ارشاد ہوتا ہے:

لَا يَنْفَعُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا حِصَابُهَا

یہ اعمال نامہ کسی چھوٹے بڑے گناہ کو نہ بھولے گا اور اُسے ضرور شمار کرے گا۔

اس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ گناہ کی جانی پہچانی دو قسمیں ہیں کہ جن کو کبھی کبیرہ اور صغیرہ سے اور کبھی کبیرہ اور سہولت سے اور کبھی کبیرہ اور لم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ گناہ صغیرہ و کبیرہ کے تعین کے لیے کیا ضابطہ اور میزان ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں نسبتی امور ہیں یعنی جب دو گناہوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا جائے تو جس کی اہمیت زیادہ ہے وہ کبیرہ ہے اور جس کی کم حیثیت ہے وہ صغیرہ ہے۔ اس لیے ہر گناہ اپنے سے زیادہ بڑے گناہ کی نسبت سے گناہ صغیرہ ہوگا اور اپنے سے چھوٹے گناہ کی نسبت کبیرہ ہوگا۔ لیکن ہر گناہ کی معنی کسی طرح بھی زیر نظر آیت کے مطابق نہیں کیونکہ آیت نے

۱۔ ہم باروزن قسم اچھوٹے اور کم اہمیت والے گناہ کہتے ہیں۔

۲۔ ہر کسی کو جو نے صبح اعلان میں اسی حقیقت کی نسبت شہادت کی طرف دئی ہے وہ گناہ نہیں ہے کیونکہ ہر گناہ سے ملنا اور ان پر رکتے ہیں جس کی ہر طرف سے





وہ گڑبول کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے اور انہیں ایک دوسرے کے مد مقابل قرار دیا ہے اور ایک سے پرہیز کو دوسرے کی بخشش کا ذریعہ قرار دیا ہے (غور فرمائیے گا۔)

لیکن اگر کبیرہ کے لغوی معنی کو دیکھیں تو ہر وہ گناہ کبیرہ ہو گا جو اسلام کی نظر میں بڑا اور زیادہ اہم ہے اور اس کی اہمیت کی نشانی یہ ہو سکتی ہے کہ قرآن مجید نے صرف اس کی ممانعت پر قحطیت نہ کی جو بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عذاب جہنم کی دھمکی بھی جو مثلاً قتل زنا، سود خوری وغیرہ۔ اسی لیے روایات ابنی بیت میں ہے:

الکبائر الذی اوجب اللہ عز وجل علیہا النار

گناہان کبیرہ وہ ہیں جن پر خداوند عالم نے آگ کی سزا مقرر فرمائی ہے۔

اس حدیث کا مضمون حضرت امام باقر حضرت امام جعفر صادقؑ اور امام علیؑ بن موسیٰ رضاؑ سے منقول ہے۔ گناہان کبیرہ کو سمجھنے اور مذکورہ ضابطے کی روشنی میں انہیں پہچاننے کے بعد کام آسان ہو جاتا ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ روایات میں کبار کی تعداد سات اور بعض میں بین اور بعض میں شتر ہے جو کچھ ہم کہہ چکے ہیں وہی کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اصل میں ان روایات میں سے بعض پہلے درجہ کے گناہان کبیرہ کی طرف بعض دوسرے درجہ کے کبار کی طرف اور بعض سب گناہان کبیرہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

## ایک اشکال اور اس کی وضاحت

یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیت تو گناہان صغیرہ کی تشبیہ دلاتی ہے کیونکہ وہ کہتی ہے: گناہان کبیرہ کو ترک کرنے کے لیے گناہان صغیرہ کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔

اس آیت میں جس تعبیر کا ذکر کیا گیا ہے اس سے اعتراض کا جواب بخوبی واضح ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن فرماتا ہے: منکفر سکر سیتانکد اہم تھا ہے چھوٹے گناہوں کو چھپا دیں گے، یعنی گناہان کبیرہ سے پرہیز کرنا خصوصاً بنیادیں مضبوط ہونے کی صورت میں انسان میں تقویٰ ایک ایسی حالت پیدا کر دیتا ہے جو ممکن ہے چھوٹے گناہوں کے اثرات کو اس کے وجود سے دھو ڈالے۔ اصل میں یہ آیت اس طرح ہے:

ان الحسنات یذہبن السیئات

ہود: ۷۷

حسنات، سیئات کو ختم کر دیتے ہیں۔

زیر نظر آیت میں حقیقی نیک اعمال کے حقیقی آثار کی طرف اشارہ ہے اور یہ بالکل اس طرح سے ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ اگر انسان خطرناک زہریلے موٹے پرہیز کرے اور اس کی صحت بھی صحیح و سالم ہو تو صحت کی سلامتی کی وجہ سے بعض غیر مناسب غذاؤں کے ناپسندیدہ اثرات ختم ہو سکتے ہیں۔



## گناہ صغیر کس طرح گناہ کبیرہ میں تبدیل ہو جاتا ہے

اس موقع پر ہمیں ایک اہم نکتے کی طرف توجہ دینی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ گناہ صغیر اس صورت میں صغیر رہتا ہے جب اس میں تکرار نہ ہو علاوہ ازیں اسے معمول سمجھتے ہوئے، مزدور اور سرکشی کے طور پر نہ کیا جائے کیونکہ قرآن اور اسلامی روایات کے مطابق یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اکثر مواقع پر گناہان صغیر، گناہان کبیرہ میں بدل جاتے ہیں مثلاً

۱۔ جب انہیں بار بار کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

لا صغیرۃ مع الاصرار

کوئی گناہ بار بار کرنے سے گناہ صغیر نہیں رہتا بلکہ

۲۔ جب کسی گناہ کو چھوٹا اور معمول سمجھا جائے۔ چنانچہ بیچ ابلاغ میں ہے:

اشد الذنوب ما استهان بہ صاحبہ

سنت ترین گناہ وہ ہے جس کا کرنے والا اُسے چھوٹا سمجھے

۳۔ جب گناہ طغیان، تجبر اور حکم پروردگار کے سامنے سرکشی کے ادا سے کیا جائے۔ یہ بات مختلف آیات سے

اجمالی طور پر معلوم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ النجمت کی آیت ۳۷ میں ہے:

رے وہ لوگ جو سرکشی اور طغیان کریں، دنیاوی زندگی کو آخرت پر مقدم سمجھیں تو ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

۴۔ وہ گناہ جو ایسے افراد سے سرزد ہوں جو معاشرے میں ایک خاص مقام رکھتے ہوں اور ان کی لغزش دوسروں کے برابر

نہجی جاتی ہو۔ جیسے قرآن سورۃ احزاب میں ازواجِ پیغمبر کے بارے میں فرماتا ہے:

اگر تم کوئی بڑا کام کر دو گی تو اس کی سزا دینی پاؤ گی۔

اور حضرت رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من سبب نفسیۃ فعلیہ وزرہ ووزر من حمل بہا لا یفقص من اوزارہ شیعاً

اگر کوئی شخص بری سنت اور طریقے کی بنیاد رکھے تو اس کا گناہ اس پر ہو گا۔ اسی طرح ان تمام لوگوں کا گناہ

جی جو اس پر عمل کریں گے اس کے بغیر ان کے گناہ میں کچھ کمی ہو جائے

۵۔ جب اس گناہ کے کرنے پر غرض جو اور اس پر فخر کرے۔ جیسا کہ حضرت پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے:

من اذنب ذنباً وھو ضاحک دخل النار وھو باک

۱۔ اصول کافی جلد ۷ صفحہ ۷۸۸۔

۲۔ بیچ ابلاغ کلمات قصار۔

۳۔ مجتہب بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۶۱۔



جو شخص گناہ کرے اور پھر اس پر ہنسے تو وہ دوتے ہوئے جہنم کی آگ میں داخل ہوگا۔

۶۔ گناہ کے بعد فوراً سزا ملنے کو رضائے الہی کی دلیل ہے اور اپنے آپ کو سزا سے محفوظ اور بارگاہ الہی میں محبوب قرار دے

جیسا کہ قرآن مجید کی سورۃ مائدہ آیت ۸ میں ہے:

امفرو گناہگار اپنی طرف سے کہیں گے کہ خدا ہمیں کیوں سزا نہیں دیتا۔

اس کے بعد قرآن مزید فرماتا ہے:

ان کے لیے دوزخ کی آگ کافی ہے۔

۳۷۔ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۚ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَسَأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

ترجمہ

۳۷۔ جو فضیلت خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر دی ہے اس کی تم اور آرزو نہ کرو۔ یہ طبعی فرق تھا اسے معاشرے کے

نظام کی حفاظت کے لیے حقوق اور عدالت کے مابین مطابق ہے۔ لیکن اس کے باوجود مرد اس سے جو کسب و کسب

کرتے ہیں حصہ پاتے ہیں اور عورتیں جو کسب و کسب کرتی ہیں اس میں سے حصہ حاصل کرتی ہیں۔ کسی کے حقوق پامال

نہیں ہوئے پابنیں اور خدا سے اس کے فضل (اور رحمت و برکت) کا سوال کرتے رہو اور وہ خدا ہر چیز کو جانتا ہے۔

شان نزول

مشہور مفسر طبری بہ جامع البیان میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہؓ نے پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں عرض کیا:

جب مرد جہاد کے لیے جاتے ہیں تو عورتیں کیوں جہاد نہیں کر سکتیں اور ہمارے لیے آدمی میراث کیوں ہیں؟

کاش ہم بھی مرد ہوئیں اور ان کی طرح جہاد پر جاتیں اور معاشرے میں ان کی سی حیثیت رکھتیں۔

اس پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی جس کے ذریعے اس سوال اور ایسے ہی دوسرے سوالات کا جواب دیا گیا۔ تفسیر البیہار میں

ہے کہ جب میراث کی آیت نازل ہوئی اور اس نے مردوں کا حصہ عورتوں سے دوگن بتایا تو بعض مسلمان مرد کہنے لگے: کاش ہمارا

منویٰ اجر و ثواب ان کی طرح ہوتا اور بعض عورتوں نے کہا کہ کاش ہماری سزا اور عذاب بھی مردوں کی سزا سے آدمی ہوئی جس طرح

ہماری میراث ان کی نسبت آدمی سے ہے۔

اس پر آیت مندرجہ بالا نازل ہوئی اور انہیں جواب دیا گیا۔ یہی شان نزول تفسیر فی ظلال اور روح المعانی میں معمولی سے

## سُورَةُ انْبِيَاءٍ کی فضیلت

پیغمبر اسلامؐ سے اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں منقول ہے :

من قرأ سورة الانبياء حسبه الله حسابا يسيرا وصافحه وسلم  
عليه كل نبي ذكر اسمه في القرآن .

ہر شخص سورہ انبیاء کو پڑھے گا ، خدا اس کے حساب کو آسان کر دے گا اور قیامت  
اس کے اعمال کا حساب لینے میں سخت گیری نہیں کرے گا ، اور ہر وہ پیغمبر جس کا نام  
قرآن میں ذکر ہوا ہے وہ اس سے مصافحہ کرے گا اور ... اسے سلام کرے گا ۔

اور امام صادق علیہ السلام سے یہ منقول ہے :

من قرأ سورة الانبياء حبّالها كان ضمن رافق النبيين اجمعين  
في جنات النعيم ، وكان مهيأ في اعين الناس حياة الدنيا .

جو شخص سورہ انبیاء کو مشق و محنت کے ساتھ پڑھے گا وہ جنت کے رفعت یافتہوں میں  
تمام انبیاء کا رفیق اور ہم نشین ہوگا اور دنیا کی زندگی میں بھی لوگوں کی نگاہ میں باوقار ہوگا ۔

نظا "حبّالها" ( اس سورہ سے مشق و محنت رکھتے ہوئے ) درحقیقت ان روایات کے معنی کے سمجھنے کے لیے ایک کلید ہے

کہ جو قرآن کی سورتوں کی فضیلتوں کے سلسلے میں ہم تک پہنچی ہیں یعنی صرف الفاظ کا پڑھ لینا ہی مقصد نہیں ہے ، بلکہ اس کے معانی و مطالب  
سے محبت کرنا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ معنی و مفہوم سے محبت عمل کے بغیر کوئی معنی نہیں رکھتی ، اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں  
فلان سورہ کا عاشق ہوں اور اس کا عمل اس کے مفہیم کے خلاف ہو تو وہ جھوٹ بولتا ہے ۔

ہم نے بار بار کہا ہے کہ قرآن کتاب عقیدہ و عمل ہے اور اس کا پڑھنا مقدمہ اور تمہید ہے سمجھنے کے لیے اور سمجھنا مقدمہ ہے  
ایمان و عمل کے لیے ۔

۱۔ تفسیر نور الثقلین ج ۲ ، ص ۴۱۲ ۔

۲۔ تفسیر نور الثقلین ج ۲ ، ص ۴۱۲ ۔



## اس سورہ کے مضامین

۱۔ یہ سورہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، انبیاء کی سورت ہے کیونکہ اس میں سولہ انبیاء کے نام آئے ہیں بعض کے خاص خاص حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں اور بعض کا صرف ذکر ہے۔ اور وہ ہیں: موسیٰ، ہارون، ابراہیم، لوط، یونس، یسوع، داؤد، سلیمان، الیوب، اسمعیل، ادریس، ذوالکفل، ذوالنون (یونس)، زکریا اور عیسیٰ علیہم السلام۔ اس بنا پر اس سورہ کے اہم مباحث انبیاء کے پردگاموں کے بارے میں ہیں۔ علاوہ ازیں کچھ ایسے انبیاء بھی ہیں جن کے نام اس سورہ میں صراحت کے ساتھ نہیں لیے گئے لیکن ان کے بارے میں کچھ باتیں بیان ہوئی ہیں مثلاً پیغمبر اسلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

۲۔ اس کے علاوہ کئی سورتوں کی خصوصیت ہے کہ وہ عقائد دینی خصوصاً مبداء و معاد کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں۔ اس سورہ میں بھی بات پوری طرح موجود ہے۔

۳۔ اس سورہ میں خالق کی وحدت اور یہ کہ اس کے سوا اور کوئی معبود اور پیدا کرنے والا نہیں ہے نیز عالم ن پیدائش، مقصد اور پردگام کے مطابق ہونے اور اس ایمان پر حاکم قوانین کی وحدت اور اسی طرح حیات و موت کے سرچشمہ کی وحدت نیز موجودات کی فنا اور موت کے پردگام میں وحدت کے بارے میں بحث ہوئی ہے۔

۴۔ اس سورہ کے آہٹ حصہ میں حق کی باطل پر، توحید کی شرک پر، عدل و انصاف کے لشکر کی جنود اہل بیت پر کامیابی و کامرانی کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔

۵۔ یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ یہ سورہ غافل اور بے خبر لوگوں کو سختی کے ساتھ تنبیہ کرتے ہوئے حساب و کتاب سے شروع ہوتا ہے اور اس کے انتقام میں بھی اسی سلسلہ کی دوسری تنبیہیں ہیں۔

وہ انبیاء جن کے نام اس سورہ میں آئے ہیں ان میں سے بعض کی زندگی کا بیان اور ان کے تفصیلی پردگام دوسری سورتوں میں ذکر ہوئے ہیں لیکن اس سورہ میں زیادہ تر انبیاء کے حالات اس حصہ کا ذکر ہے کہ وہ جس وقت سخت قسم کی تنگی میں گرفتار ہوتے تھے تو وہ حق تعالیٰ کے دامن لطف کی طرف کس طرح سے دست توسل پھیلاتے تھے اور کس طرح سے خدا ان کے لیے بند دروازے کھول دیتا تھا اور طوفان و گرداب سے انہیں نجات بخشتا تھا۔

ابراہیم جب فرود کی آگ میں گرفتار ہوئے۔

یونس جب ہچکلی کے پیٹ میں چلے گئے۔

زکریا نے جب اپنی عمر کے آفتاب کو غروب ہونے کے قریب دیکھا، لیکن ان کا کوئی جانشین نہیں تھا کہ جو ان کے چکاروں کی تکمیل کرے۔

اور اسی طرح باقی انبیاء جب وہ سخت شکلات میں گھرے۔

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝
- ۲۔ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحَدَّثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝
- ۳۔ لَأَمِيَّةٌ قُلُوبُهُمْ وَأَسْرُوا الْعُبُودُ ۝ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۝ هَلْ لَئِذَا الْأَبْشَارُ مُشْلُكُكُمْ ۝ أَفَتَأْتُونَ السَّحَرَاءَ وَانْتُمْ تَبْصُرُونَ ۝
- ۴۔ قُلْ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۝ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝
- ۵۔ بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۝ بَلْ افْتَرَاهُ ۝ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۝ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ۝

### ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ لوگوں کا حساب کتاب ان کے نزدیک آچہ ہے لیکن وہ غفلت میں منہ پھیر رہے ہوئے ہیں۔
- ۲۔ جو کوئی بھی نئی نصیحت ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس آتی ہے وہ اسے کھیل سمجھتے ہیں اور مذاق اڑانے کے انداز میں اسے سننے ہیں۔
- ۳۔ (حالت یہ ہے کہ) ان کے دل کھیل اور بے خبری میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ ظالم چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں) کیا اس کے سوا کچھ اور بات ہے کہ یہ تم ہی جیسا ایک بشر ہے؟ کیا تم دیکھتے بھالکتے جادو کے پاس جاتے ہو؟
- ۴۔ (لیکن پیغمبر نے) کہا: میرا پروردگار آسمان اور زمین کی ہر بات جانتا ہے اور وہ (بڑا) سننے والا اور جاننے والا ہے۔
- ۵۔ انہوں نے کہا: (جو کچھ محمدؐ لایا ہے یہ وحی نہیں ہے بلکہ یہ پریشانی خواب و خیال ہیں بھگے اُس نے دل سے جھوٹ گزر کے خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ بلکہ وہ ایک شاعر ہے۔) اگر وہ سچا ہے تو ہمارے لیے ایسا ہی ایک خبر نہ لائے



جیسے مجھ سے پہلے انبیاء کو دے کر بھیجا گیا تھا۔

## تفسیر

### طرح طرح کے بہانے :

یہ سورہ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے تمام لوگوں کے لیے ایک سخت تنبیہ کے ساتھ شروع ہوتی ہے ایک بلا مینے والی اور بیدار کن تنبیہ۔ فرمایا گیا ہے : لوگوں کا حساب ان کے قریب آپہنچا ہے۔ حالانکہ وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور منہ کوڑے ہونے ہیں ! اقترِبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ۔

ان کا اہل اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس غفلت اور بے خبری نے ان کے سارے وجود کو اپنی گرفت میں لیا ہو لینے اور نہ یہ بات کیسے ممکن ہو سکتی ہے کہ انسان حساب کے نزدیک ہونے پر ایمان رکھتا ہو۔ وہ بھی انتہائی دقیق حساب۔ اور ہر وہ تمام مسائل کو سمجھ سیکھے اور ہر قسم کے گناہ میں آلودہ ہو۔

لفظ "اقترِبَ" میں "قرب" کی نسبت کہیں زیادہ تاکید پائی جاتی ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ حساب بہت ہی نزدیک آگیا ہے۔

ناس کی تعبیر اگرچہ ظاہری طور پر عام لوگوں کے لیے آئی ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ سب کے سب غفلت میں ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ ہمیشہ جب بھی عمومی بات ہوگی تو اس میں اشتراک بھی ہوگا۔ اور یہاں ایسے بیدار دل لوگوں کو کہ جو ہمیشہ حساب کی فکر میں رہتے ہیں اور اس کے لیے آمادہ و تیار ہوتے ہیں اس حکم سے مستثنیٰ سمجھنا چاہیئے۔

یہ بات خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ حساب لوگوں کے نزدیک ہو رہا ہے۔ نہ کہ لوگ حساب کے۔ گویا حساب تیزی کے ساتھ لوگوں کی طرف دوڑ رہا ہے۔

ضمنی طور پر "غفلت" اور "اعراض" کے درمیان فرق ممکن ہے اس لحاظ سے ہو کہ وہ حساب کے نزدیک ہونے سے غافل ہیں اور یہ غفلت اس بات کا سبب بنتی ہے کہ وہ حق کی آیات سے زبردستی کریں۔ درحقیقت "حساب سے غفلت" علت ہے اور "آیات حق سے اعراض" اس کا معلول ہے یا اس عظیم عدالت میں جواب دینے کے لیے آفاق سے اور خود حساب سے اعراض مل رہے یعنی چونکہ غافل ہیں لہذا اپنے آپ کو حساب کے لیے آمادہ نہیں کرتے اور زبردستی کرتے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حساب کا نزدیک ہونا اور قیامت کس معنی میں ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے کہ باقی ماندہ دنیا گزشتہ کے مقابلہ میں کم ہے۔ تو اس بنا پر قیامت نزدیک ہوگی یعنی گزشتہ کی نسبت نزدیک خاص طور پر جبکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ منقول ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا :

بَعَثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ

میری بعثت اور قیامت ان دونوں (انگلیوں) کی طرح ہے (شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو ایک





دوسرے سے ملی جلتی ہیں۔

بعض دوسروں نے کہا ہے کہ یہ تعبیر قیامت کے (حتمی طور پر واقع) ہونے کی بنا پر ہے۔ جیسا کہ عربوں کی مشہور ضرب المثل میں کہا جاتا ہے کہ :

### حکل ما هو ات قریب

جو چیز قطعی و یقینی طور پر آکر رہے گی، وہ قریب ہے

اس کے باوجود یہ دونوں تفسیریں آپس میں ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں۔ لہذا ممکن ہے دونوں نکات کی طرف اشارہ ہو۔ بعض مفسرین مثلاً قرطبی نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ یہاں ”حساب“ قیامت صغریٰ، یعنی موت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ موت کے وقت بھی کچھ نہ کچھ محاسب ہوتا ہے اور انسان کو اس کے اعمال کا کچھ بدلہ دیا جاتا ہے۔<sup>۱</sup> لیکن زیر بحث آیت ظاہراً قیامت کبریٰ کی طرف راجع نظر آتی ہے۔

بعد والی آیت ان کے اعراض اور زدکردانیوں کی ایک نشانی کو اس صورت میں بیان کرتی ہے : ان کے رب کی جو بھی کوئی نئی نصیحت اور یاد دہانی ان کے پاس آتی ہے، وہ اسے کھیل اور مذاق کے ٹوڈ میں سنتے ہیں : **ما یأتینہم من ذکر من ربہم و یحذرون الا استمعوه و هو یلعبون**۔

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ کسی سورہ یا آیت - اور پھر دغا کی طرف سے کسی بھی بیدار کرنے والی بات پر سمجھگی سے سوچیں اور کچھ اس پر غور و فکر کریں اور کم از کم یہ احتمال ہی کر لیں کہ یہ بات ان کی زندگی اور مستقبل پر اثر کرنے والی ہوگی۔ وہ نہ تو خدا کی طرف سے نیا ایسے جاننے کی فکر کرتے ہیں اور نہ ہی پروردگار کی تنبیہوں کی۔

اصولی طور پر جاہل، مستحیر اور خود غرض لوگوں کی ایک بد بختی یہ ہے کہ ہمیشہ خیر خواہی کرنے والوں کی ہند و ناصح کا مذاق اڑاتے ہیں اور یہی بات اس کا سبب بن جاتی ہے کہ وہ ہرگز خواب غفلت سے بیدار نہ ہوں جبکہ ایک مرتبہ بھی وہ سمجھدگی کے ساتھ اس پر غور کرنا تو ہو سکتا ہے کہ ان کی زندگی کا راستہ اس کے تبدیل ہو جائے۔

زیر بحث آیت میں لفظ ”ذکر“ ہر بیدار کرنے والی بات کی طرف اشارہ ہے اور ”محدث“ (نیا اور جدید) کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آسمانی کتابیں یکے بعد دیگرے نازل ہوتی ہیں اور قرآنی سورتیں اور اس کی آیتیں ہر ایک تازہ بہ تازہ اور نئے نئے مفاسم و مضامین لیے ہوتے ہوتی ہیں کہ جو مختلف اشراغیہ طریقوں سے غافلوں کو بیدار کرتی ہیں لیکن ان لوگوں کے لیے کیا فائدہ کہ جو ان سب کا مذاق اڑاتے ہیں۔

لکڑہ نئی چیزوں سے وحشت رکھتے ہیں۔ وہ انہی قدیم خرافات پر کہ جو انہیں اپنے بڑوں سے ورثہ میں ملی ہیں، خوش ہیں گویا انہوں نے ہمیشہ کے لیے یہ عہد کر لیا ہے کہ وہ ہر نئی حقیقت کی مخالفت کریں گے۔ جبکہ قانون ارتقا کی بنیاد اس بات پر ہے کہ انسان کو ہر روز تازہ بہ تازہ اور نئے سے نئے مسائل کا سامنا ہو۔

۱۔ کچھ البسیان آیات زیر بحث کے ذیل ہیں۔

۲۔ تفسیر قرطبی، جلد ۶، ص ۱۴۱۔



پھر مزید تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے : وہ ایسی حالت میں ہیں کہ ان کے دل لہو و لعب اور بے خبری میں ڈوبے ہوئے ہیں :  
(لاہیۃ قلوبہم)۔

کیونکہ وہ تمام حکم اور سببہ مسائل کو ظاہری لحاظ سے شونی اور لہو و لعب سمجھتے ہیں۔  
(یسیا کہ لفظ "یلعبون" فعل مضارع اور مطلق صورت میں، اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے) اور باطنی لحاظ سے غفلت میں ڈالنے والے فضول مسائل کے ساتھ لہو و لعب اور لکڑی مشغولیت میں پھنسے ہوئے ہیں۔  
اور یہ امر فطری اور طبعی ہے کہ ایسے افراد ہرگز راہ سعادت نہیں پاسکتے۔  
اس کے بعد ان کے شیطانی منصوبوں کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے :  
یہ ظالم سازش پر مبنی اپنی سرگوشیاں چھپاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تم ہی عیسایک عام بشر ہے : (واسرُوا الضُّلَّی الَّذِیْنَ ظَلَمُوا هَلْ هَذَا الْاَبَشَرُ مِمَّا ظَلَمُوا)۔

جبکہ وہ ایک عام بشر سے زیادہ نہیں ہے، تو لہذا اس کے یہ خارق عادت کام اور اس کی بات کی اثر پذیری جادو کے سرا کہ نہیں۔ تو کیا تم جادو کے پیچھے جلتے ہو، حالانکہ تم (یہ سب کچھ) دیکھ رہے ہو : (اَفَتَأْتُونَ الْحَسْرَةَ وَاَنْتُمْ تَبْصُرُونَ)۔  
ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور اس وقت دشمنان اسلام بہت طاقتور تھے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ضرورت تھی کہ وہ اپنی باتوں کو چھپائیں، یہاں تک کہ اپنی سرگوشیوں کو بھی (اس بات پر توجہ دے کہ قرآن یہ کہتا ہے کہ وہ اپنی سرگوشیوں کو مخفی رکھتے تھے)۔

لیکن ہے یہ اس بنا پر ہو کہ وہ جن مسائل میں کہ جو کسی سازش اور منصوبہ بندی کا پہلو رکھتے تھے، مشورہ کرتے ہوں تاکہ عام لوگوں کے سامنے ایک ہی منصوبہ کے ماتحت پیلیز اکرم کا مقابلہ کریں۔  
علاوہ ازیں وہ قدرت و طاقت کے لحاظ سے تو سدا آگے تھے لیکن مطلق اور نفوذ کلام کی قدرت کے لحاظ سے پیلیز اکرم اور مسلمانوں کو برتری حاصل تھی۔ اور یہی برتری اس علت کا سبب بنتی تھی کہ وہ پیلیز اکرم کے مقابلہ کے لیے جمل باتیں گھڑتے مل بیٹھ کر خفیہ مشورے کرتے تھے۔

بہر حال وہ اپنی اس گمشکو میں دو چیزوں کا سہارا لیتے تھے۔ ایک رسول اللہ کا بشر ہونا اور دوسرے ان کی طرف جادو کی نسبت دینا۔  
اور بعد کی آیات میں جو اور چیزیں انہوں نے لفظ منسوب کہیں ان کا ذکر ہی آئے گا۔ قرآن ان کا بھی جواب دیتا ہے۔

♦

♦

♦

لیکن پہلے قرآن کلی صورت میں رسول اکرم کی زبان سے اس طرح جواب دیتا ہے :  
سیرا پر دو گار ہر بات کو جانتا ہے چاہے وہ آسمان میں ہو یا زمین میں (قَالَ رَبِّیْ عَلَمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ)۔

۱۔ عربی ادب میں معلول ہے کہ اگر قائل اسم ظاہر ہو تو فعل منسوب لایا جاتا ہے لیکن یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ بعض اوقات خاص مغل واسباب کی بنا پر فعل کو جمع کی شکل میں اور قائل کو اسم ظاہر ہوتے ہیں۔ "واسرُوا الضُّلَّی الَّذِیْنَ ظَلَمُوا" کا جملہ بھی اسی نوعیت کا ہے۔



یہ تصور نہ کرنا کہ تمہاری محنتی باتیں اور پوشیدہ سازشیں اُس پر مخفی ہیں۔ کیونکہ ”وہ سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے“ (وہ سميع العليم)۔

وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے اور تمام کاموں سے باخبر ہے۔ نہ صرف وہ باتوں کو سنتا ہے بلکہ وہ ان خیالات و تصورات کو بھی جو ان کے ذہنوں میں گزرتے ہیں اور ان ارادوں کو بھی کہ جو ان کے سینوں میں چھپے ہوئے ہیں جانتا ہے۔

مناہین کی بہانہ بازیوں کی دو قسموں کا بیان کرنے کے بعد ان بہانہ بازیوں کی دوسری چار قسموں کا ذکر شروع کرتے ہوئے قرآن اس طرح کہتا ہے: انہوں نے کہا کہ پیغمبر جو کچھ وحی کے عزائم سے لایا ہے۔ یہ پریشان خوابوں اور پرانے خیالوں کے سوا کچھ بھی نہیں کہ جنہیں وہ حقیقت اور واقعیت سمجھ رہا ہے۔ (بل قالوا اضغاث احلام)۔

اور کبھی اپنی اس بات کو بدل کر کہتے ہیں کہ: ”وہ جھوٹا آدمی ہے اور اس نے خدا سے یہ باتیں جھوٹ منسوب کی ہیں (بل افتران) اور کبھی کہتے ہیں کہ: ”نہیں وہ تو ایک شاعر ہے“ اور یہ باتیں اس کے شاعرانہ خیالات کا مجموعہ ہیں (بل هو شاعر) اور آخری مرحلہ میں کہتے ہیں کہ اگر ہم ان تمام باتوں کو چھوڑ دیں پھر بھی اگر وہ سچی کہتا ہے کہ وہ خدا کا جیسا ہوا (رسول) ہے تو ہمارے لیے کوئی معجزہ دے کر آئے جیسا کہ گزشتہ انبیاء معجزات کے ساتھ جیسے گئے تھے۔ (اھلایا تبا یا بایۃ حکما ارسل الیہ اولوا رسول اللہ کی طرف ان چیزوں کی نسبت جو ایک دوسرے کی نفی اور ضد میں کا ”خالعہ اور تحقیق خود اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ وہ لوگ حق طلب اور حقیقت کے متلاشی نہیں تھے بلکہ ان کا مقصد بہانہ جوئی اور تریف کو ہر قیمت اور ہر صورت میں میدان سے باہر نکالنا تھا۔

کبھی جادوگر کہتے، کبھی شاعر، کبھی مغربی اور کبھی (معاذ اللہ) خیالی دنیا میں بسنے والا ایک شخص کہ جو اپنے خواب پریشان کو وحی کہنے لگا ہے۔

اگر ہمارے پاس ان کی باتوں کو باطل کرنے کے لیے ان کی دوسری دھڑکی ان منقش باتوں کے علاوہ اور کوئی بھی دلیل نہ ہوتی تو ان کے باطل ہونے کے لیے یہی کافی تھیں لیکن بعد کی آیات میں ہم دیکھیں گے کہ قرآن دوسرے طریقوں سے بھی انہیں قاطع جواب دیتا ہے۔

## ایک نکتہ:

کیا قرآن حادث ہے؟ بعض مغربی نے ان آیات کے ذیل میں لفظ ”محدث“ کی مناسبت سے کہہ کر جو دوسری ذیل بحث آیت میں ہے ”کلام اللہ“ کے حادث یا قدیم ہونے کے بارے میں بہت بحث کی ہے۔ یہ وہی مسئلہ ہے کہ

۱۔ ”اضغاث“، جمع ”ضغث“ (بروزن ”رمن“) خشک گھڑیوں یا گھاس وغیرہ کے گٹھے کے معنی میں ہے۔

۲۔ ”احلام“ جمع ہے ”حلم“ کی (بروزن ”نم“) خواب اور رویا کے معنی میں اور چونکہ کڑی وغیرہ کے گٹھوں کو اکٹھا کرنے کے لیے بھری ہوئی چیزوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھتے ہیں اس لیے اس تعبیر کا خواب پریشان پر بھی اطلاق ہوا ہے۔



جو خلفاء اپنی عباس کے زمانہ میں سالہا سال تک بحث و تنقید کا موضوع بنا رہا اور جس نے ایک طویل مدت تک بہت سے علماء کو الجھائے رکھا۔

لیکن ہم موجودہ زمانہ میں اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ یہ بحث زیادہ تر سیاسی پہلو رکھتی تھی۔ حکمران چاہتے تھے کہ علماء کو آپس میں الجھائے رکھیں اور انسانی اور بنیادی مسائل کو جو وضع حکومت اور لوگوں کے طرز زندگی اور اسلام کے اصلی تقاضوں سے تعلق رکھتے ہیں سے توجہ ہٹائے رکھیں۔

موجودہ زمانے میں ہمارے لیے یہ بات بڑے طور پر واضح ہے کہ اگر ”کلام اللہ“ سے مراد اس کا معنی و مفہوم ہے، تو وہ قطعی طور پر قدیم ہے یعنی ہمیشہ وہ علم خدا تھا اور خدا کا علم ہمیشہ سے اس پر محیط ہے۔

اور اگر اس سے مراد یہ الفاظ اور یہ علامات اور یہ وحی ہے کہ جو ”خبر اکرم“ پر نازل ہوئی، تو وہ بلاشبک و شبہ ”عادت“ ہے۔ کون عاقل یہ کہتا ہے کہ الفاظ و علامات انہی ہیں یا پیغمبر پر وحی کا نزول اور بعثت کے آغاز سے نہیں ہوا۔ لہذا آپ ملاحظہ کریں گے کہ ہم بحث کو جس طاق سے جی لیں مسئلہ روز روشن کی حالت واضح ہے۔

دوسرے الفاظ میں قرآن الفاظ بھی کہتا ہے اور معانی بھی۔ اس کے الفاظ قطعا و یقیناً ”عادت“ ہیں اور اس کے معانی قطعا و یقیناً ”قدیم“ ہیں۔ لہذا کہیں نہ کہانی اور بحث و مباحثہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اور پھر یہ بحث اسلامی معاشرے کی کوئی بھی ”عادت“ نہیں ہے۔ سیاسی اور اخلاقی شکل کو مل کر لیتے ہیں۔ حیرت ہے کہ بعض مفسرین نے نگار اور سازشی حکام اور بادشاہوں کی قریب کاریوں سے دھوکا کھینچ لیا۔

لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ بعض افراد اہل بیتؑ نے اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے واضح اور علمی طور پر انہیں خبردار کیا ہے کہ وہ اس قسم کی بحثوں سے پرہیز کریں۔

۶۔ مَا آمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ۝

۷۔ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ فَسَلُّوا أَعْلَالَ الذِّكْرِ

إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

۸۔ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَداً لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا

خَالِدِينَ ۝

۹۔ تَتَوَصَّدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَأَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَشَاءُ ۝



## اَمْلَكُنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝

۱۔ لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ؕ

### ترجمہ

- ۶۔ تمام آبادیاں کہ جنہیں ہم نے ان سے پہلے بلاک کیا، انہوں نے جی طرح طرح کے ہجرات کا تقاضا کیا تھا اور ان کے مطالبات کے مطابق ہجرات دکھا دیئے گئے تھے لیکن، وہ ہرگز ایمان نہ لائے۔ تو کیا یہ ایمان لے آئیں گے؟
- ۷۔ ہم نے تجھ سے پہلے (بھی) مرد ہی بھیجے کہ جن کی طرف ہم وہی کیا کرتے تھے۔ ۱ وہ سب کے سب انسان ہی تھے اور نوع بشر ہیں سے تھے، اگر تم نہیں جانتے تو جاننے والوں سے پوچھ لو۔
- ۸۔ ہم نے انہیں ایسے ہمسے نہ دیئے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ عمر جاوداں رکھتے تھے۔
- ۹۔ اس کے بعد ہر دعوہ ہم نے ان سے کیا تھا اس کی ہم نے وفا کی، انہیں اور جس جس کو ہم پکارتے تھے ۱ ان کے دشمنوں کے چنل سے) نجات دی اور زیادت کر کے دالے کو ہم نے بھوک کر دیا۔
- ۱۰۔ ہم نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے کہ جس میں تمہارے لیے نصیحت ۱ اور ہدایتی، کا وسیلہ موجود ہے۔ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے۔

### تفسیر

## تمام پیغمبر نوع بشر میں سے تھے :

گزشتہ آیات میں دشمنان اسلام کی طرف سے ایسے چھ اعتراضات کا ذکر تھا کہ ہر ایک دوسرے کی ضد اور نفیض ہیں۔ زیر بحث آیات انہیں کا جواب دے رہی ہیں۔ ان میں کہیں کلی صمدت میں اور کہیں کسی خاص مسئلے کے اعتبار سے جواب دیا گیا ہے۔

پہلی زیر بحث آیت ان کے من پسند ہجرات طلب کرنے کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ اور کہتی ہے، تمام شر اور آباراں کہ جنہیں ہم نے ان سے پہلے بلاک کیا ہے، انہوں نے بھی اسی قسم کے ہجرات کا تقاضا کیا تھا لیکن جب ان کے مطالبات پورے کر دیئے گئے تو وہ پھر بھی ایمان نہ لائے۔ تو کیا یہ ایمان لے آئیں گے (ما امنت قریۃ املکناھا افسر یومنون)۔

اس ضمن میں انہیں خبردار کیا گیا ہے کہ اگر اتنی ہی ہجرات کے مسئلے میں تمہارے تقاضے کو پورا کر دیا جائے اور پھر بھی تم ایمان نہ لاؤ، تو تمہاری تباہی و تالوہی حتمی و یقینی ہو جائے گی۔

۱۔ من پسند کے ہجرات کو اصطلاح میں "اقتراحی ہجرات" کہتے ہیں۔ ان ہجرات کا تقاضا حقیقت بہ انسان کے طو پر تھا۔



آیت کی تفسیر میں یہ قتال بھی موجود ہے کہ قرآن اس آیت میں ان کے تمام ایسے اعتراضات کی طرف کہ جو ایک دوسرے کی ضد اور تقیض ہیں اشارہ کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ سچے پیغمبروں کی دعوت کے سلسلے میں اس طرح کی ٹھکر کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بہت دیر اور صدی افراد ہمیشہ ہی اسی قسم کے بہانوں کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اور آخر کار ان کا انجام بھی سوائے کفر کے اور اس کے بعد ان کی ہلاکت اور دردناک عذاب الہی کے اور کچھ نہیں ہوتا تھا

۱۔ وال آیت ان کے سب سے پہلے اعتراض کا خصوصیت سے جواب دے رہی ہے۔ یہ اعتراض پیغمبر کے بشر ہونے کے سلسلے میں تھا۔ آیت کہتی ہے تو یہی نہیں کہ پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ انسان بھی ہے بلکہ تمام کے تمام پیغمبر جو تجھ سے پہلے آئے ہیں وہ سب کے سب مرد ہی تو تھے کہ جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے (وما ارسلنا قبلك الا رجالا انوحا اليہم)۔ یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے کہ جسے سب لوگ جانتے ہیں اور اس سے آگاہ ہیں اور اگر تم نہیں جانتے تو جو آگاہ ہیں ان سے پوچھ لو ۱۰ فاستلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون)۔

### اہل ذکر کون ہیں؟

اس میں شک نہیں کہ ”اہل ذکر“ لغوی مفہوم کے لحاظ سے تمام آگاہ اور باخبر افراد کے لیے بولا جاتا ہے اور زیر نظر آیت ”بہا بل کے عالم کی طرف رجوع کرنے“ کے ایک کلی قانون کو بیان کر رہی ہے۔ اگرچہ موقع کے لحاظ سے آیت کا مصداق علماء اہل کتاب ہی تھے۔ لیکن یہ بات قانون کی کلیت میں مانع نہیں ہے۔ اسی بنا پر علماء اور فقہائے اسلام نے اس آیت سے ”مجتہدین اسلام کی تقلید کرنے کے جواز کے“ مسئلہ میں استدلال کیا ہے اور اگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان روایات میں کہ جو اہل بیت کی طرف سے ہم تک پہنچی ہیں اہل ذکر کی علی علیہ السلام یا تمام آلِ اہل بیت سے تفسیر کی گئی ہے تو یہ منہج ہونے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ یہ اس قانون کی کے واضح ترین مصداق کا بیان ہے۔ اس سلسلے میں مزید دلائل کے لیے سورہ نحل کی آیہ ۶۳ کی تفسیر کا مطالعہ فرمائیں۔

بعد والی آیت انبیاء کے بشر ہونے کے سلسلے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتی ہے: ہم نے پیغمبروں کو ایسے جسم نہیں دیے تھے کہ جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور وہ ہرگز عمر جاوداں بھی نہیں رکھتے تھے (وما حملناہم وجدا لا یاکلون الطعام وما کانوا خالداً)۔

”لا یاکلون الطعام“ کا جملہ اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ جو قرآن میں دوسرے مقام پر اسی اعتراض کے سلسلے میں آئی ہے:

”وقلوا ما لہذا الرسول یاکل الطعام ویشی فی الاسواق“



۳۶۔ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي  
الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ  
وَالصَّاحِبِ بِالْجَنُبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ  
اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَلًا فَخُورًا ۝

ترجمہ

۳۶ اور خدا کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور ماں باپ سے نیکی کرو۔ (اسی طرح) برشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، نزدیکی اور دور کے ڑوسیوں، ساتھیوں اور خراج نہ کئے والے مسافروں کے ساتھ اور ان غلاموں سے جن کے تم مالک ہو نیکی کرو۔ کیونکہ خداوند عالم اس شخص کو جو تکبر اور گھمنڈ کرنے والا ہو (اور دوسروں کا حق ادا نہ کرے) دوست نہیں رکھتا۔

تفسیر

خداوند عالم مندرجہ بالا آیت میں حقوق اسلامی کے ایک اور سلسلے کو بیان کرتا ہے ان میں خدا کے حقوق، بندوں کے حقوق یا لوگوں سے معاشرت کے آداب شامل ہیں۔ مجموعی طور پر اسی آیت سے دس احکامات اور قاعدوں کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا

قرآن سب سے پہلے لوگوں کو خدا کی عبادت کرنے اور شرک و بت پرستی ترک کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ جو تمام اسلامی احکامات کی جڑ ہے۔ توحید باری کی دعوت روح کو پاکیزگی کو خالص، مادہ کو قوی اور ہر ضعیفہ منصوبہ انجام دینے کا ارادہ مضبوط کرتی ہے۔ چونکہ یہ آیت اسلامی حقوق کا ایک سلسلہ بیان کر رہی ہے تو سب سے پہلے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اس طے شدہ اشارہ کرتے ہوئے تاکید کرتی ہے کہ خدا کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔

۲۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا

اس کے بعد ماں باپ کے حق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نصیحت کرتی ہے کہ ان کے ساتھ نیکی کرو۔ ماں باپ کا حق ایسے مسائل میں سے ہے جن کا قرآن میں اکثر ذکر کیا گیا ہے۔ شاید ہی کوئی مرد یہ ہو جس کی اس قدر تاکید کی گئی ہو۔ یہ بات قرآن میں چار مقامات پر توحید کے ذکر کے فوراً بعد آئی ہے۔

۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳ اور زیر نظر آیت۔





اس بار بار کے تذکرہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی رابطہ اور واسطہ ہے و حقیقت ایسا ہی ہے۔ کیونکہ سب سے بڑی نعمت تو زندگی کی نعمت ہے جو اللہ کی طرف سے پہلے درجہ میں ہے اور بعد کی منازل میں ماں باپ سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اولاد ماں باپ کے وجود کا ایک حصہ ہے۔ اسی لیے ماں باپ کے حقوق کو چھوڑ دینا خداوند عالم کے شرک کے برابر ہے۔ ماں باپ کے حقوق کے بارے میں مفصل بحث ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ سورہ اسراء اور سورہ لقمان کی متعلقہ آیات کے ذیل میں آئے گی۔

۲۔ وبذی القربی

اس کے بعد تمام رشتہ داروں سے نیکی کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہ بھی ایسے مسائل میں سے ہے جن کے متعلق بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ کسی مزدورم کے خزانے سے اور کسی ان سے نیکی اور احسان کے ذیل میں۔ حقیقت میں اسلام یہ چاہتا ہے کہ فروع انسانی کے وسیع شے میں کچھ زیادہ مضبوط شے استوار کرے یہ رشتے چوٹی چوٹی اکائیوں اور زیادہ تر ہم شکل اکائیوں میں موجود ہیں جنہیں عرف عام میں کنبہ اور خاندان کہتے ہیں یہ اس لیے ہے تاکہ مشکلات اور حادثات میں وہ ایک دوسرے کی مدد کریں اور اپنے حقوق کی حفاظت کریں۔

۳۔ والیتانی

اس کے بعد اہل ایمان کو یتیموں کے حقوق کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ان کے حق میں نیکی کرنے کی وصیت کی گئی ہے کیونکہ ہر معاشرے میں طرح طرح کے حادثات کے نتیجے میں ہمیشہ بچے یتیم ہوتے رہتے ہیں۔ جنہیں نظر انداز کر دینا عرف انہیں خطرے میں ڈالتا ہے بلکہ معاشرے کو بھی خطرے سے دوچار کرنا ہے۔ کیونکہ اگر یتیم بچوں کی سرپرستی نہ کی جائے اور ان سے ناظر خواہ ہمدردی اور محبت کا سلوک نہ کیا جائے تو وہ بے ہودہ، خطرناک اور چوڑا کو بن سکتے ہیں۔ بنا بریں یتیموں کے ساتھ نیکی معاشرے کے اپنے حق میں ہے۔

۵۔ والساکین

اس کے بعد مزدور متندوں کے حقوق کی یاد دہانی کروائی گئی ہے۔ کیونکہ ایک صحت مند عاقلانہ معاشرہ میں بھی لاپرواہ نتائج لوگ ہو سکتے ہیں جنہیں نظر انداز کر دینا تمام انسانی اصولوں کے خلاف ہے اور اگر اجتماعی اصول مدالت سے انحراف کی صورت سے صحیح سام لوگ غروفاقہ اور غروصیت میں جتنا جو بائیں، پھر بھی ایسے معاشرے کی اصلاح کے لیے آٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔

۶۔ والجاردی القربی

اس کے بعد نزدیک کے ہمسایوں کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت کی گئی ہے۔ اس کے متعلق کر نزدیک کے ہمسائے کون ہیں مفسرین نے مختلف احتمالات پیش کیے ہیں۔ بعض نے اس کے یہ معنی لیے ہیں کہ جو ہمسائے رشتہ دار بھی ہوں۔ لیکن یہ تفسیر اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ آیت میں رشتہ داروں کے حقوق کی طرف الگ سے اشارہ ہو چکا ہے، بعید دکھائی دیتی ہے۔ بلکہ مزدوری مکان کی نزدیکی ہے۔ کیونکہ جو ہمسائے زیادہ قریب ہیں ان کے حقوق اور احترام زیادہ ہے یا وہ ہمسائے مزدور ہیں جو دین و مذہب کے لحاظ سے زیادہ قریب ہوں۔

۷۔ والجاردی الجنب



اس کے بعد دور کے پڑوسیوں کی سفارش کی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم تحریر کر چکے ہیں اس سے مکان کی دوری مراد ہے کیونکہ کئی ایک روایتوں کے مطابق پاؤں طرف کے پائیس گھر پڑوسی گئے اور سبے جاتے ہیں۔ اس طرح تمام شہر چھوٹے چھوٹے شہروں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر ایک شخص کے گھر کو دائرے کا ایسا مرکز فرض کریں جس کا نصف قطر ہر طرف سے پائیس گھروں پر محیط ہو تو ایسے دائرے کی پیمائش ایک محل سے حساب سے واضح ہو جاتی ہے تقریباً پانچ ہزار مکانات اس حصے میں آئیں گے۔ یہ ظاہر ہے اور تسلیم شدہ ہے کہ ایک چھوٹے شہر میں اس سے زیادہ گھر نہیں ہوتے۔

قابل توجہ امر یہ ہے کہ مندرجہ بالا آیت قرآنی میں نزدیک کے بسایوں کے ذکر کے علاوہ دور کے بسایوں کے حق کی بھی تشریح اور وضاحت کی گئی ہے کیونکہ لفظ بسایہ کا ایک تو محدود مفہوم ہے جو صرف نزدیک کے پڑوسیوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ بسایہ نظریہ کے مطابق اس مفہوم کو پھیلانے کے لیے اس کے سوا کوئی پارہ دھکا کہ دور کے بسایوں کا نام بھی مرحمت کے ساتھ لیا جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دور کے بسایوں سے مراد غیر مسلم ہوں۔ کیونکہ بسائیگی اسلام میں مسلمان پڑوسیوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس مفہوم میں غیر مسلم بھی شامل ہیں مگر وہ جو مسلمانوں سے برسرِ عیار نہ ہوں دی ای میں آتے ہیں۔

اسلام میں حق بسائیگی اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ حضرت امیر المومنین علیؑ کی مشہور وصیتوں میں ہے:

ملا زال رسول اللہ یموتی بھم حلی طنتنا انہ سیود لہم

پنہیز اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں اس قدر سفارش فرمائی کہ میں یہ لگان ہونے لگا

کہ شاید آپؐ یہ حکم فرمائیں کہ جس نے ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

یہ حدیث اہل سنت کی مشہور کتب میں بھی ہے چنانچہ تفسیر المنار اور تفسیر قرطبی میں بخاری سے یہی مضمون نقل کیا گیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے ایک دن تین مرتبہ فرمایا:

واللہ لا یؤمن۔۔۔۔۔

ایسا شخص ایماندار نہیں ہے۔

کسی نے پوچھا کہ نا شخص تو حضورؐ نے فرمایا:

الذی لا یأمن جارہ حیوانہ

جس کا بسایہ اس سے تکلیف میں ہوتا ہے

ایک اور حدیث میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیحسن الی جارہ

جو شخص خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ نیکی کرے

۱۵ نور الثقلین جلد اول صفحہ ۸۰۔

۱۶ تفسیر قرطبی جلد سوم صفحہ ۱۷۵۔

۱۷ المنار جلد پنجم صفحہ ۹۷ طبع بیروت۔



اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپ نے فرمایا:

حسن الجوار یعمّر الدیار و یشد فی الاعمار۔

ہمسایوں کا ایک دوسرے سے نیکی کرنا گھروں کو آباد کرتا ہے اور عرصے بڑھاتا ہے۔

اس مائتھی اور مشینی دور میں پڑوسی ایک دوسرے کے عام حالات بھی نہیں جانتے بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو ہمسائے ایک دوسرے کے ساتھ جیس جیس سال رہنے کے باوجود ایک دوسرے کا نام بھی نہیں جانتے۔ یہ عظیم اسلامی حکم ایک خاص روشنی کا حامل ہے۔ اسلام انسانی معاشرے میں بہت زیادہ تعاون اور ہمدردی کا قائل ہے جب کہ مادی ترقی کے اس دور میں ہمدردی اور تعاون کہتے کم تر ہوتا جا رہا ہے اور بے اعتنائی و بے رحمی بڑھتی جا رہی ہے۔

۸۔ والصاحب بالجنب

اس کے بعد ان لوگوں کو جو انصاف کا دم بھرتے ہیں، وصیت کرتا ہے۔ لیکن غور کرنا چاہیے کہ صاحب بالجنب کے معنی دوست اور رفیق سے زیادہ وسیع ہیں اور حقیقت میں یہ ہر اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی طرح ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہو چاہے پونا دوست ہو یا تنہا دیو کا رفیق مثلاً وہ شخص جو سفر کرتے ہوئے انسان کا دوست بن جائے۔ بعض روایات میں ہے کہ صاحب بالجنب سے مراد رفیق سفر (رفیقك فی السفر) ہے یا وہ شخص ہے جو نفع کی امید میں کسی کے ساتھ ہو (المنقطع الیلک یرجو ففصلك) اس سے مراد ان کی تنہا نہیں ہے بلکہ یہ ایک وسیع معنی رکھتا ہے اور ایسے تمام لوگوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ بنا بریں یہ آیت ایک جامع اور کل حکم کی حامل ہے اور یہ ایسے سب افراد سے منسلوک کہنے کے لیے ہے جن سے انسان کا سابقہ پڑتا ہے۔ چاہے وہ پانچ دوست ہوں یا رفیق کار ہوں، ہم سفر ہوں، اس کے پاس آنے جانے والے ہوں، شاگرد ہوں، مشورہ دینے والے ہوں یا خدمت گزار ہوں۔ کچھ روایات میں صاحب بالجنب کی تفسیر چوری سے کی گئی ہے چنانچہ النار، روح المعانی اور قرطبی کے مؤلفین آیت کے ذیل میں حضرت علی سے یہی معنی نقل کرتے ہیں لیکن کچھ بعید نہیں ہے کہ اس کا مقصد آیت کے ایک معنی کا تذکرہ ہو۔

۹۔ وابت السبیل

یہاں ایک اور گروہ کے بارے میں سفارح کی گئی ہے یہ وہ لوگ ہیں جو باوجودیکہ اپنے وطن اور شہر میں صاحب حیثیت اور کھاتے پیتے ہوں لیکن عالم سفر میں، اجنبی شہر میں کسی دہستے سراج ہو جائیں اور ابن سبیل کی عمدہ تفسیر (راستے کا بیٹا) بھی اسی دہستے سے ہے کہ جم ان سے کسی قسم کی جان پہچان نہیں رکھتے کہ انہیں کسی قبیلے، کنبے یا شخص سے نسبت دے سکیں مرنے اس حکم کی بنا پر کہ وہ حاجت مند مسافر ہیں انہیں مدد کا مستحق قرار دیں۔

۱۰۔ وما ملکت ایمانکم

آخری مرحلے میں غلاموں سے نیکی کرنے کی وصیت کی گئی ہے اور حقیقت میں آیت خدا کے حق سے شروع ہوتی ہے اور



غلاموں کے حقوق پر ختم ہوتی ہے کیونکہ یہ حقوق ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ صرف یہی آیت نہیں ہے جس میں غلاموں کے حقوق و وصیت کی گئی ہے بلکہ دوسری آیتوں میں بھی اس سلسلے میں بحث کی گئی ہے۔ اسلام نے ضمنی طور پر غلاموں کی تدریجی آزادی کے لیے ایک اچھا پروگرام مرتب کیا ہے جو ان کی مطلق آزادی پر باک ختم ہوتا ہے۔ انشاء اللہ ہم اس سلسلے میں متعلقہ آیتوں کے ذیل میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے۔

ان الله لا يحب من كان مختالا فخورا

خداوند عالم آیت کے آخر میں اس جملہ کے ساتھ "خدا تکبر کرنے والے اور گمنامہ کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا" خبردار کر رہا ہے کہ جو شخص خدا کے حکم سے روگردانی کرے اور تکبر کی وجہ سے رشتہ داروں، مال باپ، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور دوستوں کے حقوق کا خیال نہ رکھے۔ وہ محبوب خدا اور بندہ خدا نہیں ہو سکتا اور جو لطف و کرم الہی کا مستحق نہ ہو وہ ہر فرد و برکت غرض قسمتی اور نیکی سے محروم ہے۔ اس معنی کی گواہی وہ روایت دیتی ہے جو اس آیت کے ذیل میں بیان کی گئی ہے جو یہ ہے: ایک صحابی رسولؐ کہتے ہیں میں نے حضرت رسولؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اسی آیت کی تلاوت کی تو حضورؐ نے تکبر کی برائیاں اور اس کے نتائج اتنے بیان فرمائے کہ میں رونے لگا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: کیوں رو رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرا لباس عمدہ اور خوبصورت ہو تو اب مجھے ڈر ہے کہ اس عمل کی وجہ سے میں تکبر کرنے والوں کی صف میں شامل نہ ہو جاؤں۔ فرمایا: انہیں تو اہل جنت میں سے ہے اور یہ تکبر کی علامت نہیں ہے، تکبر یہ ہے کہ انسان حق کے مقابلے میں عاجزی اور انکساری سے کام نہ لے، اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے بلند تر سمجھے اور ان کی تعمیر کرے (اور ان کے حقوق کی ادائیگی سے روگردانی کرے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت کے آخری جملے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شرک اور لوگوں کے حقوق کی پامالی ضرور و تکبر کا سرچشمہ ہیں۔ مندرجہ بالا حقوق اور خصوصیات غلاموں، یتیموں اور محتاجوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے انتہائی تواضع اور عاجزی کی ضرورت ہے:

۳۴۔ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا  
أَنٰتَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا  
مُّهِينًا

۱۔ یاد رکھیے کہ خیال سے اس سنی میں ہے کہ کوئی شخص جس نیک نیت کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھے۔ گھوڑے کی سی وجہ سے "خیل" کہا جاتا ہے کہ وہ دوڑتے ہوئے تکبروں کی طرح قدم اٹھاتا ہے اور "فخور"۔ "فخر" کے مادے سے اس شخص کے سنی میں ہے جو فخر و گمنامہ کرتا ہو یا کسی باپ پر یہاں ان دونوں معنوں میں بزرگی ہے کہ ایک کے سنی ایسے تکبر کے ہیں جن کی وجہ سے گھوڑے سے بڑا ہو اور دوسرے کے سنی غلامی تکبر کے ہیں یعنی اعلیٰ و گمنامہ تکبر ہو



۳۸۔ وَالَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا  
بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ  
قَرِينًا ۝

۳۹۔ وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ  
اللَّهُ ۖ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۝

ترجمہ

۳۸۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو بخل کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو بھی بخل کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور جو کچھ خداوند عالم نے اپنے فضل  
کرم سے انہیں دیا ہے اسے چھپاتے ہیں (حقیقت میں ان کے اس عمل کا سرچشمہ کفر ہے) اور ہم نے کافروں کے لیے  
ذلیل و خوار کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

۳۹۔ وہ ایسے لوگ ہیں۔ جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور خدا اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں  
رکھتے (کیونکہ شیطان ان کا دوست اور ساتھی ہے) اور جس کا ساتھی شیطان ہو اس نے بُرا ساتھی چنا ہوا ہے۔  
۳۹ کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتے اور خداوند عالم نے جو روزی انہیں عطا فرمائی ہے  
(اس میں سے اس کی راہ میں) خرچ کرتے اور خدا تعالیٰ ان سے آگاہ ہے (اور انہیں پوری سزا دے گا)۔

تفسیر

دکھلاوا اور رضائے الہی

یہ آیت حقیقت میں گزشتہ آیتوں کا ضمیر ہے جو تکبر اور بندہ بواوہوس، افراد کی طرف اشارہ کر رہی ہے وہ ایسے گروے  
لوگ ہیں جو نہ صرف لوگوں سے نیکی میں بخل کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی بخل پر ابھارتے ہیں (الَّذِينَ يَهْتَلُونَ بِأَعْيُنِنَا)۔  
علامہ ازیں وہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے جو کچھ انہیں مرحمت فرمایا ہے اسے چھپا کر رکھیں ۖ يَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ  
مِنْ فَضْلِهِ ۚ اس کے بعد ان کا ختام اور نتیجہ کو اس طرح بیان فرماتا ہے کہ ہم نے کافروں کے لیے ذلیل و خوار کرنے والا عذاب  
تیار کر رکھا ہے (وَلَعَنَّا الْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا)۔



شاید اس تعبیر کا راز یہ ہو کہ نخل کا سرچشمہ زیادہ تر کھری ہوتا ہے کیونکہ نخل لوگ حقیقت میں خداوند عالم کی لامحدود نعمتوں اور اس کے نیک لوگوں سے کیے ہوئے وعدوں پر ایمان کا عمل نہیں رکھتے اور وہ یہ سوچتے ہیں کہ اگر وہ دوسروں کی مدد کریں گے تو فخر بن جائیں گے اور یہ جو فرمایا ہے کہ ان کے لیے ذلیل و خوار کرنے والا عذاب ہے، تو یہ اس لیے ہے تاکہ وہ تکبر اور گھٹنہ کی لڑائی اپنے لیے کا سبب بنیں۔

ضمنی طور پر پوچنا چاہیے کہ نخل صرف مٹی اور تنگ ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہ خداوند عالم کی ہر قسم کی نعمت کو روکنے کے معنی بھی اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مالی لحاظ سے نخل نہیں کرتے لیکن علم و دانش اور مادی قسم کے دوسرے مسائل میں نہیں ہیں۔ دوسری آیت میں سن مانی کرنے والے شکبوروں کی ایک اور صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ يَنْفَقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ

الْآخِرِ۔۔۔۔۔

وہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر خرچ کرتے ہیں تو لوگوں کو دکھانے اور شہرت کے لیے اور ان کا مقصد خدمت خلق اور رخصتے خالق نہیں ہے اسی لیے تو خرچ کے وقت لینے دینے کے سستی ہونے کی پابندی نہیں ہے۔ بلکہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ کس طرح خرچ کریں جس سے خود انہیں زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے اور وہ اپنی حیثیت کو ثابت کر سکیں۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اس لیے ان کی سخاوت میں رد و مالی جذبہ نہیں ہے بلکہ ان کا جذبہ نام و نمود اور جھوٹا وقار ہے جو کہ تکبر اور خود غرضی کی نشانیوں میں سے ہے۔

وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَهُمَا قَرِينَا۔

انہوں نے شیطان کو اپنا ساتھی بنا لیا ہے اور جو ایسا کرے اس نے اپنے لیے بہت بڑا ساتھی چنا ہے اور اس کی تقدیر اس سے بہتر نہیں ہوگی کیونکہ ان کی خلق اور پردہ گرام شیطان کی خلق اور پردہ گرام ہی ہے۔ وہی ہے جو ان سے کہتا ہے کہ غلوں کے ساتھ خرچ کرنا فخر و فائدہ کا سبب ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ (بقرہ - ۲۶۸)

اب اس وجہ سے یا تو وہ خرچ ہی نہیں کرتے اور نخل سے کام لیتے ہیں جیسا کہ گذشتہ آیت میں اشارہ کیا گیا ہے یا دیکھ کر خرچ کریں تو ایسی جگہوں پر کرتے ہیں جہاں سے انہیں ذاتی فائدہ پہنچے (جیسا کہ اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے) اس آیت سے ضمنی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک بڑا ساتھی انسان کی تقدیر کو تباہ و برباد کر سکتا ہے یہاں تک کہ وہ اُسے پسچی کے آخری درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ تکبر کرنے والوں کا شیطان سے مستقل تعلق ہے نہ کہ وقتی۔ کیونکہ انہوں نے شیطان کو دوست اور ساتھی بنا رکھا ہے۔

وَمَا ذَا عُنْدِهِمْ لِيَنْعَمُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَانْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ۔۔۔۔۔

یہاں اس گروہ کی حالت پر انہما را غلوں کے طور پر فرماتا ہے کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ اس بے راہروی سے باز آجاتے اور خدا اور روز جزا پر ایمان لے آتے اور ان نعمتوں میں سے جو خدا تعالیٰ نے ان کے اختیار میں دی ہیں نیک نیتی کے ساتھ اس کے





بندوں کو دیتے اور اس طرح اپنے لیے دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کرتے۔ اب وہ کیوں اپنے طریق کار پر نظر ثانی نہیں کرتے باوجود اس کے کہ یہ راستہ زیادہ صاف، روشن تر اور مفید ترین ہے اور جو راستہ انہوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ سوائے نقصان اور بدبختی کے کسی نتیجہ پر نہیں پہنچاتا۔

وَلَا تَنْفَعُكَ دَعْوَاكَ عَلَيْهِمْ

ہر حالت میں خداوند عالم ان کی نیّتوں اور اعمال سے باخبر ہے اور اس کے مطابق انہیں جزا یا سزا دیتا ہے۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ گذشتہ آیت جس میں ریاکارانہ مصداق کے متعلق گفتگو تھی وہاں مال کی نسبت خرچ کرنے والا کی طرف ہی گئی تھی اس آیت میں مال کی نسبت ہے۔ ممکن ہے کہ یہ تعبیر کا فرق تین نکات کی طرف اشارہ کر رہا ہو:

پہلا یہ کہ دکھلاوے کے اخراجات میں مال کے ضل و سرام ہونے کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ مگر جو مال خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جاتا ہے۔ اس کا ضل ہونا اور ”مصار ذہبک عندہ“ کا مصداق ہونا ضروری ہے۔

دوسرا یہ کہ جو کچھ دکھلاوے کے لیے خرچ ہوتا ہے وہاں خرچ کرنے والے افراد جو نکال کا تعلق اپنی ذات سے سمجھتے ہیں تو وہ سمجھ کر نہ اور احسان جتانے سے گریز نہیں کرتے مگر جو مال خدا کے لیے خرچ ہو وہاں چونکہ توجہ اس بات کی طرف ہوتی ہے کہ یہ مال خدا نے انہیں دیا ہے۔ اب اگر اس کا کچھ حصہ اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو احسان جتانے کا مقام نہیں۔ اس لیے ہر قسم کے سمجھ اور احسان سے پرہیز کرتے ہیں۔

تیسرا حکم یہ ہے کہ دکھلاوے کے خرچ کا تعلق زیادہ تر مال سے ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ روحانی اور معنوی سرمایہ سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ پھر ان میں سے خرچ کیسے کریں۔ لیکن جو خدا تعالیٰ کے لیے خرچ کیا جاتا ہے اس کا دائرہ وسیع ہے۔ وہ تمام مادی، روحانی اور باطنی نعمات کو چاہے ان کا تعلق مال، علم، اجتماعی وجاہت اور حیثیت ہی سے کیوں نہ ہو محیط ہے۔

۴۰۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً تٌضِعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

ترجمہ  
۴۰۔ خداوند عالم کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر نیک کام ہو تو اسے کئی گنا کر دیتا ہے (اور اس کے بدلے) اجر عظیم دیتا ہے۔

تفسیر

ذَرَّةٌ کیا چیز ہے  
ذَرَّةٌ اصل میں بہت ہی چھوٹی چیز تھی کہ کہتے ہیں جو بڑی شکل سے دکھائی دیتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں غبار





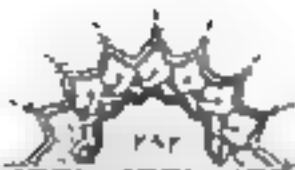
کے بہت چھوٹے چھوٹے اجزاء (کے معنی میں ہے) جو فضا میں معلق ہیں اور تاریک جگہوں کے اندر سورج کی روشنی میں چھوٹے چھوٹے سور اخول اور روشن دانوں سے ظاہر ہوتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر انسان اپنا ہاتھ مٹی یا اسی قسم کی چیز پر رکھ دے اور پھر اپنے ہاتھ پر پھونک مارے تو جو مٹی کے اجزاء فضا میں بکھر جاتیں گے ان میں سے ہر ایک کو ذرہ کہتے ہیں۔ لیکن آہستہ آہستہ ہر چھوٹی چیز کو ذرہ کہنے لگے اور آجکل ایٹم کو بھی جو جسم کا کم سے کم جزو ہے ذرہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر گزشتہ زمانے میں انہیں بنا کے ذرے کہتے تھے تو اس کی بھی یہی وجہ تھی کہ وہ جسم کے بہت ہی چھوٹے چھوٹے اجزاء تھے۔ لیکن آج کی دنیا اس لحاظ سے جوڑکا ہے کہ ایک جسم مرکب کے چھوٹے سے چھوٹے اجزاء (MOLECULES) اور ہم بیٹھ کے سب سے چھوٹے اجزاء ایٹم (ATOMS) ہیں۔ جو سالموں سے بہت ہی چھوٹے ہیں۔ مطلقاً ایٹم اسے کہتے ہیں جو نہ صرف آنکھوں سے نہ دیکھا جاسکتا ہو بلکہ قوی ترین برقی مائیکروسکوپ سے بھی قابل دید نہیں ہے۔ یہ صرف مٹی فارمولوں اور مخصوص فوٹو گرافیوں کے ذریعے دیکھے جاتے ہیں جو بہت ہی چھوٹی چیزوں کو دیکھنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔

مثقال کے معنی وزن اور بھاری پن کے ہیں۔ تو مثقال ذرہ سے مراد جسم کا ایک چھوٹے سے چھوٹا مسلم اور محسوس ذرہ ہے اور جو جس کے معنی میں ہے آیت منہم بڑا لکھتی ہے کہ خدا ذرہ بھر وزن کے برابر بھی غم نہیں کرتا اور نہ صرف یہ کہ غم نہیں کرتا بلکہ اگر نیک کام انجام پائے تو اسے کئی گنا کر دیتا ہے۔ اور اپنی طرف سے اس کے بدلے میں اجر عظیم بھی دیتا ہے۔ یہ آیت حقیقت میں بے ایمان اور ذلیل افراد سے جن کی حالت گزشتہ آیات میں بیان ہو چکی ہے کہتی ہے کہ یہ میرا نہیں جو نہیں مل رہی ہیں یہ تو تمہارے اعمال کا نتیجہ ہیں لیکن خدا کی طرف سے تم پر کسی قسم کا غم نہیں ہوگا اور اس کے برعکس اگر تم نفل و کفر کی بہانے خدا کی راہ اختیار کر لیتے تو کئی گنا اجر عظیم کے مستحق قرار پاتے۔

ضنا تو جہر ہے کہ ضعف یا مضاعف کے معنی مضاعف حرب میں اس چیز کے ہیں جس کے برابر یا اس سے چند گنا بڑا یا یا جاتے۔ اس لیے زیر نظر آیت اور دوسری آیتوں میں جو یہ ہے کہ خدا کے راستے میں خرچ کرنے والوں کی جزا بھی دس گنی ہوتی ہے کبھی سات سو گنی یا اس سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں بلکہ ہر صورت میں بندوں پر خدا کا لطف و کرم ظاہر ہوتا ہے۔ وہ ان کے گناہوں کی سزا گناہوں کی مقدار سے زیادہ نہیں دیتا لیکن ان کی نیکیوں کی جزا نیکیوں کی مقدار سے کئی گنا زیادہ دیتا ہے۔

باقی رہی اس بات کی دلیل کہ خدا عظم کیوں نہیں کرتا تو وہ واضح ہے کیونکہ علم و کرم یا توجہات کی وجہ سے ہوتا ہے یا ضرورت انسانی کمزوریوں اور نقصان کے سبب سے اب جو ذات تمام چیزوں اور سب لوگوں کے متعلق علم رکھتی ہے اور سب سے بے نیاز ہے اور کسی قسم کی کمی اور نقص اس کی ذات اقدس میں نہیں ہے، اس کے لیے غم کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے یہ نہیں کہ وہ غم نہیں کر سکتا اور نہ یہ کہ اس کے بارے میں غم و کسم کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ وہ اشاعرہ کا خیال ہے۔ بلکہ وہ باوجود قدرت کے، عظیم و حکیم ہونے کی بنا پر غم نہیں کرتا۔ ہر چیز کو اس وسیع و مرید دنیا میں اپنی جگہ پر قرار رکھتا ہے اور ہر شخص کے ساتھ اس کی یاقوت اور اس کے اعمال و کردار کے مطابق سلوک کرتا ہے۔

۴۔ فَلَيْفَ إِذَا جِئْتَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ قِيَضَتْ بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ



## شَهِيدًا

۴۱۔ یَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ  
الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا

ترجمہ

۴۱۔ اس دن ان کی کیا حالت ہوگی۔ جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ ان کے اعمال پر لائیں گے اور تجھے ان کا گواہ بنا کر لائیں گے۔

۴۲۔ اس دن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے اور پیغمبر کی مخالفت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے یہ تمنا کریں گے کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ (وہ مٹی ہوتے اور) ان کی خاک زمین کی سطح سے مٹی ہوتی (اور وہ بالکل محو اور خاموش ہو جاتے اور اس دن (سب گواہوں کے ہوتے ہوئے) خدا سے کوئی بات نہ چپا سکیں گے۔

تفسیر

فكيف اذا اجئنا من كل امّة بشهيد

گذشتہ آیتوں کے بعد جو بڑوں اور نیکیوں کی سزا و جزا کے بارے میں تھیں یہ آیات روز قیامت کے گواہوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں پہلی آیت میں ہے: اس دن ان لوگوں کی کیا حالت ہوگی جب ہم ہر امت کے لیے ان کے اعمال کا گواہ لے آئیں گے اور تمہیں ان کا گواہ مقرر کریں گے۔ اسی طرح جسم انسانی کے اعضاء کی گواہی اس زمین کی گواہی جس پر وہ رہتے تھے اور اس کے اعمال پر خدا کے فرشتوں کی گواہی کے علاوہ ہر پیغمبر بھی اپنی امت کے اعمال پر گواہ ہوگا۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سب سے آخری اور سب سے عظیم پیغمبر خدا ہیں اپنی امت کے اعمال پر گواہ ہوں گے۔ ہر سے لوگ جن سب گواہوں کے ہوتے ہوئے کسی طرح حقیقت کا انکار کر سکیں گے اور کیسے اپنے تئیں اپنے اعمال کی سزا سے بچا سکیں گے۔ اسی قسم کا مضمون کلام مجید کی چند دوسری آیتوں میں بھی ہے مثلاً بقرہ ۱۴۳، نمل ۵۹ اور حج ۷۸۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اپنی امت کے اعمال کے تعلق پیغمبروں کی گواہی کس قسم کی ہوگی۔ اگر لفظ ھودہ کا اشارہ مسلمانوں کی طرف ہو جیسا کہ تفسیر مجمع البیان میں تحریر ہے تو اس سوال کا جواب واضح ہو جائے گا۔ چونکہ ہر نبی جب تک اپنی امت کے درمیان رہے تو ان کے اعمال دیکھتے رہے اور اس کے بعد اس کے معصوم جانشین ان کے اعمال پر گواہ و ناظر ہوتے ہیں۔ اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ قیامت کے دن خداوند عالم کے سوال کے جواب



میں مرضی کریں گے:

ماقلت لهذا الامر حتى به ان اسيدوا نفعه بعد وبعك وكنت سيده شهيداً ما دمت

هنا فلهذا توفيتني كنت انت الوقيب عليهم وانت على كل متي مثله (الشفع)

اے پائے والے! تو نے مجھے جو حکم دیا ہے میں نے انہیں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ دیا ہے ان سے کہا کہ اس خدا کی جو میز اور تہارا پروردگار ہے عبادت کرو اور جب تک میں ان کے درمیان تھا ان کے اعمال کا گواہ تھا لیکن جب سے تو نے مجھے ان کے درمیان سے اٹھایا تو تو کی ان پر نگرانی تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔

لیکن مفسرین کی ایک جماعت نے یہ احتمال بھی ظاہر کیا ہے کہ لفظ "هنا" گزشتہ امتوں کے گواہوں کی طرف اشارہ ہے یعنی اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم تجھے تمام گواہوں اور گزشتہ انبیاء پر گواہ قرار دیں گے اور کئی ایک روایات میں بھی اس تفسیر کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

اس بنا پر ایت کا مفہوم اسی طرح ہوگا کہ ہر پیغمبر حیات و وفات ہر صورت میں باطنی اور روحانی مشاہدے کے ذریعے اپنی تمام امت کے حالات کا شاہد ہوگا اور حضور کی روح اقدس بھی اسی طریقے سے تمام گزشتہ امتوں اور اپنی امت کے حالات کو دیکھنے والی اور ان کے اعمال پر گواہ ہے یہاں تک کہ ممکن ہے امت کے صلہ اور پرہیزگاری میں اعلیٰ مقام کے حامل افراد بھی اس قسم کی استعداد رکھتے ہوں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ حضرت پیغمبر اسلام کی روح اقدس نفقت حضرت آدم سے پہلے موجود تھی کیونکہ شہود کے معنی آگاہی اور موجود ہونے کے ہیں لیکن یہ تفسیر اس آیت کے ساتھ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نقل کی گئی ہے کوئی زیادہ مناسبت نہیں رکھتی کیونکہ وہ اپنی امت پر تنبیہات گواہ تھے (غور فرمائیے گا)۔

اگر شہادت کو عملی شہادت کے معنی میں نہیں مانتے تو ایک فرد کے اعمال جو باقی لوگوں کے اعمال یا پختہ کی میزان اور پیمانہ ہیں تو اس صورت میں مندرجہ بالا تفسیر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ یعنی ہر پیغمبر اپنی مخصوص امتوں کی بنا پر اپنی امت کے اعمال کی جانچ کے لیے میزان و مقیاس ہے اور امت کے اچھے برے لوگوں کو ان کے ساتھ مشابہت رکھنے یا نہ رکھنے سے پہچانا جاسکتا ہے اور چونکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے نبیوں میں سے بزرگ ترین ہستی ہیں اس لیے حضور کے اعمال و صفات تمام نبیوں کے درجات یا پختہ کے لیے معیار ہوں گے۔ اب صرف یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ کیا شہادت اسی معنی میں آئی ہے کہ نہیں لیکن اس طرف تو جو کرنے سے کفر کرنے کے انسانوں کے انکار و اعمال بھی عمل پر گواہی دیتے ہیں کہ ایک انسان کے لیے ممکن ہے کہ وہ اس حد تک روحانی اور باطنی درجات حاصل کرے تو یہ معنی بعید دکھائی نہیں دیتے۔ (غور فرمائیے گا)۔

يومئذ يود الذين كفروا وعصوا الرسول.....

تفسیر نور الثقلین، تفسیر ہان آیت مذکورہ کے ذیل میں۔

اس آیت سے حضرت عیسیٰؑ کو کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک الگ مفہوم رکھتی ہے۔ (مترجم)



جس وقت کہ فرار خداوند عالم کے بھیجے ہوئے نبیوں کے مقابلے میں کھڑے ہونے والے لوگ اسی عدالت الہی میں ناقابل انکار شہور اور گواہ دیکھیں گے تو وہ اپنے کیے پر استغشہ بیان ہوں گے کہ وہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ خاک ہوتے اور زمین کی مٹی کے برابر ہو جاتے۔ قرآن مجید فرماتا ہے: **لَوْ تَسَوَّى بِهِمُ الْاَرْضُ**۔ سورہ نبا کے آخر میں بھی اسی طرح ہے:

وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْسَتُنِي كَسَتْ تَرَابًا

اس وقت کافر کہے گا اے کاش میں خاک ہوتا۔

لیکن "تسوی" کی تعبیر ایک اور مطلب کی طرف اشارہ کرتی ہے اور وہ یہ کہ اس کے علاوہ کہ کافر یہ آرزو کریں گے کہ وہ خاک ہو جائیں، یہ بھی چاہیں گے کہ ان کی خاک اور قبریں بھی زمین میں دب جائیں اور اس پاس کی زمینوں کے برابر ہو جائیں تاکہ وہ بالکل مہر ہو جائیں۔ مگر وہ اس موقع پر کسی حقیقت کو نہ چھپا سکیں گے (اور لا یکتُمون غلظہ حدیثاً)۔ کیونکہ اس شہور اور گواہوں کی موجودگی میں وہ کاش نہ کر سکیں گے۔ البتہ یہ گفتگو ان دوسری آیات کے منافی نہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ بعض کافر قیامت کے دن بھی حقائق چھپائیں گے اور اور جھوٹ بولیں گے۔ کیونکہ ان کا جھوٹ شہور اور گواہوں سے پہلے ہو گا لیکن اس کے بعد جب انکار کی کوئی گنجائش نہ رہے گی تو وہ تمام حقائق کا اقرار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

حضرت امیر المومنینؑ نے ایک خطبہ میں فرمایا:

خدا قیامت کے دن کچھ لوگوں کے بول پر مہر خاموشی ثبت کرے گا تاکہ وہ بات نہ کر سکیں۔ تو ایسے میں ان کے ہاتھ بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے اور جسم کی کھال اپنے اعمال بیان کرے گی۔ غرض اس وقت کوئی شخص حقیقت کا انکار نہ کر سکے گا۔

بعض مفسرین نے اس کے یہ معنی بھی کہے ہیں کہ لا یکتُمون اللہ حدیثاً سے مراد یہ ہے کہ وہ تمنا کریں گے کہ اے کاش جب وہ دنیا میں تھے تو پیغمبر اسلام کے بارے میں حقائق کو نہ چھپاتے۔ اسی بنا پر یہ مذکورہ جملہ "لَوْ تَسَوَّى بِهِمُ الْاَرْضُ" پر مطلق ہو گا۔ لیکن یہ تفسیر لا یکتُمون کے غلبہ کے ساتھ جو فعل مضارع ہے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ اگر یہ معنی مراد ہوتے تو پھر یوں کہا جاتا: **وَلَوْ يَكْتُمُونَ**۔

۳۳۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرَضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ**

۱ سورہ انعام کی آیت ۶۲ اور ۶۳ اور سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۸

۲ نور الثقلین جلد اول صفحہ ۸۲۲ منقول از تفسیر میاشی۔



الْفَائِظِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا  
صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ  
كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ○

ترجمہ

۴۳۔ اے ایمان والو جب تم نشے میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ جب تک تم ریزہ سحر کو گرم کیا کہہ رہے ہو اور اسی طرح جب تم جنابت کی حالت میں ہو جب تک غسل نہ کر لو گریہ عالمِ مسافرت میں ہو۔ اب اگر تم بیچارے یا مسافر ہو یا قضاۃِ مائتہ کی ہے اور یا عورتوں سے مباشرت کی ہے اور اس حالت میں تمہیں (وضو یا غسل کے لیے) پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔ اسی طرح سے کراپنے چہروں اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو خدا بخشنے والا اور مغفرت کرنے والا ہے۔

تفسیر

چند فقہی احکام

مذکورہ بالا آیت سے چند اسلامی احکام معلوم ہوتے ہیں:

۱۔ نشے کی حالت میں نماز کی حرمت مبنی جو لوگ مست ہوں وہ نماز کو نہیں کر سکتے اور ان کی نماز اس حالت میں باطل ہے۔ اس کا فلسفہ بھی واضح ہے کہ نماز بندہ سے کی خدا کے ساتھ گفتگو اور راز و نیاز ہے۔ اسے انتہائی توجہ اور ہوش مندی کے ساتھ انجام پانا چاہیے اور مست لوگ اسی منزل سے دور اور بے خبر ہوتے ہیں (یا ایہ الذین آمنوا لا تقربوا الصلوۃ و انتہ)۔

سکارتی حق تعالیٰ ما تقولون)۔

مگر ہے اس موقع پر کچھ لوگ یہ سوال کریں کہ کیا آیت کا یہ معنوم نہیں ہے کہ مشروباتِ اکمل کا پینا صرف اس صورت میں منع ہے جبکہ اس کی سستی نماز کی حالت تک باقی رہے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ باقی حالات میں ان کا پینا جائز ہے۔ اس سوال کا مفصل جواب تو انشاء اللہ سورۃ فائدہ کی آیت کی تفسیر میں آئے گا۔ البتہ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اسلام اپنے بہت سے احکامات کو عملی صورت دینے میں تمدنی طریقہ اختیار کرتا ہے مثلاً یہی مشروباتِ اکمل کا مستندہ مردوں میں آیا ہے۔ پہلے پہل اس کا پینا نامہندیدہ اور ذوقِ حشائے (غفل ۶۷) کے برعکس قرار دیا گیا بعد ازیں نشے کی حالت میں نماز سے منع فرمایا۔ اس کے بعد اس کے نفع اور نقصان کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا ہے اور یہ ثابت کیا کہ اس کے نقصانیت فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں پھر آخری مرحلے میں اس سے قطعی اور مطلق نہایت کی گئی ہے (فائدہ ۹۰)۔

اصول طور پر ایک اجتماعی اور اخلاقی فساد کی بروکھ کاڑھیں کئے کے لیے جس سے ماحول بری طرح سے متاثر ہو رہا ہو، اسی سے بہتر اور روشن قرار کوئی راستہ نہیں ہے کہ افراد کو آہستہ آہستہ اسے چھوڑنے پر آمادہ کیا جائے اور پھر آخری حکم دیا جائے۔

ضمنی طور پر تو جہر ہے کہ یہ آیت کسی طرح بھی شراب نوشی کے جواز پر دلالت نہیں کرتی بلکہ وہ صرف حالت نماز میں مستی کے بارے میں غلط فہمی ہے۔ نماز کی حالت کے علاوہ کے لیے خاموش ہے۔ یہاں تک کہ آخری حکم آجائے۔ اس بات کا خیال رکھتے ہوئے کہ نماز پنجگانہ کے اوقات خصوصاً اس زمانے میں جب کہ نماز عام طور پر پانچ وقتوں میں پڑھی جاتی تھی کے عین زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا تھا۔ اب نماز بحالت ہوش و حواس پڑھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے اوقات کے درمیانی فاصلے میں ایسی مشروبات سے جو نشہ آور ہیں کلی طور پر پرہیز کیا جائے۔ کیونکہ اکثر اوقات شراب کا نشہ نماز کے وقت تک باقی رہتا ہے اور ہوش و حواس برقرار نہیں رہتے۔ اس بنا پر زیر بحث آیت ایک طرح سے دائمی اور مسلسل تحریم کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ بہت سی روایتیں جوشیعہ کی کتب میں آئی ہیں ان میں متعدد جہ بالا آیت کے معنی نیند کی سستی کے لیے گئے ہیں۔ یعنی جب تک اچھی طرح نہ جاگ جاؤ ناز شروع نہ کرو جب تک تمہیں یہ معلوم نہ ہو کہ کر کیا کہہ رہے ہو یہ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس تفسیر کے لیے "حتی تعدد امانتوں" کے مفہوم سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ "سکاری" سے نہیں۔ دوسرے نقطوں میں یہاں تک کہ تمہیں یہ معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر اس حالت میں ناز پڑنا جس میں انسان کے ہوش و حواس پورے طور پر بھانہ ہوں ممنوع ہے، چاہے وہ سستی کی حالت ہو یا اونگھ اور نیند کے غمار کے عالم میں۔ اس جملہ سے ضمنی طور پر یہ مسئلہ کیا جاسکتا ہے کہ بہتر ہے کہ انسان سستی اور کم تو جہ کی حالت میں بھی ناز نہ پڑے کیونکہ اس حالت میں کمزوری سی پائی جاتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے:

جب تم کثرتِ استسہی میں ہو یا ادھنگہ رہے ہو اور یا طبیعتِ جوہل ہو تو ایسی حالت میں نماز نہ پڑھو کیونکہ خداوند تعالیٰ نے مومنین کو استسہی کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے یہ

۲۔ حالت جنابت میں نماز کا باطل ہوتا۔ جس کی طرف "ولا جنباً" سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اسی حکم سے استنجا کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: "لا حائری سبیل" اگر یہ کہ مسافرت میں ہوں۔ مگر مسافرت میں ہانی نہ ملے تو میری تم سے نماز جو اس کی تفصیل آگئے تھے گی، لیکن ان خبر و روایات میں اس آیت کی ایک دوسری تفسیر بھی درج ہے مثلاً "اور وہ یہ ہے کہ آیت میں لفظ صلوٰۃ سے مراد نماز پڑھنے کی جگہ اور مسجد ہے۔ یعنی حالت جنابت میں مساجد میں داخل نہ ہوں۔ اسی کے بعد ان لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو حالت جنابت میں مسجد سے گزر رہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور اصحاب نبی کی ایک جماعت نے مسجد نبوی کے اطراف میں ایسے گھر بنائے

تفسير نور الثقلين جلد اول صفحہ ۸۲، وتفسير قرطبي جلد سوم صفحہ ۱۰۷۔

۱۰ نورالثقلین جلد اول صفحہ ۸۲ میں مضمون کے مشابیح بخاری میں بھی ایک روایت ہے۔

ۛے وسائل پیداؤل صفر ۛم۔





جسے تھے جن کے دروازے مسجد نبوی میں کھتے تھے اور انہیں اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ جنابت کی حالت میں مسجد سے بلا توقف گزر جائیں۔

لیکن یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اس تفسیر کا تیسری جگہ کہ آیت میں لفظ صلوٰۃ دو معنی میں استعمال ہوا ہے ایک نماز اور دوسرا "محل نماز" کیونکہ زیرِ نظر آیت میں دو حکم بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ حالتِ نشہ میں نماز نہ پڑھی جائے اور دوسرا حالتِ جنابت میں نماز میں داخل نہ ہوں۔

بسیار اہم اصول میں ہم کہہ چکے ہیں ایک لفظ کا دو معنی میں استعمال مشک و شر سے بالاتر ہے لیکن خلافِ ظاہر ضرور ہے اور تحریر کے بغیر جاننا بھی نہیں ہے۔ البتہ روایات مندرجہ بالا اس کا قرینہ قرار دی جاسکتی ہیں۔

۳۔ غسل کر چکنے کے بعد نماز پڑھنے یا مسجد سے گزرنے کے جواز کو "حقاً نقضوا" سے بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ اس کے بعد جو پانی نہلے یا کسی اور وجہ سے معذور ہوں ان کے لیے تیمم کا حکم بیان کیا گیا ہے، وان کنتہ مریضاً وعلیٰ سفر یعنی اگر بیمار ہو جاؤ یا سفر میں ہو۔ درحقیقت اسی مختصری عبارت میں تشریعِ تیمم کے تمام مواقع جمع ہیں۔ پہلا مقام وہ ہے جہاں پانی جسم کے لیے ضرور رساں ہو اور دوسرا مقام وہ ہے جہاں انسان کو پانی نہلنے یا اس کے استعمال کی طاقت نہ ہو۔

پھر فرمایا: اوجاء احد منکم من الغائط او لاہتم غسلہ اسی جگہ سے تیمم کی ضرورت کے سبب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جب تمھارے حاجت سے فارغ ہو یا عورتوں سے جم ہٹری کرو۔ فلو تعبدوا۔ اور تمہیں پانی نہ ملے۔ فتیسوا صلیحاً طیباً تو اس موقع پر پاکیزہ مٹی سے تیمم کرو اس کے بعد تیمم کا طریقہ بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: فامسحوا بوجہکم وایدیکم اس کے بعد اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ آیت کے آخر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ مذکورہ حکم تہاد سے لیے ایک قسم کی سہولت اور آسانی ہے۔ چونکہ خدا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

## چند اہم نکات

۱۔ فلو تعبدوا مانا کا جملہ جو اصطلاح کے مطابق نماز تفریع سے شروع ہوتا ہے اور بعض منہ سے مربوط ہے یعنی میں نکلتا ہوں سفر میں ہو تو ممکن ہے کہ پانی نہ مل سکے اور تمہیں تیمم کی ضرورت پڑے۔ کیونکہ انسان جب بستی میں ہو پھر تو ایسا بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ یہاں سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جو بات صاحبِ المنار جیسے مفسرین نے لکھی ہے کہ نقطہِ مسافت ہی وضو کی بجائے تیمم کرنے کے لیے کافی ہے۔ بالکل بے بنیاد ہے۔ کیونکہ نماز تفریحی "فلو تعبدوا" میں اس بات کو باطل کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ سفر میں کبھی پانی نہیں ملتا تو ایسے موقع پر تیمم کر لینا چاہیے نہ یہ کہ حالتِ سفر ہی میں تیمم جائز ہے۔ تعجب ہے کہ مولف مذکور اس سلسلے میں فقہاء پر تنقید کرتا ہے جبکہ مذکورہ تنقید کا یہاں کوئی مقام نہیں ہے۔

۲۔ لفظ "او" اوجاء احد منکم من الغائط کے جملوں "واو" کے معنی میں ہے کیونکہ بیماری یا مسافت تیمم کا سبب نہیں ہیں بلکہ ایسی حالت میں اگر اسبابِ وضو یا غسل حاصل نہ ہوں تو اسی وقت تیمم واجب ہے۔

۳۔ اس آیت میں قرآن کے بیان کی نفاست و پاکیزگی دوسری بیہت سی آیتوں کی طرح مکمل طور پر دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ جب





پا بتا ہے کہ قصائے حاجت کے شغل گفتگو کے قریبی تعبیر کو چاہئے ہو مطلب سجادے اور مناسب فقط بھی متعلق نہ ہونے پنے اس لیے فرماتا ہے:

اوجاء احد منكم من الغنم اس کی وضاحت یوں ہے کہ غنم بنحو اس جنوم کے جو آجکل اس سے کہا جاتا ہے اس میں ایسی نشیبی زمین کے لیے ہوا جاتا ہے جو انسان کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپائے اور اس زمانے میں بیابانوں میں پھرنے والے اور مسافر لوگ قصائے حاجت کے لیے ایسی جگہوں پر جاتے تھے تاکہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے دھبیل رہیں۔ بنا بریں ہی جگہ کے سنی یہ ہوں گے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص نشیبی جگہ سے آیا ہو جو عام طور پر قصائے حاجت کی طرف گناہ ہے اور قابل توجہ و بیجا ہے کہ تم کی بجائے تم میں سے کوئی کو فقط متعلق ہوا ہے تاکہ بیان کی نفاست بڑھ جائے (غور فرمائیے گا)۔

اسی طرح باشرت کے بارے میں گفتگو کرتا ہے تو "اولا مستہ النساء" یا محدثوں سے اس کی ہر کی تعبیر سے بھلا گیا ہے اور فقط اس "ہم بستی کے لیے مدد کن یہ ہے۔

۴۔ تیمم کی باقی خصوصیات کے بارے میں بخلا صمیڈہ طیبہ "ان شاء اللہ سورۃ مائدہ کی آیت" کے ذیل میں تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

### تیمم کا فلسفہ

بہت سے لوگ پوچھتے ہیں کہ زمین پر ہاتھ مارنے اور پھر انہیں پیشانی اور ہاتھوں کی پشت پر پھیرنے میں کیا فائدہ ہے خصوصاً جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ بہت سی مٹی گندی بھی ہوتی ہے اور اس سے جراثیم بھی منتقل جیتے ہیں۔ اس اعتراض کے جواب کے لیے دو نکتوں کی طرف توجہ کرنا چاہیے۔

الف۔ اخلاقی فائدہ۔ تیمم ایک عبادت ہے۔ اور عبادت کی روٹ اس میں اپنے خالق سنی میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان اپنی جبلت کو جو بدن کا محترم ترین حصہ ہے اس ہاتھ سے جوئی پر مارا گیا ہے اس کرتا ہے۔ تاکہ اس کی بارگاہ میں اپنی عاجزی و انکساری ظاہر کرے۔ یعنی میری پیشانی اور ہاتھ تیرے سامنے انتہائی شرم و خضوع کے لیے حاضر ہیں۔ اس کے بعد انسان نما زیادہ دوسری عبادتوں کو انتہائی غلوں اور عاجزی سے ادا کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے جن میں وضو یا غسل کی شرط ہے۔ اس طرح انکساری و عبودیت اور شکر گزاری کے جذبہ کو پروان چڑھانے کے لیے یہ عمل بہت مؤثر اور کارگر ہے۔

ب۔ حفظانِ صحت کا فائدہ: آج کی دنیا میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مٹی اپنے بہت سے جراثیموں (BACTERIAS) کی وجہ سے گندگیوں کو دور کر سکتی ہے۔ یہ جراثیم جن کا کام آلودہ کرنے والے مواد کا تجربہ اور طرح طرح کی بدبو کو دور کرنا ہے زیادہ تر زمین کی سطح پر معمولی سی گہرائی میں جہاں سے ہوا اور سورج کی روشنی سے غریبی فائدہ اٹھا سکیں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے جب سرور جانور یا لاشیں زمین میں دفن کر دی جائیں اور اسی طرح سے دوسری چیزیں جو گندگی سے بھری ہوئی زمین پر پڑی ہوں، مثلاً کسے ہی

۱۔ فائدہ کا فقط آجکل مرنا انسانی خصلت کے لیے ہوا جاتا ہے۔



حسے میں دان کے اجوا بکھر جاتے ہیں اور جراثیموں کی وجہ سے وہ بدبو کا مرکز بن جاتا ہے۔

یہ سسٹم ہے کہ اگر زمین میں یہ خاصیت نہ ہوتی تو کورۂ زمین مدت قلیل میں بدبو کے ڈھیروں میں بدل جاتا۔ مٹی کی طرح پٹی اٹھتی بائیوٹک (ANTIBIOTIC) اثر رکھتی ہے جو بہترین جراثیم کش ہے۔ اس بنا پر نہ صرف یہ کہ پاکیزہ مٹی گندمی چیز نہیں بلکہ وہ گندگی کو دور کرنے والی ہے اور اس لحاظ سے جو ممکن ہے کہ وہ کسی حد تک پانی کی بانٹیشی کرے۔ لیکن اس فرق کے ساتھ کہ پانی مٹا کر ہے مٹی وہ جراثیم کو مل کر کے بہاے جاتا ہے۔ لیکن مٹی انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے۔

ابہت تو جبر ہے کہ زمین کی مٹی مکمل طور پر پاک و پاکیزہ ہو۔ جیسا کہ قرآن اس کی حبیب و غریب تعبیر لفظ "طیباً" سے کرتا ہے۔ یہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس سے وہ مصید "مراوہ" جو مادہ "صعود" سے بیاگیا ہے۔ یعنی بہتر ہے کہ اس کام کے لیے وہ مٹی چنی جاسے جو سطح زمین پر سورج کی تپش اور اس کی روشنی کی ذریعہ جو اور ہوا اور جراثیم مارنے والے جراثیموں سے بھری ہوئی ہو۔ اگر اس قسم کی مٹی پاک و پاکیزہ بھی ہو تو اس سے تیم مندرجہ بالا اثرات رکھتا ہے اسورۃ مائدہ کی آیت ۶ کی ذیل میں اسکا سلسلہ میں مزید بحث کی جائے گی۔

۳۳۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اَوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ  
وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِیْلَ ۝  
۳۴۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَاۤیْكُمْ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَلِیًّا ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ  
نَصِیْرًا ۝

ترجمہ

۳۳ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں خدا کی کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا تھا (اس کی بجائے کہ وہ اس سے اپنی اور دوسروں کی ہدایت کریں) اس سے اپنے لیے گمراہی خریدتے ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی گمراہ ہو جاؤ۔  
۳۴ خدا تمہارے دشمنوں سے آگاہ ہے (وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے) لہذا کافی ہے کہ خدا تمہارا ولی ہو اور کافی ہے کہ وہ تمہارا ناصر و مددگار ہو۔

تفسیر

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اَوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِیْلَ  
خداوند عالم اس آیت میں تعجب آمیز عبارت سے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرماتا ہے فرماتا ہے: اس



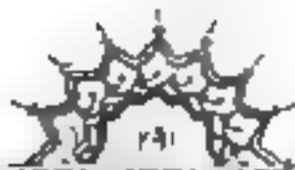
گروہ کی حالت میں ان کن ہے جو کتاب آسمانی کا کچھ حصہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ لیکن یہاں اس کے گروہ اس کے ذریعے اپنے اور دوسروں کے لیے ہدایت و سعادت حاصل کرتے، گراہی کا راستہ پٹا تھے یہی اور تمبار سے یہ بھی چاہتے ہیں کہ گراہ ہو ہاؤ۔ اس طریقے سے وہ چیز جو خود ان کے لیے اور دوسروں کے لیے ہدایت کا ذریعہ تھی، ان کی بڑی بیعتوں کی وجہ سے گراہی اور وسیلہ گراہی میں بدل گئی ہے۔ یہ گروہ کبھی حقیقت کی تلاش میں کوشاں نہیں تھے۔ بلکہ ہر چیز کو نفاق، حسد اور ہدایت کی سیاحہ بینک سے دیکھتے ہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے: ایوگ اگرچہ دوستی کے لباس میں جلوہ گر ہوتے ہیں لیکن یہ دراصل تمبار سے جالی دشمن ہیں اور خدا ان سے آگاہ ہے (وہوہ الله اعلم باعد انکم)۔ اس سے بڑھ کر اور کیا دشمنی ہوگی کہ وہ کبھی غیر گراہی کے بیسے میں اور کبھی بدگونی کی زبان میں تمباری ہدایت اور سعادت کی مخالفت کرتے ہیں اور بروقت اپنے بے متاسد کی تکمیل کے واسطے یہی لیکن تمہاں کی دشمنی سے زنگبراء۔ تم ایسے نہیں ہو۔ یہی کافی ہے کہ خدا تمہارا رہبر ولی اور مددگار ہے۔ کوئی باغشاید کوئی بالغہ نصیحت دیکھو کہ وہ کچھ ذکر سکین گئے۔ اگر تم ان کی باتوں کو پاؤں کے نیچے روند دو تو کسی قسم کا ڈر نہیں ہے۔

ضمناً: اور کو نصیب من فکے نبیہ کتاب کا کچھ حصہ نہیں دیا گیا ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس جو کچھ تھا وہ مکمل رسالہ تھا "تورات"۔ واقعی بلکہ اس کا کچھ حصہ تھا اور یہ بات تسلیم شدہ تاریخی حقائق کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے۔ یہ گروہ تورات کے بہت سے اصل معنی یا تو وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ بدلتے گئے یا وہ بالکل زیست و نابار کر دیئے گئے تھے۔

۴۶۔ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمِعْ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَارِئْنَا لِيَا بَالِيسَتِهِمْ وَطَعْنَا فِي الدِّينِ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمِعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمًا وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

ترجمہ

۴۶۔ بعض یہودی تورات کے کچھ فقرہوں کو ان کے مقام سے بدل دیتے تھے اور (بجائے اس کے یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی) یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور مخالفت کی اور نیز کہتے کہ سنو کہ ہرگز نہ سنو اور (بطور طنز کہتے) "ارغنا۔ یعنی) ہمیں بے وقوف بناؤ یہ اس لیے ہے تاکہ وہ اپنی زبان سے حقائق کو بدل ڈالیں اور دین خدا پر طعن و تشنیع کریں لیکن اگر وہ (اس ہٹ دھرمی اور اصرار کی بجائے) یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی اور ہمارے بات کو سنو اور ہمیں مہلت دو تاکہ ہم حقائق کی ترمیم سیکھیں (تو یہ بات ان کے نفع میں تھی اور حقیقت کے ساتھ سازگار تھی۔ لیکن خدا نے انہیں ان



کے کفر کی وجہ سے اپنی رحمت سے محروم کر دیا۔ اس لیے ان میں سے تھوڑے لوگوں کے سوا ایمان نہیں لائیں گے۔

## تفسیر

### یہودیوں کے کردار کا ایک اور نسخہ

یہ آیت گذشتہ آیتوں کے بعد بعض دشمنانِ اسلام کی کپہ اور مفتوں کی تشریح کرتی ہے اور ان کے بعض اعمال کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ پہلے یہ بتاتی ہے کہ ان کا کام عتاقی کی تعریف اور احکامِ خدا کے چہرے کو مسخ کرنا تھا (من الذین ہادوا یحرفون الکلم علی وجہہ) یہودیوں کا ایک گروہ کلماتِ خدا کو ان کی جگہ سے تبدیل کر دیتا تھا یہ تعریف نہ معلوم نقلی تھی کہ معنوی بلکہ بعد کے چلے جاتے ہیں کہ یہاں تعریف سے مراد تعریفِ نقلی اور تفسیرِ عبادت ہے کیونکہ اس جگہ کے بعد فرماتا ہے (و یقولون مسینا و معصینا) ہم نے سنا اور فرماں کی پیروی کی ہے اس کے بعد مسینا و اطعنا یعنی ہم نے سنا اور اطاعت کی کہیں کہتے ہیں ہم نے سن کر مخالفت کی اور یہ بالکل ان لوگوں کی طرح ہے جو بعض اوقات بطور استہزاء کہتے ہیں "آپ کا کہنا اور ہمارا بات پر کان نہ دھرنے" ثنایت کے دوسرے بجے بھی اسی مطلب کی گواہی دیتے ہیں۔

اس کے بعد ان کی عداوتِ آمیز جہارت اور بے ادبی کی تشکو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ کہتے ہیں: و اجمع غیر مسیح منکر کہیں نہ منو اور اس طرح وہ ایک نادان اور جاہلی گروہ بن کر عتاقی کو بدلنے اور کتبِ آسمانی میں خیانت کرنے میں مصروف ہیں حالانکہ یہ کتابِ آسمانی فرعون جیسے ظالم و جاہل کے ہنگل سے ان کی نہات کا حاصل ہے۔ انہوں نے استہزاء اور مسخ و ہجو جیسے ناموزان حربے اختیار کر رکھے ہیں یہ حربے ہٹ و حرم اور فرو کرنے والوں کا ہتھیار ہیں نہ کہیں ان باتوں کے علاوہ پاک دل مسلمانوں کے بعض جملوں سے جو وہ حضرت رسالتِ مآبؐ کی خدمتِ اقدس میں عرض کرتے تھے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے ان جملوں کو دوسرے مطالب و معانی کا لباس پہنا کر استہزاء اور تمسخر کے طور پر استعمال کرتے تھے مثلاً "واعنا" جس کے معنی ہیں ہم سب سے رعایت کیجئے اور ہمیں جہالت دیکھئے۔ یہ سچے مسلمان دعوتِ اسلام کی ابتداء میں اس بنا پر کہ زیادہ اچھے اور بہتر طریقے سے آپؐ کی باتوں کو سنیں اور دل میں جگہ دیں حضرت رسولؐ کے سامنے ایسے جملے عرض کرتے لیکن یہودیوں کا یہ گروہ اسے بگاڑ کر حضورؐ کے سامنے آئے دھرتا تھا۔ اس نقطہ سے ان کی مراد اس کا عبرانی معنی تھا اور وہ یہ کہ "منکر کہیں نہ منو" یا پھر دوسرے عربی معنی ہیں بے شک بناؤ۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہ ظاہر کریں کہ خاکِ بدین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام لوگوں کو اتوبناانا اور بے خبر رکھنا ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے کرتے تھے تاکہ اپنی زبان سے عتاقی کو اصلی طور سے جٹا دیں اور دینِ حق پر زبانِ حق و عز و حق اور از کریں۔

۱۔ "واعنا" اگر دینی کے مادہ سے ہو تو اس کا معنی ہے "ہم سے رعایت کیجئے اور ہمیں جہالت دیکھئے" اور اگر "دعوت" کے مادہ سے ہو تو اس کا معنی ہے "ہمیں بے وقوف بنائیے" زیادہ ہے کہ پہلی حدیث میں "دعنا" میں فعل شمر کے بغیر ہوگا اور دوسری حدیث میں شد کے ساتھ یعنی روایات سے معلوم ہوگا کہ یہودی خاص طور پر فحش و فحشا دیتے تھے اور آخر پر اسے کیج کر پڑھتے تھے۔



۱ یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰتٰى الدِّيْنَ اَسْلٰى اِبْرٰهِيْمَ حَنِىؕ كَے معنی طہاب و غیرہ کو پیشتائیں اور یہاں اول بدل کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔  
 وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاٰصَعْنَا وَاَسْمَعْنَا وَفَقَرْنَا لٰكٰنَ عَجْرًا لَّهُمْ وَاَقُوْمَ  
 لیکن اگر وہ اس ہٹ و صری، اصرار، حق دشمنی اور بے ادبی کی بجائے سیدھی راہ اپناتے اور یہ کہتے کہ ہم نے خدا کا حکم سنا  
 اور ہم نے اطاعت کی آپ ہماری گزارشات سنئے اور ہم سے رعایت کیجئے اور ہمیں مہلت دیجئے کہ ہم حقائق کو سمجھ سکیں تو یہاں  
 کے فائدے میں ہوتا اور اصل نطق اور ادب کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتا۔  
 وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بَعْدَ اٰمَرٍۭٓ لَا يُوْمِنُوْنَ الْاَقِلِّيْلَا۔

لیکن وہ کفر، سرکشی اور بغاوت کی وجہ سے رحمت خدا سے دور ہو گئے ہیں اور ان کے دل اس قدر مروہ ہو چکے ہیں کہ وہ جلدی  
 زندہ اور بیدار نہیں ہو سکتے۔ ان میں صرف تھوڑے سے لوگ پاک دل ہیں جو حقائق قبول کرنے کے لیے تیار ہیں اور حق کی باتوں  
 کہنتے ہیں اور ان پر ایمان لاتے ہیں۔  
 بعض لوگ اس جملے کو قرآن کی فیسی خبروں میں سے قرار دیتے ہیں کیونکہ جس طرح قرآن اس جملے میں خبر دیتا ہے اسلام کی  
 طویل تاریخ میں یہودیوں میں سے بہت ہی کم لوگ ایمان آئے اور اسلام سے وابستہ ہوئے باقی اسی دن سے آج تک اسلام  
 سے برسرِ و کار ہیں۔

۴۷- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ  
 مِّنْ قَبْلِ اَنْ تَطْمِئِنَّ وُجُوْهُكُمْ فَتَرْذَلُوْا عَلٰى اَدْبَارِهِمْ اَوْ تَلْعَنُوْهُمْ كَمَا  
 لَعَنَّا اَصْحٰبَ السَّبِيْٓتِ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝

ترجمہ

۴۷ اے وہ لوگو کہ جنہیں اللہ کی کتاب دی گئی ہے! جو کچھ ہم نے (اپنے رسول پر) نازل کیا ہے اور جو ان نشانیوں سے  
 ہم آہنگ بھی ہے جو تمہارے پاس ہیں ایمان لے آؤ، اس سے پہلے کہ پیروں کو مسخ کر دیں اور پھر انہیں پشت  
 کی طرف پھیر دیں یا انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیں جیسا کہ ہم نے اصحابِ سبت کو دور کر دیا تھا اور خدا کا فرمان ہر  
 حالت میں رو بہ عمل ہو کے رہتا ہے۔

تفسیر

ہٹ و صری افراد کی سر نوشت

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ



اس بحث کے بعد جو گذشتہ آیات میں اہل کتاب کے بارے میں تھی یہاں انہی کی طرف اشارے نہ کیے گئے۔ اس سے اسے وہ لوگوں میں آسانی کتاب دی جا چکی ہے۔ قرآن مجید کی آیتوں پر ایمان لے آؤ جو کہ ان نشانیوں سے ہم آہنگ ہیں جو اس کے بارے میں تمہاری کتابوں میں موجود ہیں اور مسلم ہے کہ ان نشانیوں کی موجودگی میں تم دوسرے لوگوں کی نسبت اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہو کہ اس پاک دین کے ماننے والے بن جاؤ۔

اس کے بعد انہیں دھمکی دیتا ہے کہ اس سے پہلے کہ تم دوسراؤں میں سے کسی ایک میں گرفتار ہو جاؤ حق کے سامنے تسلیم نہ کرو۔ پہلی سزا یہ کہ تمہارے چہروں کو لگی طور پر نیست و نابود کر دیا جائے اور ان تمام اعضاء کو جن کے ذریعے تم حقائق کو دیکھتے، سنتے اور سمجھتے ہو مٹا دیں اور اس کے بعد تمہارے چہروں کو پیٹھ کی طرف پھیر دیں اور ان فطری وجوہات پر مدعا علی ادہا (شاید یا دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس جگہ سے مراد عقل و دہش، انکھ اور کان کا حقائق و واقعات زندگی کو سمجھنا اور صراط مستقیم سے روگردانی کے لحاظ سے بیکار ہو جانا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اس سے مراد ان کے چہروں کا راہ راست و ہدایت ہو کہ ان کو پشت کی طرف پھیرنے سے مراد گمراہی ہے۔

اس کی وضاحت یوں ہے کہ اہل کتاب خصوصاً یہودیوں نے ان تمام واضح نشانیوں کے باوجود حق کے سامنے سر نہ جھکایا اور جان بوجھ کر خدا اور وحی کے لیے آمادہ ہو گئے اور مختلف مقامات پر دانستہ طور پر خلاف بیانی اور مخالفت کی کڑا کی اور آہستہ آہستہ یہ ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی، گویا ان کے افکار کی طور پر سنخ اور ان کی آنکھیں اور کان اندھے بہرے ہو گئے۔ اس قسم کے لوگ زندگی کی راہ میں ترقی کرنے کی بجائے پچھلے پاؤں پلٹ جاتے ہیں اور جو جان بوجھ کر حق کا انکار کرتے ہیں ان کو یہی سزا ہے۔

حقیقت میں یہ سورہ بقرہ کی آیت ۷۷ کے مشابہ ہے۔ اس بنا پر "طس" اور پشت کی طرف لوٹنے سے مراد غمگینی، رومانی اور معنوی طور پر پشت کی طرف پلٹنا ہے۔

باقی رہی دوسری سزا جس کی انہیں دھمکی دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ انہیں اصحابِ نبوتؑ کی طرح اپنی رحمت سے دور کر دے گا (او فلعنہم وکما لعنا اصحاب السبت)۔

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے کہ ان دونوں دھمکیوں میں کیا فرق ہے لفظ "او" کے ساتھ جس کے معنی "یا" ہیں ان میں سے ایک یا پھر یہ دوسرے پر عطف ہے۔

۱۔ "طس" کے معنی میں کسی چیز کے آثار کو نہ دینا مثلاً اگر کسی عمارت کو دیوانہ کر دیں اور اس کی جگہ بالکل صاف کر دیں اور ساتھ عمارت کے آثار کو ختم کر دیں۔ لیکن کیا یہ کے طور پر اس چیز کو بھی کہا جاتا ہے جس کا اثر اور خاصیت ختم ہو جائے۔

۲۔ جمع ایمان جلد ۲ صفحہ ۵۷۸ مذکور کے ذیل میں۔ ۳۔ اصحابِ نبوت کے بارے میں تفصیل سرورِ اعراف آیت ۱۰ تا ۱۲ کے ذیل میں آنے لگی ہے۔ یہودیوں کا ایک گروہ تھا جسے حکم دیا گیا تھا کہ جنت کے درگاہ کج رکھے لیکن ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کے فرمان کی مخالفت کی اور ماہی گیری کرتے رہے اور یطیان و سرکنی میں آخری حد تک جا پہنچے اور آخر کار وہ ناک انجام دے دو جا رہے تھے۔



بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ پہلی دھمکی سنوئی پہلورکتی ہے اور دوسری دھمکی ظاہری اور سنخ جہانی کا پہلورکتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا اس آیت میں فرماتا ہے جس طرح ہم نے اصحابِ بہت کو اپنی رحمت سے دور کیا تھا ان کو بھی اپنی رحمت سے دور کر دیں گے۔ ہم جانتے ہیں جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ سورۃ اعراف میں آئے گا کہ اصحابِ بہت ظاہری طور پر سنخ ہوئے تھے۔ بعض دوسرے لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ یہ لعنت اور خدا کی رحمت سے دوری بھی اس فرق کے ساتھ سنوئی پہلورکتی ہے کہ پہلی دھمکی اعراف، ثمرای اور پشت کی طرف لپٹنے کی طرف اشارہ ہے جب کہ دوسری دھمکی کے معنی ہلاکت اور نیست و نابود ہونا ہیں کیونکہ لعنت کے ایک معنی ہلاکت بھی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ پہلی کتاب اصرار اور مخالفت حق پر ڈلے رہنے کی وجہ سے شکست کھائیں گے یا نیست و نابود ہو جائیں گے۔ ایک اور سبب بھی سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا ان کے بارے میں یہ دھمکی عمل میں لائی گئی کہ نہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی دھمکی ان میں سے بہت سہل کے بارے میں اور دوسری بعض کے بارے میں عمل میں آچکی ہے۔ اسلامی جنگوں میں ان کی بہت بڑی جماعت تباہ و برباد ہو گئی اور ان کی طاقت ختم ہو گئی۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ اس کے بعد بھی مختلف ملکوں میں بہت سخت جنگی اور مشکلات سے دوچار ہوئے اور ان کے بہت سے لوگ مارے گئے اور وہ اس وقت بھی بہت ہی کج رہے اور خطرناک حالات میں زندگی گزار رہے ہیں۔

آیت کے آخر میں ان دھمکیوں کی تاکید کے طور پر فرماتا ہے افرانِ خدا ہر حال میں دوہر عمل ہو گا اور اسے کوئی طاقت بھی نہ روک سکے گی (وکان امر اللہ مفعولاً)۔

۴۸۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ  
وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝

ترجمہ  
۴۸۔ خدا کسی شرک کو نہیں بخشتے گا اور اس سے نیچے جو کچھ ہے وہ بے پائے ہے (بشرطیکہ وہ اہلیت رکھتا ہو) بخش دے گا اور جو کسی کو اللہ کا شریک بنائے وہ عظیم گنہگار مرتکب ہوا ہے۔

تفسیر

امید سے معمور آیت

مندرجہ بالا آیت صراحت سے بتاتی ہے کہ سب گنہگار بخشے جاسکتے ہیں لیکن شرک کسی صورت میں نہ بخشتا جائے گا اگر کسی نے چھوڑ دی تو بد کر لیں اور موصد بن جائیں۔ دوسرے لغتوں میں کوئی گنہگار بھی ایمان کو ختم نہیں کر سکتا جس طرح کہ کوئی نیک عمل بھی شرک





کی موجودگی میں انسان کو نجات نہیں دوا سکتا۔ **وَمَنْ يَشْرِكْ بِاللّٰهِ يَصِفْهُ اللّٰهُ بِمَا يَشَاءُ**۔

اس آیت کا ربط گزشتہ آیات کے ساتھ اس لحاظ سے ہے کہ یہ دو نصاریٰ میں سے ہر ایک، ایک طرح سے مشرک تھے۔ قرآن اس آیت کے ذریعے طور سے خبردار کرتا ہے کہ وہ اس عقیدے کو ترک کر دیں کیونکہ یہ ایمان دہ ہے جو ہنشا نہیں جاسکتا۔ اس کے بعد آیت کے آخر میں اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: جو شخص خداوند عالم کے لیے شریک قرار دے اس نے بہت بڑا گنہگار کیا ہے **وَمَنْ يَشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هَضَمَ هَتْرَىٰ عَظِيمًا**۔

یہ آیت ان آیتوں میں سے ہے جو مومنین کو پروردگار عالم کے صفت و کرم سے اطمینان اور امید دلاتی ہیں کیونکہ اس آیت میں خدا نے مشرک کے علاوہ باقی گناہوں کی بخشش کا امکان بیان کیا ہے اس دعایت کے مطابق جو ہر سی مروج نے مع ایمان ہی صحت امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے نقل کی ہے یہ آیت آیات قرآن میں سب سے زیادہ امید افزا ہے۔

صافی القرآن آیت: **وَمَنْ يَشْرِكْ بِاللّٰهِ يَصِفْهُ اللّٰهُ بِمَا يَشَاءُ**

اور ابن عباس کے بقول یہ آیت ان آیات میں سے ہے جو اہل ایمان کے لیے ہر اس چیز سے عزیز تر ہے جس پر سورج کی روشنی پڑتی ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو بڑے بڑے گنہگار ہوتے ہیں اور ہر چیز سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خدا تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں اور وہ اسی بنا پر اپنی بقایا زندگی میں بخشش سے ناامید ہو کر گناہوں کی دلدل میں گھسنے جاتے ہیں۔ خدا کی بخشش اور حضور درگزر کی امید ہی وہ موثر ذریعہ ہے جو انہیں گناہ اور سرکشی سے باز رکھ سکتا ہے۔ اس لیے یہ آیت حقیقت میں ہماری راہنمائی ایک تربیتی مسئلے کی طرف کرتی ہے۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مسخرین اور متعدد روایات کے مطابق جو اس آیت کی ذیل میں نقل کی گئی ہیں، جرائم پیشہ اور وحشی افراد مثلاً اسلام کے رشید سپہ سالار حضرت حمزہ بن حضرت عبدالمطلب، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کا قاتل تک اس آیت کے نازل ہونے پر ایمان سے آٹا ہے اور جرائم سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے، تو دوسرے گناہگاروں کے لیے بھی یہ امید پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوں اور جو گناہ وہ کر چکے ہیں اپنے آپ کو اس سے زیادہ آلودہ گناہ نہ کریں۔

اس موقع پر شاید یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ آیت گناہوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے کیونکہ اس میں مشرک کے علاوہ باقی سب گناہوں کی بخشش کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ اس بخشش کے وعدے کا مقصد اپنا وعدہ نہیں ہے جس میں کوئی شرط اور پابندی نہ ہو بلکہ یہ ان افراد کے لیے ہے جو بخشش کی قابلیت اور اہلیت ظاہر کریں جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے مشیت اور خدا کی بخشش کا ذکر اس آیت میں اور دوسری آیتوں میں ہوا ہے حکمت الہی کے معنی میں ہے۔ کیونکہ خدا کی مشیت اور خدا کی حکمت سے جدا نہیں ہوتی اور یہ مسلم ہے کہ اس کی حکمت کا ہرگز یہ تقاضا نہیں ہے کہ وہ یاقوت اور استعداد کے بغیر کسی کو حضور بخشش کا مستحق قرار دے۔ اس بنا پر اس آیت کو تربیتی اور اصلاحی پہلو اس سے غلط فائدہ اٹھانے کی نسبت گئی گناہ ہے۔

لے غلط فہمی سے ہے، ہر ذلن فرد، قطع کرنے کے معنی میں ہے۔ اب اگر کسی سالم چیز کا کچھ حصہ کاٹ دیں تو وہ خراب ہو جاتی ہے۔ اس لیے بڑے کام مثلاً مشرک اور جھوٹ کو بھی افراہتے ہیں۔



## گناہوں کی بخشش کے اسباب

یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ مستند جہالاتِ مسئلہ توبہ سے ربط نہیں رکھتی۔ کیونکہ توبہ اور ترکِ گناہ تو شرک سمیت تمام گناہوں کو دھو داتا ہے۔ بلکہ اس سے مراد ایسے لوگوں کے لیے اسکانِ عزاہلی ہے جنہیں توبہ کی توفیق نہیں ہوئی۔ یعنی اس سے پہلے کہ وہ اپنے کیے ہوئے گناہوں پر پشیمان ہوں یا پشیمانی کے بعد اپنے بُرے اعمال کی تلافی سے پہلے دنیا سے اٹھ جائیں۔  
اس کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ قرآن کی بہت سی آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کی بخشش کے کئی ایک ذریعے ہیں جن کا خلاصہ پانچ موضوعات میں کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ توبہ: گذشتہ گناہوں پر پشیمانی اور آئندہ گناہوں سے اجتناب کے بغیر ارادے کے ساتھ مردِ مستقیم پر گامزن ہونا اور بُرے اعمال کی نیک اعمال کے ذریعے علیٰ طہر پر تلافی کرنا۔ جو آیات اسی معنی پر دلالت کرتی ہیں بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے ایک آیت یہ ہے:

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ

وہ خدا وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کی بخشش دیتا ہے۔ (شوریٰ: ۲۲)

۲۔ بہت زیادہ نیک کام کرنا۔ یہ بھی بُرے اعمال کی بخشش کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے:

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ

نیک کام کچھ گناہوں کو ختم کر دیتے ہیں۔ (ہود: ۱۱۴)

۳۔ شفاعت: اس کی تفصیل تفسیرِ سورہ کی جلد اول میں آچکی ہے۔

۴۔ گناہانِ کبیرہ سے پرہیز کرنا: یہ بھی گناہانِ صغیرہ کی بخشش کا سبب بن جاتا ہے۔ اس کی تشریح اسی سورہ کی آیت ۳۱ اور ۳۲ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

۵۔ عفوِ خداوندی: یہ بھی بعض صاعب استعداد افراد کو میسر آتی ہے جیسا کہ ہم اسی آیت کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں۔

اب ہم دوبارہ یاد دلاتے ہیں کہ عزاہلی اس کی مشیت کے ساتھ مشروط ہے۔ یہ کوئی عمومی اور بلا تئید و شرط مسئلہ نہیں ہے۔ اس کی مشیت اور ارادہ صرف ایسے افراد کے بارے میں ہے جو علیٰ طہر پر کسی نہ کسی طریقے سے اپنی قابلیت اور اہلیت ظاہر کرتے ہیں۔

یہاں سے واضح ہو جاتا ہے کہ شرک کیوں قابلِ عفو و بخشش نہیں ہے۔ کیونکہ شرک اپنا دارِ ابط خداوندِ عالم سے بالکل تڑپا ہے اور ایسے بُرے فعل کا مرتکب ہوتا ہے جو تمام ادیان اور فطرت کے قوانین کی بنیاد کے خلاف ہے۔

۴۹۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ بِاللّٰهِ يَزِيْكَى مَنْ يَّشَاءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فِتْيَلًا ۝



۵۔ اَنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَكَفَى بِهِ  
اِثْمًا مُّبِينًا

ترجمہ

۴۴ کیا تو نے نہیں نہیں دیکھا جو اپنی تعریفیں کرتے ہیں (ان خود ستائیوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، لیکن خدا میں  
کی چاہتا ہے تعریف کرتا ہے اور ان پر حقوڑا سا بھی ظلم نہیں ہوگا۔

۵۰ دیکھئے وہ کس طرح خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ یہی واضح گناہ (ان کی سزا کے لیے) کافی ہے۔

شان نزول

بہت سی اسلامی تفاسیر میں اس آیت کے بارے میں لکھا ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے لیے کچھ خصوصیات اور امتیازات کے  
قائل تھے۔ چنانچہ آیات قرآنی میں ہے کہ یہی وہ کہتے ہیں خدا کے بیٹے ہیں، کہیں کہتے ہیں ہمارے لیے بہشت مخصوص ہے اور ہمارے سوا  
کوئی وہاں نہیں جاسکتا (مانندہ ۱۸، بقرہ ۱۱۱) یہ باتیں نازل ہوئیں اور ان کے باطل خیالات کا جواب دیا گیا۔

تفسیر

خود ستائی

المر تر الى الذين يزكون انفسهم

اس آیت میں ایک مذموم صفت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں بہت سے لوگ اور قومیں مبتلا ہیں اور وہ ہے خود ستائی۔  
اپنے آپ کو نیک پاک ظاہر کرنا اور اپنے لیے فضیلتیں گھونانا۔ آیت میں ہے کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی تعریفیں کرتے  
ہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے خدا میں کی چاہتا ہے تعریف کرتا ہے اِنَّا لِلّٰهِ يُؤْكَلُ مِنْ اِشْيَاءِهِمْ ذَوَاتُ اَقْدَاسٍ ہے  
جو حکمت و خیمت باللہ کی رو سے کسی بھی اور زیادتی کے بغیر بعض افراد کی ان کی قابیلیت، بات و راستہ اور استعداد کے مطابق مدح کرتی ہے  
اور کسی کسی شخص پر سوائی کی نیک کے برابر بھی غم نہیں کرتی۔ وَلَا يَظْلَمُونَ فَتِيلًا۔ حقیقت میں فضیلت وہی ہے جسے خداوند عالم

۵۱ بڑوں مادہ تزکیہ سے ہے جس کے معنی ہیں پاک سمجھنا اور پاکیزگی سے پہچاننا بعض اوقات پاک کہنے سے تربیت دینے اور خداوند ہدایت کے معنی میں بھی استعمال  
ہوتا ہے۔ اصل میں یہ پاک کہنے کے معنی ہیں ہے۔ اگر یہ کام علی پہلو رکھتا ہو تو پسندیدہ ہے اور اگر صرف نہانی میں فریاد ہو تو مذموم ہے۔

۵۲ فضیلت میں اس بہت ہی باریک احوال کو کہتے ہیں جو مجبور کی نفس کے خلاف میں دکھائی دیتا ہے۔ یہ بہت ہی چھٹی چیزوں کے لیے کن یہ کہہ کر  
پر استعمال کیا جاتا ہے اور دراصل یہ مادہ نفس سے ہے جس کے معنی ہیں بنا ہوا۔



فضیلت قرار دے نہ کہ وہ بے خود ستائی کرنے والے خود مرضی کی وجہ سے اپنے ساتھ چسپاں کر لیں اور یوں اپنے پروردگاریوں پر غم کریں۔ اگرچہ روئے سخن قوم یہود و نصاریٰ کی طرف ہے جو بغیر کسی دلیل کے غلط طور پر اپنے حق میں بعض امتیازات و خصوصیات کے قائل تھے اور اپنا تعارف محض قوم و ملت کی حیثیت سے کراتے تھے۔ کسی کہتے:

لن نعلم النار الا اياما معدودة  
یعنی چند دنوں کے سوا جہنم کی آگ ہمیں برگز نہیں چوسکتی۔ (بقرہ - ۸۰)  
کبھی کہتے:

نحن ابناء الله واحبائه

ہم خدا کے بیٹے اور محبوب ہیں۔ (مائدہ - ۱۸)

لیکن یہ بات کسی قوم اور گروہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ تمام افراد اور قومیں اس میں شامل ہیں جن میں یہ بُری عادت پائی جاتی ہے۔

قرآن مجید سورہ نجم آیہ ۳۲ میں صراحت کے ساتھ سب مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے:

هَلَّا قَدْ كُنَّا اَفْئِسَّكُمْ هُوَ اعْلَمُ بِعَمَلِ الْاِنْفِی

خود ستائی نہ کرو، خدا پر ہیزگاروں کو خوب پہچانتا ہے۔

اس کا سرچشمہ وہی خود بینی، غرور اور کھمنڈ ہے جو ابستہ بہستہ خود ستائی کا روپ دھارتا ہے۔

افسوس ہے کہ یہ بری عادت بہت سی قوموں و ملتوں اور افراد میں پائی جاتی ہے اور بہت سی معاشرتی بدعالیوں، لڑائی جھگڑوں اور تفریق طلبیوں کا سرچشمہ یہی بنیادی ہے۔ گزشتہ تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی بعض قومیں اسی جھوٹے امر کی برتری کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسری قوموں سے بالا تر سمجھتی تھیں اور اسی سبب سے خود کو اس امر کا مقدار جانتی تھیں کہ انہیں اپنا غلام بنالیں۔ زمانہ جاہلیت کے عرب ہر قسم کی پس ماندگی اور فقر و فاقہ کے باوجود اپنے کو اعلیٰ نسل شمار کرتے تھے اور ان کے قبیلوں میں سے ہر ایک قبیلہ اپنے کو سب سے بڑھ چڑھ کر سمجھتا تھا جو جوہ دور میں جرمن قوم یا نسل اسرائیل کی تفریق طلبی اور اپنی بڑائی کا احساس ملاقاتی اور مانگیر جنگوں کا سرچشمہ بنی ہے۔ یہود و نصاریٰ صد اسلام میں بھی دوسروں کی نسبت اسی قسم کے وہم میں گرفتار تھے۔ اسی لیے وہ عتاتی اسلام کے سامنے بڑی مشکل سے سر جھکانے کے لیے تیار ہوتے تھے۔ اسی بنا پر زیر نظر آیت میں قرآن شہادت سے اس قسم کے توہمات اور برتری کی خواہشات کی سرکوبی کرتا ہے اور اسے افرا، خدا پر جھوٹ باندھنا اور بڑا گناہ شمار کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے: **وَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ اَعْلٰی كَذٰبٌ وَّكُفْرٌ هُمْ اَعْلٰی** یعنی وہ کس طرح جھوٹے فضائل بنانے اور ان کو خدا کی طرف منسوب کرنے کے ذریعے خدا پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اگر انہوں نے اس گناہ کے علاوہ اور کوئی گناہ نہ بھی کیا ہو تو یہی ان کی سزا کے لیے کافی ہے۔

حضرت امیر المومنین علیؑ اپنے مشہور خطبہ صحام میں پرہیزگاروں کی متنازعہ و مخصوص مغفرتوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

لَا يَرْضَوْنَ مِنْ اَعْمَالِهِمُ الْقَلِيلَ وَهِيَ تَكْثُرُونَ الْكَثِيرَ وَفَهُمْ لَا فَضْلَ لَهُمْ مُسْتَلْهِمُونَ وَمِنْ اَعْمَالِهِمْ



مشفقون اذ ان کی امداد منہم خوف معاذ اللہ لہ فیقول انا اعلم بنفسی من غیرہ و رب اعلم  
بمن نفسی اللہ لا توأخذنی بما یقولون و جعل فی افضل مما یظنون و اعترانی ما لا یعلمون ۔

وہ کسی اپنے حق سے حل پر راضی نہیں ہوتے اور کسی اپنے زیادہ حل کو بڑا نہیں سمجھتے ۔ وہ اپنے آپ کو ہر  
حالت میں فرائض کے اہم ہونے کو یاد رکھتے ہیں اور اپنے اعمال سے خوف زدہ رہتے ہیں ۔ جب کوئی ان کی  
تعریف کرتا ہے تو جو کچھ وہ ان کے بارے میں کہتا ہے اسے سن کر انہیں وقت ہونے لگتی ہے کہ میں اپنی حالت  
کو دوسروں کی نسبت بہتر مانتا ہوں اور خدا مجھے مجھے بہتر مانتا ہے ۔ پائے دے اسی تعریف کے بدلے میں  
جو تعریف کرنے دے میرے بارے میں کرتے ہیں میری جواب ملی ڈکنا اور مجھے اس سے بھی زیادہ جوہر لگان  
کئے ہیں بلند و بالا اور ہر تر قرار دے اور میری وہ خطائیں جو ان کے علم میں نہیں ہیں بخش دے ۔

۵۱۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اَوْتُوا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتَابِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجُبُتِ  
وَالطَّاغُوتِ وَیَقُولُوْنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ  
اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ۝

۵۲۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَهُمْ یَلْعَنُ اللّٰهُ فَلَیِّنْ تَجِدَ لَهُ نَصِیْرًا ۝

ترجمہ  
۵۱۔ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں خدا کی کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے کہ وہ اس کے باوجود جبت و طاغوت  
ابت اور بت پرستوں پر ایمان رکھتے ہیں اور مشرکین سے کہتے ہیں کہ ہم ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں زیادہ  
ہدایت یافتہ ہیں ۔

۵۲۔ وہ ایسے لوگ ہیں خداوند عالم نے جنہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور جسے خدا اپنی رحمت سے دور کر دے  
اس کا تجھے کوئی بھی مددگار نہیں ملے گا ۔

شان نزول

اکثر مشرکین منہم جو بالا آیتوں کی شان نزول کے بارے میں کہتے ہیں کہ جنگ امد کے واقعے کے بعد یہودیوں کے بزرگوں  
میں سے ایک شخص جس کا نام کعب بن اشرف تھا ستر آدمیوں کے ہمراہ مکہ کو آیا تاکہ رسول اکرم کے خلاف اہل مکہ سے جہد و  
جہان کرے اور جو معاہدہ حضور کے ساتھ تھا اسے توڑ دے ۔ کعب ابوسفیان کے گھر گیا ۔ ابوسفیان نے اس کا بڑا احترام کیا ۔



باقی یہودی قریش کے مختلف گھروں میں الگ الگ مہمان رہے اہل مکہ میں سے کسی نے کعب سے کہا کہ تم بھی اہل کتاب ہو اور محمد بھی صاحب کتاب ہیں حقیقت یہ ہے کہ ہمیں یہ شک ہے کہ یہ ایک سازش ہے جو ہمیں ختم کرنے کے لیے کی جا رہی ہے، اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ہم آپس میں جھگڑا پیدا کریں تو یہی ضروری ہے کہ ان دو بتوں (دو بڑے بتوں کی طرف اشارہ کیا) کو سبھ کر دو اور ان پر ایمان لے آؤ تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد کعب نے اہل مکہ سے یہ پیش کش کی کہ تم میں سے اور میں انفرادی ہم میں سے غارت کعبہ کے پاس جاتیں اور اپنے حکم غارت کعبہ کی دیوار سے لگا کر کعبہ کے پروردگار سے عہد کریں کہ ہم غارت کعبہ کرنے میں کوئی کام نہیں کریں گے۔ غرضی یہ پروگرام بے پایاں تھا۔ آخر میں ابوسفیان نے کعب کی طرف رخ کر کے کہا: تو ایک پڑھ لکھ آدمی ہے اور ہم جاہل اور ان پڑھ ہیں، تیرے خیال میں ہم - اور تمہ - میں سے کون حق سے زیادہ نزدیک ہے۔

کعب نے کہا: اپنا دین میرے سامنے تفصیل سے بیان کرو۔

ابوسفیان نے کہا: ہم عابیوں کے لیے بڑے بڑے اونٹوں کی قربانی کرتے ہیں انہیں پانی پلاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، قیدیوں کو آزاد کرتے ہیں۔ سلا بھی کرتے ہیں۔ اپنے پروردگار کے عہد کو آباد کرتے ہیں۔ اس کے گروہ طواف کرتے ہیں اور ہم سرزمینِ مکہ میں افشکے اہل ہیں۔ لیکن تمہ اپنے بزرگوں کے دین سے دست بردار ہو گیا ہے۔ اس نے اپنے رشتہ داروں سے قطع رجمی کی ہے۔ خدا اور تمہاری دین سے نکل گیا ہے اور تمہ کا دین نیا اور نرغیر ہے۔

اس پر کعب نے کہا: خدا کی قسم تمہارا دین تمہارے دین سے بہتر ہے۔

اس وقت مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں اور ان باتوں کا جواب دیا گیا۔

## تفسیر سازشی لوگ

پہلی آیت اس شانِ نزول کو پیش نظر رکھتے ہوئے جس کا ذکر ابھی ابھی کیا گیا ہے یہودیوں کی ایک اور نا پسندیدہ صفت کی تصویر کشی کرتی ہے کہ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے ہر گروہ کے ساتھ سازشیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے بت پرستوں کو خوش کرنے کے لیے بتوں کے سامنے سبھ بھی کر دیا اور جو کچھ انہوں نے عظمتِ اسلام اور صفاتِ پیغمبرؐ دیکھی اور پر حسی تھیں انہیں نظر انداز کر دیا۔ یہاں تک کہ بت پرستوں کو خوش کرنے کے لیے ان کے بے ہودہ اور پراپیٹوں سے معمور مذہب کو اسلام سے بہتر قرار دے دیا باوجودیکہ وہ اہل کتاب تھے اور بت پرستوں کی نسبت اسلام سے ان کے مشترک مسائل کہیں زیادہ تھے۔ اسی لیے آیت بطور تعجب بیان کرتی ہے: کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو کتابِ خدا کا کچھ حصہ رکھنے کے باوجود بتوں کے سامنے سبھ کرتے ہیں اور بائیسوں اور سرکشوں کے ساتھ اظہارِ ایمان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ الذین اوتوا نصیباً من الکتاب یؤمنون بالغیب والظنون۔

اس پر بھی قناعت نہیں کی بلکہ انہوں نے کافروں سے کہا کہ تمہارا ستر مسلمانوں کی نسبت ہدایت سے زیادہ قریب

ہے (و یقولون للذین کفروا هؤلاء اهدى من الذین آمنوا سبیلاً)۔



## جہت و طاغوت

لفظ "جہت" قرآن مجید میں صرف اسی آیت میں استعمال ہوا ہے۔ یہ اسم جامد ہے اس کے مشتقات نہیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ دراصل یہ حبشی زبان کا ایک لفظ ہے جو "جادو" "جادوگر" یا شیطان کے معنی میں ہے۔ پھر عربی زبان میں اگر اس معنی میں یا "بت" نیز "خدا" کے علاوہ ہر جہود کے لیے استعمال ہونے لگا لگاتا ہے کہ یہ اصل میں ہمیں "حق" اس کے بعد اس کی "س" "ت" سے بدل گئی۔ لفظ "طاغوت" قرآن میں آٹھ مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ اس کی تفسیر پہلی جلد میں سورہ بقرہ کی آیت ۲۵۰ کی ذیل میں آچکی ہے کہ یہ طغیان کے مادہ سے جہاں لفظ کا صیغہ صمد اور صمد سے تہذیب کرنے کے معنی میں آتا ہے اور اس کے مفہوم میں ہر ایسی چیز شامل ہے جو صمد سے تہذیب کرنے کا سبب بنے بن میں سے بت بھی ہیں۔ اس لیے بتوں کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

اس بنا پر شیطان، بت، جابر و متکبر عالم، خدا کے علاوہ ہر جہود اور ہر وہ راستہ جو غیر حق تک پہنچانے طاغوت کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

بائی رہا یہ کہ زیر بحث آیت میں ان دونوں لفظوں سے کیا مراد ہے تو اس بارے میں مفسرین نے مختلف تفسیریں کی ہیں بعض کہتے ہیں کہ دو بتوں کے نام ہیں جن کے سامنے مذکورہ داستان میں یہودیوں کے ایک گروہ نے سجدہ کیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ بہت کے معنی بت کے ہیں اور طاغوت کے معنی ہیں بت پرست یا بت کا مددگار جو بتوں سے باتیں کرنے کے نام پر کچھ چیزیں اور باتیں بتوں کی طرف سے نقل کرتے اور جہوت موت ان کی طرف نسبت دیتے تھے تاکہ لوگوں کو دھوکا دے سکیں یہ جو کچھ شانِ نبی اور تفسیر میں لکھا گیا ہے یہی مفہوم اس سے مناسبت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہودیوں نے بتوں کے سامنے سجدہ کیا اور بت پرستوں کے آگے جی تسلیم کر لیا۔

اس کے بعد کی آیت میں اس قسم کی سازشیں کرنے والوں کا انجام بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے اور ایسے لوگ ہیں جنہیں خداوند عالم نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور جسے خدا تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کر دے اس کا نہیں بار و بار دہراؤ گا کہیں نہیں ملے گا (اولئک الذین لعنہم اللہ ومرت یلعن اللہ فلق تجدد لہ نصیراً ۱)۔ آیت کے اعلان کے مطابق یہودی اپنی سٹیلین سازشوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھاسکے، آخر کار ناکام ہو کر شکست کھائی اور ان کے بارے میں قرآن کی پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔

مندرجہ بالا آیتیں اگرچہ ایک خاص گروہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن یہ سب سے کہ وہ انہی کے ساتھ منصوص نہیں بلکہ وہ ایسے تمام لوگوں کے لیے ہیں جو اپنے گھنیا مقاصد حاصل کرنے کے لیے اپنی حیثیت و شخصیت بلکہ ایمان و عقائد کی بازی لگا دیتے ہیں۔ اس قسم کی سازشیں کرنے والے دنیا اور آخرت میں رحمتِ خدا سے دور ہیں اور اکثر و بیشتر انہیں شکست سے دور چارہ چھوٹا پٹا

۱۔ تفسیر ابن رجب جلد سوم صفحہ ۲۵۰ اور بعض کے نزدیک یہ محض ہے۔ لیکن صفت اور صیغہ جہاں لفظ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

۲۔ تفسیر تیسران اور تفسیر روح المعانی۔





یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ مذکورہ بالا ناپسندیدہ جذبہ اس قوم میں بھی ملکِ شدت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے جس حالت میں بھی ہوں مکاری، فریب کاری اور دھوکا بازی سے سزا نہیں بخشتے۔ اسی وجہ سے وہ گذشتہ طویل تاریخ میں اور آج بھی شکست چمکتا رہا ہے۔

۵۳۔ اَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذَا الْيُتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝

۵۴۔ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَا اٰتٰهُمْ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَيْنَا اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝

۵۵۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكُفٰی بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۝

ترجمہ

۵۳۔ کیا ان یہودیوں کا حکومت میں کوئی حصہ ہے (جو وہ چاہتے ہیں کہ اس کا فیصلہ کریں) حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ لوگوں کو ان کا کوئی حق نہ دیتے (اور تمام چیزیں اپنے ہی دائرہ اختیار میں رکھتے)۔

۵۴۔ یا یہ کہ وہ لوگوں کے ساتھ (پیغمبر اور ان کے اہل بیت سے) اس کے بدلے میں جو خداوند عالم نے اپنے فضل و کرم سے انہیں مرحمت فرمایا ہے مدد کرتے ہیں۔ وہ کیوں مدد کرتے ہیں (حالانکہ ہم نے آلِ ابراہیم کو دیکھو وہ بھی اسی خاندان سے ہیں) کتاب و حکمت عطا کی اور انہیں ایک عظیم حکومت عطا کی۔

۵۵۔ ان میں سے ایک جماعت تو اس پر ایمان لے آئی لیکن ایک گروہ نے اس کے راستے میں رکاوٹ پیدا کر دی اور جہنم کی آگ کا سہارا بن کر خداوند کے لیے کافی ہے۔

تفسیر

گذشتہ دو آیتوں کی تفسیر میں لکھا جا چکا ہے کہ یہودیوں نے مکہ کے بت پرستوں کی بدروی حاصل کرنے کے لیے یہ گواہی عطا کر قریش کی بت پرستی مسلمانوں کی خدا پرستی سے بہتر ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے خود بتوں کے آگے، تھار گوارا۔ اس آیت میں ان کی یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ وہودیوں کی وجہ سے ان کا فیصلہ کوئی حیثیت اور قیمت نہیں رکھتا۔  
۱۔ وہ معاشرے میں ایسی حیثیت، مرتبہ اور قدر و قیمت نہیں رکھتے کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر سکیں۔ ان نے کبھی حکومت یا



انصاف کی خدمت انہیں نہیں سونپی کر وہ اس کام کی طرف تہم بڑھا سکیں ۱۹۔ اھل لہو نصیب من العک (اس کے علاوہ کوئی مادی، روحانی، معنوی اور باطنی طور پر لوگوں پر حکومت کرنے کی طاقت و قابلیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ ان میں دوسروں پر بھروسہ کرنے کی روح ہی نہیں۔ اگر انہیں یہ حیثیت ملی بھی جاتے تو وہ کسی شخص کو کوئی حق مینے کے لیے تیار نہ ہوں گے بلکہ تمام اختیارات اور خصائص اپنے ساتھ مخصوص کر لیں گے اذ لا یؤتوون الناس نفعا۔ شمس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ یہودیوں کا جذبہ انصاف ایسا ہے کہ وہ ہمیشہ یا تو اپنے حق میں فیصلہ دیتے ہیں یا پھر ان کے حق میں جو ان کی راہ پر گامزن ہوں، اس لیے مسلمان کسی اس قسم کی باتوں سے پریشان نہ ہوں۔

۲۰۔ اس قسم کے غلط فیصلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان سے جس کی بنا پر میں اس وجہ سے ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ وہ کفرانِ نعمت اور ظلم و ستم کی وجہ سے تمام نبوت و حکومت اپنے ہاتھ سے کھو بیٹھے ہیں۔ اس لیے وہ نہیں جانتے کہ یہ الہی منصب کسی کے سپرد کیا جائے۔ اس لیے وہ پیغمبرِ سلام اور ان کے خاندان سے جنہیں اس نعمت الہی سے نوازا گیا ہے حسد کرتے ہیں اور اس قسم کے بے بنیاد فیصلوں سے اپنی سہ کی آگ پر پانی پھیرتے ہیں (مر یحسدون الناس علی ما اوتوا من فضلہ)۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ پیغمبرِ سلام اور خاندانِ بنی ہاشم کو یہ منصب ملنے پر کیوں تعجب کرتے ہیں، پریشان ہوتے ہیں اور حسد کرتے ہیں بلکہ خداوندِ عالم نے آلِ ابراہیم کو آسمانی کتاب، حکمت و دانش اور وسیع حکومت و حضرت موسیٰ، ہسیماق اور داؤد کی دی۔ لیکن افسوس کہ تم ناخلف لوگوں نے دو قسمی معنوی اور مادی سرمدے شرارت اور قیادت و بے رحمی کے ہاتھوں ضائع کر دیئے (فقد ایتنا آل ابراہیم الكتاب والحکمة و انبیت ہر ملکاً عظیماً)۔

جو کچھ ہم تحریر کر چکے ہیں اس سے واضح ہو گیا ہے کہ "مر یحسدون الناس" میں "ناس" سے مراد پیغمبرِ اکرم اور ان کا خاندان ہے۔ کیونکہ ناس کے معنی ہیں لوگوں کی ایک جماعت۔ اور اس کا اطلاق صرف ایک شخص (پیغمبرِ سلام) پر جب تک کوئی قرینہ موجود نہ ہو جائز نہیں ہے۔ کیونکہ لفظ "ناس" اسم جمع ہے اور جمع کی ضمیر جو اس آیت میں اس لفظ کی طرف چلتی رہی ہے وہ بھی اسی معنی کی تائید کرتی ہے۔ علاوہ انہی لفظ آلِ ابراہیم، ابراہیم کا خاندان اور مراد قرینہ ہے کہ "ناس" سے مراد حضرت رسول اکرم اور آپ کے اہل بیت ہیں۔ کیونکہ قرینہ مقابل سے یہی توجہ نکلتی ہے کہ اگر ہم نے خاندانِ بنی ہاشم کو اس قسم کی عظمت و برتری دی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ ہم حضرت ابراہیم کے خاندان کو اس کی طاقت کی بنا پر معنوی اور مادی مرتبہ اور حیثیت بخش چکے ہیں۔ بہت سی روایتیں جو اہل سنت اور شیعہ کتب میں آئی ہیں ان میں یہ وضاحت موجود ہے کہ "ناس" سے مراد خاندانِ پیغمبر ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کے ذیل میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں رسول، انبیاء اور پیغمبرانے ہیں ۱۱ اس کے بعد خداوندِ عالم یہودیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے، اتم اس کا تو اعتراف کرتے ہو لیکن آلِ محمد کے بارے میں انکار

۱۱۔ غیرادۃ تعزیراً و تعزیراً سے ہے اس کو مطلب ہے کہ میرا اس حد کو نکال کر کار میں کو خواہ اور سراغ ہو جائے اور مقدار چوٹے کو بھی اسی لیے خدا کہتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں کہ غیر بہت چھوٹا سا گواہ ہوتا ہے جو مجبور کی پشت پر دکھائی دیتا ہے اور دو تربیت ہی چھوٹی چیزوں کے لیے کافی ہے۔





کے عنوان سے نظر آتی ہیں جو اس قسم کی بیماریوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ ہبرانِ اسلام سے مروی روایات میں یہی بات بیان کی گئی ہے، ایک روایت میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

صحة الجسد من قلة الحسد

تندرستی جسد کی کمی کی وجہ سے ہے۔

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

العجب لفقلة الحساد عن سلامة الجسد

تعجب ہے کہ حسد کرنے والے اپنے جسم کی سلامتی سے بالکل غافل ہیں۔

یہاں تک کہ بعض احادیث میں ہے کہ حسد مسود کو نقصان پہنچانے سے پہلے ماسد کو نقصان پہنچاتا ہے اور آہستہ آہستہ اسے مار ڈالتا ہے۔

۴۔ حسد باطنی اور روحانی طور پر وسعتِ قلب و فکر کی کمی، نادانی، ایمان کی کمزوری، کوتاہ فکری اور نقص کی نشانی ہے، کچھ عوام اسے دراصل اپنے آپ کو مسود کے مرتبہ تک پہنچنے سے عاجز پاتا ہے۔ اسی لیے وہ مسود کو پیچھے دھکیلتے کے لیے ایڑی چولی کا زور لگاتا ہے اس کے علاوہ وہ علیٰ طور پر خداوندِ عالم کی محنت پر جو ان نعمتوں کا اصل سرچشمہ ہے، اعتراض کرتا ہے اور خداوندِ عالم کی طرف سے نعمتیں پانے والوں پر انگلیاں اٹھاتا ہے۔ اسی لیے حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

الحسد اصله من عصى القلب والنجمود لفصل هذه تعالى وهما جناحان للكفر وبالحد

وقع ابن آدم في حسرة الابد وهلك مهلكا لا ينجو منه ابدا

صداور بدخواہی دل کی تاریکی اور اندھا پن ہے اور اس کا سرچشمہ خدا کی نعمتوں کا انکسار ہے اور یہ دونوں اہلِ کاندھا پن اور خدا کی بخشش پر اعتراض، کفر کے دو پہ ہیں۔ حسد کے سبب سے فرزندِ آدم جہنم کی حسرت میں ڈوب گیا اور ایسی ہلاکت میں گرا ہے جس سے ہرگز رہائی حاصل نہیں کر سکتا۔

خداوندِ عالم قرآن میں فرماتا ہے:

سب سے پہلا قتل جو روئے زمین پر ہوا اسی کا سبب حسد تھا

حضرت امیر المومنینؑ علیؑ سے نبیؐ ابلاغ میں منقول ہے:

ان الحسد يأكل الايمان كما تأكل النار الحطب

حسد ایمان کو آہستہ آہستہ اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ دھیرے دھیرے لکڑیوں کو کھا جاتی ہے

۱۔ مستحکم، اوما فی جلد ۲ صفحہ ۲۲۷۔

۲۔ نامہ - ۲۷۔

۳۔ نبیؐ ابلاغ خطبہ ۸۶۔



کہونکہ مسد کرنے والے کی خدا کی حکمت اور عدالت سے بدگمانی، اہستہ اہستہ بڑھتی چلی جاتی ہے اور یہی بدگمانی ہے جو اسے ایمان کی وادی سے نکال کر جہنم کے گڑھے میں ڈال دیتی ہے۔ مسد کے بہت سے روحانی، مادی، اخلاقی اور اجتماعی نقصانات ہیں۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے یہ دراصل ان کی ایک فہرست ہے۔

۵۶۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِآیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا اَکْثَمًا نَّضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ مِنْۢ بَدَلَتْ لَّهُمْ جُلُوْدًا غٰیِرَهَا لِیَذُقُوْا الْعَذَابَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ۝

۵۷۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرٰی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۙ اَللّٰهُمَّ فِیْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا ۝

ترجمہ

۵۶۔ وہ لوگ جو ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں، مقرب ہم نہیں آگ میں ڈال دیں گے۔ جب ان کی جلد جل جائے گی ہم انہیں دوسری جلد دیں گے تاکہ وہ سزا کا مزہ چکھتے رہیں۔ خدا تو انتقام اور حکیم ہے (وہ گنہگاروں کے مطابق سزا دے گا)۔

۵۷۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ مقرب با نعمات بہشت میں داخل ہوں گے، جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور انہیں ایسے گھنے سایوں میں رہے جائیں گے جو مشعل نہ ہوں گے۔

تفسیر

گذشتہ آیتوں کے بعد ان دو آیتوں میں ایماندار اور بے ایمان کے انجام کی وضاحت کی گئی ہے۔ پہلی آیت اعلان کرتی ہے کہ ہم کافروں کو آگ میں ڈالیں گے اور جس وقت ان کے بدن کی کھال جل جائے گی تو دوسری کھال لگا دیں گے تاکہ وہ خداوند عالم کی سزا کا دیرینہ مزہ چکھیں (اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِآیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا اَکْثَمًا نَّضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ مِنْۢ بَدَلَتْ لَّهُمْ جُلُوْدًا غٰیِرَهَا لِیَذُقُوْا الْعَذَابَ ۝)

۵۷۔ اعلیٰ کے بارے میں ڈالنے اور آگ میں پٹنے یا آگ سے گرم ہونے کے معنی میں ہے۔ نضجت کے معنی سے بھن جانے کے معنی میں ہے۔



کمال کے تبدیل ہونے کا سبب بظاہر یہ ہے کہ ممکن ہے جلد کے پل جانے کے بعد دردمسوس ہو۔ مگر اسی وجہ سے تاکہ سزا میں تخفیف نہ ہو بلکہ وہ پورے زور پہنچے اسی کے جسم پر نئی جلد پڑھادی جائے گی۔ یہ حق و عدالت کو پاؤں تلے روندنے اور خدا کے حکم سے من موڑنے پر اصرار کا نتیجہ ہے۔ آیت کے آخر میں فرماتا ہے: "خدا اسی قسم کی سزا دینے پر قادر و توانا ہے اور صاحب حکمت بھی ہے وہ خدا کے مطابق سزا دیتا ہے" (ان الله کان عزیزاً حکیماً)۔

اس کے بعد میں آنے والی آیت میں ان افراد کو جو ایمان اور عمل صالح رکھنے والے ہیں وہ خدا کو تکبہ کر وہ انہیں بہت جلد جنت کے ان باغوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں داخل کرے گا جہاں ایک ابدی اور جاودانی زندگی ہوگی۔ اسی کے علاوہ انہیں پاک بیویاں دی جائیں گی جو ان کی روح اور جسم کی تسکین اور آرام کا سبب ہوں گی اور وہ ایسے درختوں کے سائے میں زندگی بسر کریں گے جو اس دنیا کی ہستی پھاؤں کے غلاف میں رہتے رہتے مانے ہوں گے۔ وہ نہ کسی گرمی کی بو اور سردی کی بو کا گزر نہ ہوگا والذین آمنوا وعملوا الصالحات سندخلہم جنات تجري من تحتها الانهار من فیہا ایزد کثیر وہ فیہا زوج معودہ وہ فیہا غرف عظیمہ یہ ان کی نیکو لائق تو ہے کہ ان دونوں آیتوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ اور موازنہ کرنے سے رحمتِ باری کی وسعت اور اس کی رحمت کا اسی کے غضب سے بڑھ چڑھ کر ہونا معلوم ہوتا ہے کہ نیکو پہلی آیت میں کفار کو سزا دینے کا وعدہ کرنے کے لیے فقط "سو" کا ذکر فرمایا ہے جبکہ دوسری آیت میں ایماندار افراد کے لیے "س" کے لفظ سے (سندخلہم) جزا کا وعدہ کیا ہے۔ عربی آقا میں ہے کہ "سو" عام طور پر مستقبل بعید کے لیے اور "س" مستقبل قریب کے لیے استعمال ہوتا ہے حالانکہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ دونوں آیتیں قیامت کے دن سے متعلق ہیں اور اس دنیا میں بدکاروں کی سزا اور نیکوں کی جزا ہماری نسبت فاصلہ زمانی کے لحاظ سے یکساں ہے۔ یہ فرق اس لیے ہے تاکہ خدا کی رحمت کی سرعت و وسعت اور غضب کی دوری اور اس کی صبر بندی کی طرف اشارہ ہو جائے اور یہ اس کی مانند ہے جیسے ہم دعاؤں میں پڑھتے ہیں:

یا امنی مسبقاً رحمتہ غضبہ

اے وہ ذات اقدس جس کی رحمت اس کے غضب سے بڑی ہوتی ہے۔

### ایک سوال اور اس کا جواب

ممكن ہے کہ کچھ لوگ یہ اعتراض کریں کہ آیات مندرجہ بالا کہتی ہیں کہ جس وقت بدکاروں کی جلد جلی جائے گی تو ہم اس کی جگہ دوسری جلد دے دیں گے تاکہ وہ سزائے اپنی میں گرفتار نہ رہیں۔ مگر جلد کی بجائے نئی جلد کو سزا دینا عدالت خداوندی کے مطابق نہیں ہے۔

مشہور و معروف ماہر پرست ابن ابی الوباد نے جو حضرت امام جعفر صادق کا ہم عصر تھا بالکل یہی سوال آپ سے کیا تھا اور

اسے طویل ماہہ نقل سے سایہ کے معنی میں ہے اور یہاں تاکید کے لیے استعمال جواب ہے کہ نیکو عمل گئے مانے کے معنی دیتا ہے اور یہ کہ یہ ہے ہمیشہ رہنے والے خوشگوار گئے مانے کے لیے۔



آیت مندرجہ بالا پڑھ کر کہا تھا:

ما ذنب الغیر

نئی جلد اور کمال کا کیا قصور ہے۔

حضرت امام صادقؑ نے اسے مختصر لیکن پر معانی جواب دیا فرمایا:

ہی ہو ہی غیر ہا

یعنی نئی جلد وہی پرانی جلد ہے باوجود اس کے کہ اس کی بجائے ہے۔

ابن ابی العوہار جانتا تھا کہ اس مختصر سی عبارت میں کوئی راز پوشیدہ ہے۔ اسی لیے کہنے لگا۔

مثل لی فی ذلک شیئا من امر الدنیا

اس سلسلے میں میرے لیے کوئی مثال دیکھئے۔

امام نے فرمایا:

اور بیت لوان رجلا اخذ بسنة فکسرھا بشروطھا فی ملینا فھو ہی غیر ہا

یہ اسی طرح ہے کہ ایک شخص اینٹ کو توڑتا ہے اور ریزہ ریزہ کر کے دوبارہ سانپے میں ڈال دیتا ہے اور نئی اینٹ

بناتا ہے۔ تو یہ دوسری اینٹ وہی پہلی اینٹ ہے باوجود اس کے کہ نئی اینٹ بھی ہے اس کا اصل مادہ مختلف ہے

صرف اس کی شکل بدل گئی ہے۔

اسی دعا سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نئی جلد اسی پرانی جلد سے تیار ہوگی۔ ضمانت اور کیے کہ حقیقت میں سزا و جزا انسان کی روح

اور قوتِ ادراک سے تعلق رکھتی ہے۔ جسم تو صرف سزا و جزا کو روح کی طرف منتقل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

۵۔ اِنَّ اللّٰهَ يٰۤاَمْرُكُمْ اَنْ تَوَدُّوْا الْاٰمَنٰتِ اِلٰی اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ

النّٰسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ يَنْصِتُ لِعُظْمٰكُمۡ يٰۤاَۤیُّہَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

سَمِیْعًا۝۶۱

ترجمہ

۵۸ خداوند عالم تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حق داروں کو پہنچا دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو عدل

کے مطابق فیصلہ کرو۔ خدا تمہیں انہی نصیحت اور وعظ کرتا ہے۔ خدا سننے والا اور جانتے والا ہے۔

۷ عباسی شیخ و احتیاج طبرسی۔





## شان نزول

تفسیر مجمع البیان اور دوسری اسلامی تفسیروں میں ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ شہر مکہ میں داخل ہوئے اور عثمان بن مظعون جو غار کعبہ کا کھید بردار تھا طلب فرمایا اور اس سے چابی لی تاکہ غار خدا کو بتوں سے پاک و صاف کریں۔ حضرت عباس نے جو حضرت رسول اکرم ﷺ کے چچا تھے، اس کام سے فراغت پانے کے بعد تقاضا کیا کہ خدا کے گھر کی چابی انہیں دے کر بیت اللہ کی کھید برداری کا منصب ان کے سپرد کر دیں۔ یہ منصب عربوں میں ایک بلند و بالا مرتبہ تھا لہذا عباس چاہتے تھے کہ اپنے بیٹے کے اجتماعی اور سیاسی اثر و رسوخ سے ذاتی نفع حاصل کریں لیکن پیغمبر اکرم ﷺ نے اس تقاضا کے خلاف غار کعبہ کو بتوں کی خواہش سے پاک کرنے کے بعد کعبہ کا دروازہ بند کر کے یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے: ان اللہ یا ہرکھ لہ قوۃ و اھمات الی اھلہ چابی عثمان بن مظعون کو دے دی۔

تفسیر

## دواہم اسلامی قانون

زیر نظر آیت اگرچہ بہت سی دوسری آیتوں کی طرح خاص موقع اور محل پر نازل ہوئی ہے لیکن واضح ہے کہ اس سے ایک عام حکم کا پتہ چلتا ہے آیت تفصیل سے بتاتی ہے کہ خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حقداروں کو دے دو۔ واضح ہے کہ یہاں امانت کا لفظ ایک وسیع معنی میں ہے اور وہ ہر قسم کی مادی اور روحانی چیزوں اور امور پر محیط ہے ہر مسلمان اس آیت کے مطابق ذمہ دار ہے کہ کسی کی امانت میں کسی استثناء کے بغیر خیانت نہ کرے صاحب امانت مسلمان ہو کہ غیر مسلم اور یہ حقیقت میں اسلام میں حقوق انسانی کا مسلمان ہے جس میں تمام انسان برابر ہیں۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ مندرجہ بالا شان نزول میں امانت صرف ایک مادی امانت نہیں تھی اور دوسرا فرق مشرک تھا۔

آیت کے دوسرے حصے میں ایک اور اہم قانون کی طرف اشارہ ہے اور وہ ہے حکومت اور تصانوت میں عدالت آیت خبردار کرتی ہے کہ خدا نے تمہیں یہ بھی حکم دیا ہے کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدالت کے مطابق حکم دو (و اذا حکمت بین الناس ان تحکمو بالعدل) اس کے بعد ان دونوں احکام کی تاکید کے طور پر فرماتا ہے: خدا تمہیں بہترین وعظ و نصیحت کرتا ہے ان اللہ نعمایہ عطفکم بہم پھر تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے: ہر حالت میں خدا تمہارے اعمال کا دیکھنے والا ہے۔ وہ تمہاری باتوں کو بھی سنتا ہے اور تمہارے کاموں کو بھی دیکھتا ہے (ان اللہ کان معیتا بصیرا) یہ قانون بھی اہل اور عمومی ہے اور

۱۰ بعض محققین کہتے ہیں کہ یہ آیت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی اس لیے وہ مندرجہ بالا شان نزول کو صحیح نہیں مانتے تاہم چاہے یہ شان نزول درست ہو یا نہ ہو اس اہم قانون پر جو آیت سے نکلنے کے حکم کا اثر نہیں پڑتا۔



ہر قسم کی قضاوت اور فیصلہ پر حاوی ہے۔ چاہے وہ بڑے امور سے تعلق رکھتا ہو یا چھوٹوں سے۔ یہاں تک اسلامی احادیث میں مرقوم ہے کہ ایک دن دو چھوٹے چھوٹے بچوں نے تھمر پر بھی تھی اور وہ دونوں اپنا فیصلہ کرانے کے لیے حضرت امام سنی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت علیؑ نے جو اس معاملے کو دیکھا، ہے تھے اپنے فرزند اب جندب سے فرمایا:

يَا بَنِي انْظُرْ كَيْفَ تَحْكُمُ هَٰذَا لِحُكْمِ وَاللّٰهِ سَأَلْتُ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

میرے نور نظر خوب خوب نوکر کو کہ فیصلہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی قضاوت ہے اور خدا قیامت کے دن تجھ سے اس کے بارے میں سوال کرے گا۔

یہ دونوں اہم اسلامی قانون یعنی حفظِ امانت اور قضاوت میں عدالت ایک پاکیزہ انسانی معاشرے کا سنگ میل ہیں۔ کوئی معاشرہ چاہے وہ مادی ہو کہ روحانی ان ہر دو اصولوں پر عمل پیرا ہوئے بغیر منظم نہیں ہو سکتا۔ پہلا اصول یہ ہے کہ مسائل ضرورت، وفات کی ذمہ داریاں، انسانی سر ملے، ثقافتی اور تاریخی دستاویزات، میراث اور ترک سب خدائی امانتیں ہیں۔ جو معاشرے کے مختلف افراد کے سپرد ہوتی ہیں اور سب کی ذمہ داری ہے کہ اپنی اپنی امانتوں کی حفاظت کریں۔ انہیں ان کے اصل مالکوں کو دینے کی کوشش کریں اور ان میں کسی طرح خیانت نہ کریں۔

دوسرا یہ کہ ہمیشہ معاشرہ میں اختلاف، تضاد اور خواہشات کا ٹکڑا پایا جاتا ہے، مالاو ذ قضاوت کے ذریعے اس کا حل اور فیصلہ کرنا چاہیے تاکہ سوسائٹی اور سماج سے گروہ بندی، بے ہواقیانیت اور ظلم و ستم ختم ہو جائے۔

جیسا کہ ہم مکہ مکہ کے میں امانت صرف ان اموال تک محدود نہیں جن کو لوگ ایک دوسرے کے سپرد کرتے ہیں، بلکہ علماء اور دانش مند بھی معاشرے کے امانتدار ہیں۔ بن کا یہ فریضہ ہے کہ وہ حقائق کو نہ چھپائیں۔ یہاں تک کہ اولاد بھی انسان کے پاس خدا کی امانت ہے۔ اگر ان کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی کی جائے تو یہ بھی امانت میں خیانت ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ انسان کا اپنا وجود اور ہستی اور وہ منجلیں اور قابیلیتیں جو خدا نے اُسے مرحمت فرمائی ہیں سب خداوند مالم کی امانتیں ہیں، جن کے بارے میں انسان ذمہ دار ہے کہ ان کی حفاظت کی کوشش کرے۔ ہم دوح کی استعداد، جوانی کی طاقت اور فکری صلاحیت کی حفاظت میں بھی کوتاہی نہیں کرنا چاہیے اسی لیے تو انسان خود کشی تو کیا اپنے آپ کو کسی قسم کا ضرر بھی نہیں پہنچا سکتا۔ یہاں تک کہ بعض اسلامی احادیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سزا و عذاب اور امانت کی مانتیں نہیں ہر امام آنے والے امام کے سپرد کرتا ہے، وہ بھی اس آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

یہ بات کافی توجہ ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں امانت کی دوائیگی کو عدالت پر مقدم رکھا گیا ہے۔ شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ مسئلہ عدالت ہمیشہ فیصلہ میں خیانت کے موقع پر نمودار ہوتا ہے کیونکہ اصل اور بنیاد یہ ہے کہ سب لوگ ایمن ہوں لیکن اگر ایک فرد یا کئی افراد اس سے روگردانی کریں تو عدالت کی قربت آتی ہے کہ انہیں ان کے فریضہ سے آشنا کیا جائے۔



## اسلام میں امانت اور عدالت کی اہمیت

اسلامی کتب اور مصادر میں امانت اور عدالت کے بارے میں اتنی تاکید کی گئی ہے جو باقی احکام میں بہت کم نظر آتی ہے۔  
 کی چند حدیثیں اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں۔  
 ۱۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

لَا تَنْفَرُوا إِلَى طَوْلِ رُكُوعِ الرَّجُلِ وَمَسْجُودِهِ فَإِنَّ ذَلِكَ شَىْءٌ مُّقْتَدَفُ مَلَوْتَرَكَةٍ مَسْتُوحَشٍ وَمَكْنٍ  
 انظر والی صدق حدیثہ واداءہ اہمیتہ

کسی شخص کے صرف طویل رکوع و سجود کو نہ دیکھو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے وہ اس کو عادی ہو چکا ہو اور اب اسے چھڑنے  
 سے اسے وحشت ہوئی ہو البتہ بات میں اس کی سہانی اور اس کی امانت کی ادائیگی کی حرمت دیکھو یہ  
 ۲۔ ایک اور حدیث میں حضرت امام جعفر صادقؑ ہی سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

حضرت امیر المومنین علیؑ ملیر السلام نے جو مرتبہ اور مقام پیغمبر اسلامؐ کے دن پایا وہ بات میں سہائی اور امانت  
 کی ادائیگی کی وجہ سے تھا یہ

۳۔ ایک اور حدیث میں حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے ایک ماننے والے سے فرمایا:

ان ضاروب علی بالینہ فقللو لنتصنی واستصحبنی واستقلونی ثم قبلت فذلک منہ لادیت الیہ الامانۃ .  
 اگر حضرت امیر المومنین علیؑ کا قاتل میرے پاس کوئی امانت رکھتا یا مجھ سے نصیحت طلب کرتا یا مجھ سے شوریہ  
 اور میں ان امور کے لیے تیار ہو جاتا، تو میں یقیناً حق امانت ادا کرتا۔

۴۔ جو روایات خید و سنی کتب میں پیغمبر اسلامؐ سے منقول ہیں ان میں آپؐ کا یہ روشن اور عظیم فرمان بھی ہے:

أَيُّهَا النَّاسُ فَإِذَا حَدَّثَ كَذِبًا وَإِذَا وَعَدَ فَخُفِّتْ وَإِذَا اشْتَمَنَ خَالَ  
 منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور جب شہ  
 اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے یہ

۵۔ پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

جب ذاتی جگہ سے کے طرفین تمہارے پاس آئیں تو ان کی طرف دیکھو اور ان سے گفتگو کی مقدار اور کیفیت  
 میں مساوات اور عدالت کو پیش نظر رکھو۔

حدیث کی عربی عبارت یہ ہے: وَسَوِّبِیْنِ الْخَصْمَیْنِ فِی الْحَقِّ وَالْظُلْمِ

۱۔ ۲۔ ۳۔ نور الثقیین جلد اول صفحہ ۹۶۔ ۹۷۔

۴۔ صحیح ترمذی و سنائی، کنز الدنار۔ یہی صفحہ خبیثہ اہل میں ہے۔

۵۔ مجمع البیان جلد سوم صفحہ ۶۔



۵۹۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اطِيعُوا اللّٰهَ وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِيَ الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا

ترجمہ

۵۹۔ اے ایمان والو! خدا کی اطاعت کرو اور رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کرو اور جب کسی چیز میں جھگڑو تو اگر خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اسے خدا اور پیغمبر کی طرف لوٹا دو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اس کا انجام و انتہا بہت اچھا ہے۔

تفسیر

یہ آیت اور بعد کی چند آیتیں ایک اہم ترین اسلامی مسئلے یعنی مسند جہری کے بارے میں بحث کر رہی ہیں اور مسلمانوں کے مختلف دینی اور اجتماعی مسائل میں حقیقی مراجع (جن کی طرف رجوع کیا جائے) کو شخص اور شعبہ کی طرف سے پہلے ایمانداروں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ خداوند عالم کی اطاعت کریں اور یہ بات روشن ہے کہ ایک ایماندار شخص پر واجب ہے کہ اس کی تمام اطاعتوں کی انتہا خداوند عالم کی اطاعت پر ہو اور اس کے حکم کے مطابق ہر قسم کی رجہری کا سرچشمہ اس کی ذات گرامی ہو۔ کیونکہ جہانِ ہستی کا مالک مکوینی اور عالم اعلیٰ وہی ہے۔ اس لیے ہر قسم کی حاکمیت، مالکیت اسی کے فرمان کے مطابق ہونا چاہیے

ایا ایہ الذین آمنوا اطیعوا اللہ ۱۔

دوسرے مرحلے میں پیغمبر اکرم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ رسول جو معصوم ہے اور کسی جواد ہو جس سے بات نہیں کرتے پیغمبر جو لوگوں میں خدائی مانجھدہ ہے جس کی بات خدا کی بات ہے، اُسے یہ مرتبہ جہند مقام خداوند عالم نے مرحمت فرمایا ہے اسی وجہ سے کہ خدا کی اطاعت تو اس کی ذات کی حاکمیت و مالکیت کی بنا پر ہے لیکن حضور کی اطاعت فرمان پر رد و کار کی وجہ سے ہے۔ دوسرے عقول میں خدا بالذات واجب الاطاعت ہے اور پیغمبر بالغیر واجب الاطاعت ہیں۔ شاید آیت میں اطیعوا کا تکرار اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی دونوں اطاعتوں میں یہ فرق ہے (واطیعوا الرسول) ۲۔

تیسرے مرحلے میں اولوالامر کی اطاعت کا حکم ہے جو اسلامی معاشرے میں سے ہو اور لوگوں کے دین و دنیا کی حفاظت کے

اولوالامر کون ہیں؟

اس بارے میں مفسرین اسلام میں بہت اختلاف ہے جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے:



۱۔ اہل سنت کے کچھ مفسرین کا نظریہ ہے کہ اولوالا امر سے مراد ہر زمانہ اور ہر جہاں سے تعلق رکھنے والے بادشاہ اور صاحبان اقتدار ہیں۔ وہ اس میں کسی استثنائے قائل نہیں ہیں۔ اس نظریے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ہر حکومت کی چاہے وہ کسی لشکر میں کیوں نہ ہو پیروی کریں۔ چاہے وہ بتاریخوں کی حکومت کیوں نہ ہو۔

۲۔ بعض دوسرے مفسرین مثلاً صاحب تفسیر المنار و صاحب تفسیر ظلال القرآن وغیرہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اولوالا امر سے مراد عام طبقات کے نمائندے، سربراہ، حکام، علماء اور کوائف زندگی کے تمام جہد و دار ہیں لیکن مطلق طور پر نہیں اور کسی شرط، قید اور پابندی کے بغیر نہیں بلکہ ان کی اطاعت کے لیے یہ پابندی اور شرط ہے کہ ان کے احکام اسلام کے مقرر کردہ احکام کے خلاف نہ ہوں۔

۳۔ بعض دوسرے مفسرین کا اعتقاد ہے کہ اولوالا امر سے مراد دہنوی اور فکری و جہانی علماء ہیں جو عادل ہوں اور کتاب و سنت سے مکمل آگاہی رکھتے ہوں۔

۴۔ بعض اہل سنت کے مفسرین کا یہ نظریہ ہے کہ اس لفظ سے مراد پہلے چار خلفاء ہیں اور یہ لفظ انہی تک محدود ہے اس وجہ سے دوسرے زمانوں میں اولوالا امر نہ ہوگا۔

۵۔ بعض مفسرین اولوالا امر سے مراد اصحابِ پیغمبرؐ لیتے ہیں۔

۶۔ اولوالا امر کی تفسیر میں ایک اور احتمال یہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ اس سے مراد اسلامی لشکروں کے سپہ سالار ہیں۔

۷۔ تمام عقیدہ مفسرین اس سلسلے میں ایک متفق نظریہ رکھتے ہیں کہ اولوالا امر سے مراد امرِ معصوم ہیں۔ جن کو تمام امور زندگی میں اسلامی معاشرے کی مادی اور روحانی و جہانی فدا اور پیغمبر کی طرف سے پہنچ گئی ہے۔ ان کے علاوہ یہ لفظ کسی پر جاتی نہیں آتا۔ البتہ ایسے لوگ جو ان کی طرف سے کسی مرتبے یا عہدے کے لیے مقرر کیے جائیں اور اسلامی معاشرے کے کسی جہد پر فائز ہوں تو معینہ شرائط کے ساتھ ان کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ لیکن یہ اس لحاظ سے نہیں کہ وہ اولوالا امر ہیں بلکہ اسی وجہ سے کہ وہ اولوالا امر کے نمائندے ہیں۔ اب مندرجہ بالا تفسیر کی تحقیق اور مطالعہ کے لیے پوری توجہ دینی چاہیے۔

اس میں شک نہیں کہ پہلی تفسیر کسی طرح بھی مفہومِ آیت اور تعلیمات اسلام کی روح سے مطابقت نہیں رکھتی لیکن نہیں ہے ہر حکومت کی اطاعت و پیروی کسی قید و شرط کے بغیر خدا و رسول کی اطاعت کے ساتھ ملا دی جائے۔ اسی بنا پر عقیدہ مفسرین کے علاوہ اہل سنت کے بڑے بڑے مفسرین نے بھی اس کی نفی کی ہے۔

دوسری تفسیر بھی آیت کے معانی و مفہوم کے ساتھ سازگار نہیں کیونکہ آیت اولوالا امر کی اطاعت کو بغیر کسی قید و شرط کے لازم اور واجب قرار دیتی ہے۔

تیسری تفسیر یعنی اولوالا امر کی تفسیر کتاب و سنت سے آگاہ علماءِ عادل کے ساتھ کرنا بھی آیت کے مطابق نہیں ہے کیونکہ علماء کی اطاعت بھی کچھ شرائط سے مشروط ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی بات کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو۔ اس وجہ سے اگر وہ اشتباہ میں پڑ جائیں (چونکہ وہ معصوم نہیں ہیں اس لیے انہیں اشتباہ ہو سکتا ہے) یا اور کسی وجہ سے حق سے منہ موڑ لیں تو



اس صورت میں ان کی اطاعت ضروری نہیں ہوگی جبکہ آیت اولوالا امر کی اطاعت مطلق اطاعت پیغمبر کی طرح لازم قرار دے رہی ہے علاوہ ازیں علماء کی اطاعت تو ان احکام میں ہے جن کا وہ کتاب و سنت سے مستفادہ کرتے ہیں۔ اس بنا پر ان کی اطاعت خدا تعالیٰ اور پیغمبر کی اطاعت کے علاوہ اور کچھ نہیں اس لیے اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

چوتھی تفسیر اولوالا امر کو پہلے چار خلفائے تک محدود کر دینا، تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ آج دنیا کے اسلام میں فقط اولوالا امر کا کوئی مصداق نہیں ہے علاوہ ازیں اس شخص سے جس کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

پانچویں اور چھٹی تفسیر میں اس کو صحابہ یا انصار کے ساتھ مخصوص کرنا، اس پر بھی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

اہل سنت کے بعض مفسرین جیسے مصر کے مشہور عالم محمد عبدہ اور معروف مفسر قرآن الدین کی بعض باتوں کے مطابق اولوالا امر کے معنی ہیں جنہیں دوسرے نمبر پر بیان کیا گیا ہے۔ ان کی نظر میں اس کے مجموعی مفہوم میں اسلامی معاشرے کے مختلف طبقوں کے نمائندے وہ عالم ہوں یا عالم اور دوسرے طبقوں کے نمائندے شامل ہیں۔ وہ انہیں کچھ شرطوں اور پابندیوں کے ساتھ اولوالا امر مانتے ہیں اور ان شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ وہ مسلمان ہوں۔ بیچارہ منکر سے معلوم ہوتا ہے، ان کا حکم کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو، وہ اپنے اختیار سے حکم دیں نہ کہ مجبوری سے، وہ مسلمانوں کے مصالح کے مطابق حکم دیں اور صرف انہی مسائل کا حکم دے سکتے ہیں جن میں مخالفت کا انہیں حق ہے نہ کہ عبادت اور ان چیزوں کا جو کہ اسلام نے مقرر اور حین کر دی ہیں۔ وہ اس مسئلہ کا حکم دینے کا حق رکھتے ہیں جس کے بارے میں نص شرعی نہ ہو ان سب چیزوں کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سب متفقہ طور پر اپنا نظریہ پیش کریں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ تمام امت یا ان کے سب نمائندے مل کر غلطی نہیں کر سکتے۔ دوسرے نظروں میں یہ کہ امت اجتماعی طور پر معصوم ہے۔ ان شرطوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس قسم کے حکم کی اطاعت مطلق طور پر ہر قسم کی پابندی کے بغیر رسول اکرم کی اطاعت کی طرح واجب ہوگی اس گفتگو کا پتہ یہ ہے کہ اجماع امت جہت ہے، لیکن خود کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس تفسیر میں بھی کئی مشکلات موجود ہیں کیونکہ اقل تواجمعی مسائل میں فکر و نظر کا اتفاق بہت ہی کم واقعہ ہوتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے زیادہ تر معاملات و واقعات میں ہمیشہ بے چینی اور بے اطمینانی رہے گی۔ اگر وہ اکثریت کے نظریہ کو قبول بھی کرنا چاہیں تو پھر یہ مشکل سامنے آئے گا کہ اکثریت کبھی معصوم نہیں ہوتی۔ اس لیے ان کی اطاعت مطلق ہونے کی حیثیت سے لازمی نہ ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ علم اصول میں یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ امام معصوم کو نکال کر تمام امت کے معصوم ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ اس تفسیر کے طرفداروں نے ایک شرط کا ذکر کیا ہے جو یہ ہے کہ ان کا حکم کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو تو اب دیکھنا یہ ہے کہ اس بات کی تائید کیا ہے کہ کتاب و سنت کے مطابق ہے کہ مخالف کون کسے گا یقیناً مجتہدین اور کتاب و سنت سے آگاہ علماء ہی اس کے ذمہ دار ہیں۔ تو اس تحریر کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مجتہدین اور علماء کی اجازت کے بغیر اولوالا امر کی اطاعت جائز نہیں کیونکہ اہل علم کی اطاعت تو اولوالا امر کی اطاعت سے کہیں زیادہ جرحہ چڑھ کر ہے اور یہ مفہوم ظاہر بقا ہر آیت شریعہ کے مطابق نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے کہ انہوں نے علم کو بھی اولوالا امر کا جزو قرار دیا ہے لیکن حقیقت میں اس تفسیر کے مطابق اہل علم بالآل مطاعی غافلانہ کی نسبت مرجع مالی تر اور ناظر کی حیثیت رکھتے ہیں نہ کہ دوسرے کیونکہ علماء اور دانشمندان دو سروں کی نسبت یہ بہتر جانتے ہیں کہ کوئی چیز





کتاب و سنت کی نظر سے درست ہے یا نہیں۔ اس کا پروردگار صیح ایلے ہوں گے۔ اور یہ مندرجہ بالا تفسیر کے ساتھ موافق نہیں ہے اس بنا پر مذکور تفسیر کئی پہلوؤں سے اشکالات کا سامنا ہے واحد تفسیر جو مذکورہ اعتراضات کی زد میں نہیں آسکتی دو ساتویں تفسیر ہی ہے یعنی اولوالا لامر سے مراد معصوم و مجبر اور انکار ہیں (کیونکہ یہ تفسیر اس وجوب اطاعت کے اطلاق کے ساتھ ہے جس کا مندرجہ بالا آیت سے پتہ چلتا ہے۔ اور یہ اس کے ساتھ سو فی صد موافقت رکھتی ہے کیونکہ مقام "معصمت" ایسے امام کے ہر خطا گنہ اور اشتباہ سے محفوظ ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ اسی لیے اس کا ہر حکم فرمانِ بغیر کی طرح کسی قید و شرط کے بغیر واجب اطاعت ہے اور یہ اس امر کی استدلال کرتا ہے کہ رسول کی اطاعت کا ہم رویت اور ہم پر قہر پائے۔ یہاں تک کہ "احیو" کی تکرار کے بغیر اس کا عطف رسول پر ہو۔

### ایک قابلِ توجہ بات

بعض مشہور علمائے اہل سنت نے بھی جن میں سے مشہور و معروف فخر الدین رازی بھی ہیں اس آیت کے بارے میں اپنی تحریر کے شروع میں اسی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں خداوند عالم میں شخص کی اطاعت کو قطعی طور پر ہے چون وہ پرالام قرار دے یقیناً اسے معصوم ہونا چاہیے کیونکہ اگر وہ معصوم من الخطا ہوگا تو وہ خطا کرے گا اور خدا تعالیٰ نے اس کی اطاعت لازم قرار دی ہے اور اس کی پیروی خطا کے باوجود ضروری بھی ہے تو اس سے خود حکم خداوند عالم میں تضاد پیدا ہوتا ہے کیونکہ ایک طرف تو اس عمل کا کرنا حرام ہے اور دوسری طرف اولوالا لامر کی اطاعت واجب ہے۔ اس طرح یہ حکم خداوندی کے اجتماع کا باب بن جاتا ہے اس لیے کہ ایک طرف تو خداوند عالم نے اولوالا لامر کے حکم کی اطاعت کسی شرط اور پابندی کے بغیر واجب قرار دی ہے۔ دوسری طرف اگر اولوالا لامر معصوم نہ ہو تو اس قسم کا حکم اذروئے عقل سلیم صحیح نہیں ہے۔ اسی مقدمہ اور تہید سے ہم اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مندرجہ بالا آیت میں جن اولوالا لامر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے انہیں یقیناً معصوم ہونا چاہیے۔

فخر الدین رازی اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ معصوم یا تو تمام امت ہے یا اس میں سے چند لوگ۔ یہ دوسرے معنی بھی قابلِ قبول نہیں ہیں کیونکہ ضروری ہے کہ ہم ان چند لوگوں کو بچا لیں اور ان تک پہنچ سکتے ہوں جب کہ ایسا نہیں ہے۔ جب یہ احتمال یا شک دور ہو جاتا ہے تو پہلا احتمال باقی رہ جاتا ہے کہ تمام امت معصوم ہے اور یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ اجماع و اتفاق امت حجت اور قابلِ قبول ہے اور یہ معتبر اور قابلِ اعتماد دلائل میں شمار کیا جاتا ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ باوجود اس کے کہ فخر رازی علی سنانی میں اشکالِ تراشی کے یہ مشہور ہیں لیکن انہوں نے اس آیت کی اسی دلالت کو کہ امام معصوم ہونا چاہیے۔ ہر ذمہ قبول کیا ہے۔ اس موقع پر زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ جو محدث و مکتب اہل بیت اور اس کے معصوم اماموں اور رہبروں سے ناواقف تھے اس لیے انہوں نے اس بات کو قبول نہیں کیا کہ اولوالا لامر خدا کے مقرر کیے ہوئے افراد ہونے چاہئیں بلکہ وہ مجبور ہو گئے کہ اولوالا لامر تمام امت یا مسلمانوں کے تمام طبقات کے نامزدوں کو قرار دیں حالانکہ یہ معنی کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں۔ جیسا کہ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ اولوالا لامر تو وہ ہوگا جو اسلامی معاشرے کا رہبر ہو





تاکہ اسلامی حکومت اور مسلمانوں کی گونا گوں مشکلات اسی کے نافی تدبیر سے حل ہوتی رہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ تمام آزاد حکومت یہاں تک کہ اس کے مائدوں کا بھی ملے طور پر اتفاق نہیں ہو سکتا کیونکہ مختلف اجتماعی، سیاسی، ثقافتی، اخلاقی اور اقتصادی مسائل جن سے مسلمانوں کو سابقہ پڑتا ہے ان میں اکثر اوقات تمام امت کا یا ان کے مائدوں کے اتفاق رائے کا حصول ممکن نہیں ہے اور اکثریت کی پیروی اور اولی الامر کی پیروی نہیں بھی ہاں سکتی۔ اس بنا پر فرائض اور عبادت کے معاملات جو اس کے حقیقت کے پیروی ان کی گفتگو کا عمل مقصد یہ ہے کہ اولی الامر کی اطاعت عملًا مستقل رہے یا ایک استثنائی حیثیت سے باقی رہے۔ ہم مندرجہ بالا تمام بیانات سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ آیات شریفہ صرف اور صرف محض پیشواؤں کی رہبری ثابت کرتی ہے جو امت کی چند خاصہ بستوں پر مشتمل ہیں اور فرمائیے گا۔

### چند سوالات کا جواب

اس موقع پر مندرجہ بالا تفسیر پر کچھ اعتراض ہوئے ہیں۔ بحث میں غیر جانبداری کا خیال رکھتے ہوئے انہیں قدریں کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ اگر اولی الامر سے مراد محض امام ہیں تو یہ مفہوم فقط "اولی" کے ساتھ جو جمع ہے، کوئی مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ اس مفہوم کی صودت میں ہر زمانے میں ایک سے زیادہ محض امام نہ ہوگا۔

اسی سوال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ ہر زمانے میں ایک سے زیادہ محض امام نہیں ہوتا لیکن وہ تمام زمانوں میں بہت سے افراد کی تشکیل میرت اور تعمیر کردار کرتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ یہ آیت ایک زمانے کی ذمہ داری کا تعین نہیں کر رہی ہے۔

۲۔ اولی الامر اس معنی کے مطابق تو پیغمبر کے زمانے میں موجود نہیں تھا تو اس صودت میں اس کی اطاعت کا حکم کس طرح دیا گیا ہے۔ اس کا جواب بھی گذشتہ جواب سے واضح ہو جاتا ہے کیونکہ آیت کسی معین زمانے کے لیے محدود نہیں ہے بلکہ وہ تمام مسلمانوں کے فرائض کو ہر زمانے کے لیے واضح کر رہی ہے۔ دوسرے نکتوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ مہر رسالت میں حضور خود اولی الامر تھے کیونکہ حضرت رسول اکرم دو منصب رکھتے تھے ایک منصب رسالت اور تبلیغ احکام جو آیت میں اخصیہ الرسول کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے اور دوسرا منصب امت اسلامی کی رہبری اور سربراہی جس کا ذکر قرآن نے اولی الامر کے نام سے کیا ہے۔ اسی لیے پیغمبر کے زمانے میں خود پیغمبر محض رہبر و پیشوا تھے اور شاید فقط "اطعیوا" کا عدم تکرار رسول اور اولی الامر کے درمیان اسی معنی کی طرف اشارے سے خالی نہ ہو۔

دوسرے نکتوں میں منصب رسالت اور منصب اولی الامر مختلف منصب ہیں۔ جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود میں ایک جگہ جمع ہیں لیکن یہ امام میں جا کر الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ اور امام صرف دوسرا (اولی الامر کا) منصب رکھتے ہیں۔ اگر واقعی اولی الامر سے مراد محض امام اور رہبر ہیں تو پھر کیوں مسلمانوں کے اختلاف اور جھگڑے کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

فان تنازعتم فی شئی فردوه الی اللہ والی الرسول ان کثرتمو منون باللہ والیہ والآخر ذلک غیر و احسن تاویلا



اگر کسی چیز میں اختلاف پڑ جائے تو اسے خدا اور رسول کی طرف پٹا دو۔ اگر تم خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اس کا انجام بھی بہت ہی اچھا ہے۔

قلمبر ہے کہ یہاں اولوالا امر کا ذکر نہیں ہے اور اختلاف کو دور کرنے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ خدا کی کتاب اور حضرت رسول اکرم کی سنت ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض صرف شیعوں علماء کی تفسیر پر نہیں ہے بلکہ اہل سنت کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی تفسیر پر بھی اس کی زد پڑتی ہے یعنی یہ اعتراض اہل سنت کی تفسیر پر بھی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں شک نہیں کہ منہ رحمہ اللہ جملے میں اختلاف و تنازع سے مراد احکام میں اختلاف ہے نہ کہ ان مسائل سے جن کا تعلق حکومت و مہربری کی جزئیات سے ہے کیونکہ ان مسائل میں تو لازماً اولوالا امر کی اطاعت کرنا ہوگی یہاں تک کہ آیت کے پہلے جملے میں وضاحت ہو چکی ہے۔ اس بنا پر اس اختلاف سے مراد اسلام کے احکام اور قوانین کی اختلافات ہیں جن کی تشریع خدا اور پیغمبر سے متعلق ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ امام تو احکام جاری کرنے والے ہیں نہ کہ قانون وضع کرنے اور منسوخ کرنے والے۔ امام تو ہمیشہ خدا کے احکام اور سنت رسول کے اجرا کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں۔ اسی لیے احادیث اہل بیت میں ہے کہ اگر ہم میں سے کسی شخص کوئی بات کہے خدا اور حدیث پیغمبر کے خلاف نقل کرے تو اسے ہرگز قبول نہ کرو کیونکہ یہ ناممکن اور محال ہے کہ ہم کتاب خدا اور سنت پیغمبر کے خلاف کچھ کہیں۔ اسی لیے احکام و قوانین اسلامی میں لوگوں کے اختلافات دور کرنے کا پہلا مرجع خدا اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن پر وحی خدا نازل ہوتی ہے۔ اب اگر انہ مصرحین احکام بیان کرتے ہیں تو وہ خود ان کی طرف سے نہیں ہیں بلکہ وہ کتاب خدا یا اس علم سے ہیں جو حضرت رسالت مآب کی طرف سے ان تک پہنچا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولوالا امر کا لفظ اختلافی احکام و مسائل کے حل کرنے والوں میں شامل نہیں ہے بلکہ

### احادیث کی گواہی

اسلامی کتب اور مصادر میں کچھ احادیث موجود ہیں جو اس تفسیر کی تائید کرتی ہیں کہ لفظ اولوالا امر سے مراد ائمہ اہل بیت ہی ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ مشہور اسلامی مفسر ابو حیان اندلسی مغربی (متوفی ۷۵۰ھ) تفسیر بحر المحیط میں لکھتا ہے کہ یہ آیت حضرت علی اور ائمہ اہل بیت کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

۲۔ عالم اہل سنت ابو بکر بن موسی شیرازی رسالہ اعتقادی میں مناقب کاخی کے مطابق، ابن عباس سے نقل کرتا ہے کہ آیت مندرجہ

۱۔ اگر اس سورہ کی آیت ۲۷ میں بعض مشکوکات کو حل کرنے کے لیے "اولوالا امر" مرجع قرار دیا گیا ہے تو اس سے مراد ضرورت کے لیے احکام و قوانین کا اختلاف نہیں ہے بلکہ جیسا کہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں آئے گا یہ ان مسائل کے بارے میں ہے جو احکام جاری کرنے کے طریقے سے متعلق نہ تھے۔

۲۔ بحر المحیط جلد سوم طبع مصر سنہ ۱۳۵۱ھ



حضرت علیؓ کی شان میں اس وقت نازل ہوئی جب پیغمبر اسلامؐ نے انہیں جنگ تبوک کے موقع پر اپنی جگہ مدینہ منورہ میں چھوڑا تھا اور حضرت علیؓ نے مرض کیا تھا کہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں کی طرح غبر میں چھوڑتے جاتے ہیں تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا تھا: "اعلزمونی ان تکون معی بمنزلہ ہارون من موسیٰ حین قال: خلّفنی فی قومی واصبح فقال عزوجل: لعلی الامر منکم" "کیا تم پسند نہیں کرتے کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارونؑ اور موسیٰؑ کو موسیٰؑ سے تھی جبکہ موسیٰؑ نے ان سے کہا تھا کہ تم بنی اسرائیل میں میرے جانشین بن جاؤ اور ان کی اصلاح کرو۔ اس کے بعد خداوند عالم نے فرمایا: واولی الامر منکم علیہ

شیخ سلیمان مغنی تفسیر مودت جو اہل سنت کے مشہور عالم ہیں، ینابیع المودۃ میں کتاب مناقب میں سلیم بن قیس ہلالی سے نقل کرتے ہیں:

ایک دن ایک شخص حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا: کم از کم وہ کونسی چیز ہے جس کے بغیر انسان امین کی صف میں شامل ہو سکتا ہے اور کم از کم وہ کونسی چیز ہے جس سے انسان کافروں یا گمراہ لوگوں میں شمار ہو جاتا ہے۔ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلامؑ نے فرمایا: کم از کم وہ چیز جس کی وجہ سے انسان گمراہوں میں شامل ہو جاتا ہے یہ ہے کہ وہ خدا کی محبت اور شائستگی اور اس کے شاہد و گواہ کو جس کی اطاعت و ولایت ضروری ہے نہ پہچانے۔ اس شخص نے کہا: اے امیر المؤمنین! مجھے ان کا تعارف کرانیے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: وہ وہی ہیں جنہیں خدا نے اپنے پیغمبر کے برابر قرار دیا ہے۔ اور فرمایا ہے:

يا ايها الذين آمنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر منكم

اس شخص نے عرض کیا: میں آپ کے قربان باذن عزید وضاحت فرمائیے۔ امیر المؤمنینؑ نے ارشاد فرمایا: ابن کا رسول اللہؐ نے مختلف موقعوں پر اور اپنی زندگی کے آخری دن کے خطبہ میں تذکرہ کیا اور فرمایا:

انف ترککم فیکم امرین لمن فصلوا بعدی ان قسمکم بہما کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی

میں تمہارے درمیان دو چیزیں بطور یادگار چھوڑ رہا ہوں، اگر تم ان سے تمک کر دو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے خدا کی کتاب اور میری محترمت جو میرے اہل بیت میں ہے

۴۔ نیز یہی عالم کتاب ینابیع المودۃ میں لکھتے ہیں کہ صاحب کتاب مناقب نے تفسیر مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی

۵۔ طبع کتب کی متعدد روایات جو کافی تفسیر پر مبنی کتب صدوق و فیرو میں منقول ہیں، سب کی سب یہ گواہی دیتی ہیں کہ اوام

۱۔ استحقاق الحق جلد سوم صفحہ ۴۸۔

۲۔ ینابیع المودۃ طبع استنبول صفحہ ۱۱۰۔

۳۔ ینابیع المودۃ طبع استنبول صفحہ ۱۱۰۔



سے مراد انہو صومین ہیں۔ یہاں تک کہ بعض میں تو ہر ایک نام کو نام ہر صدمت کے ساتھ مذکور ہے ۛ

ۛ۔ اَلْمُتَرَاتِلِیْنَ الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا یٰمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَا  
اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْا اِلَی الطَّاغُوتِ وَفَدَّ  
اٰمِرُوْا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ ۛ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ  
ضَلٰلًا یَبِیْدًا ۝

ترجمہ

ۛ۔ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ان (کتابِ آسمانی) پر جو تم پر اور تم سے پہلے نازل ہوئے  
ہیں ایمان لے آئے ہیں لیکن وہ چاہتے ہیں کہ طاغوت اور حکام باطل سے فیصلہ کرائیں جبکہ انہیں حکم دیا گیا ہے  
کہ وہ طاغوت کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بری طرح گمراہ کر دے اور (انہیں گمراہی کے دور دراز  
راستوں میں پھینک دے)۔

شان نزول

مدینہ منورہ کے ایک یہودی کو ایک منافق سے کسی چیز میں اختلاف تھا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ایک شخص کو قاضی کے طور پر  
جمن لیں۔ یہودی چونکہ پیغمبر اسلام کی عدالت اور غیر جانبداری پر مطمئن تھا اس لیے اس نے کہا کہ میں تمہارے پیغمبر کے فیصلہ پر  
رضا مند ہوں لیکن منافق نے یہودیوں کے ایک بڑے آدمی کعب بن اشرف کو چنا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ دشوت دے کر اس کی  
راہے کو اپنی طرف پھیرے گا۔ فرض اس نے اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کرنے کی مخالفت کی اس پر یہ  
آیہ شریفہ نازل ہوئی جس میں ایسے افراد کی شدید مذمت کی گئی ۛ

بعض مفسرین نے اس آیت کی دوسری شان نزول بھی نقل کی ہے اور وہ یہ کہ بعض نو مسلم زماۃ جاہلیت کی عادت کے  
مطابق اسلام کی ابتدا میں اپنے مقدمے یہودی علماء یا کہ بنوں کے پاس لے جاتے تھے۔ اس بنا پر یہ آیت نازل ہوئی اور  
انہیں سختی سے منع کیا ۛ

ۛ تفسیر برہان جلد اول آیہ مذکورہ کے ذیل میں علامہ فرماتے۔

ۛ تفسیر مجمع البیان اور اکثر مفسرین نے بھی یہی شان نزول نقل کی ہے۔

ۛ المنار جلد ۵ صفحہ ۲۲۲۔





۶۲۔ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا قَدْ مَتَّ أَيْدِيَهُمْ ثُمَّ جَاءُوكَ  
يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا  
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ  
عِظْلُهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا لَّيْلِيًّا

ترجمہ

۶۱ جب ان سے کہا جائے کہ جو خدا نے نازل کیا ہے اس کی طرف آؤ اور پیغمبر کی جانب آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافق  
تمہاری دعوت قبول کرنے سے روگردانی کرتے ہیں۔

۶۲ جب دو اپنے اعمال کی وجہ سے کسی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں تو پھر کیوں تمہارے پاس اگر قسم کی تے ہیں  
کہ ہمارا مقصد (دوسروں کے پاس فیصلہ جانے سے) نیکی کرنے (اور طرفین نزاع میں) موافقت کرانے کے  
علاوہ کچھ نہیں تھا۔

۶۳ وہ ایسے لوگ ہیں کہ جو کچھ ان کے دل میں ہے خدا اُسے جانتا ہے۔ انہیں (سزا دینے سے) نظر انداز کرو اور انہیں  
وعدہ نصیحت کرو اور وعدہ بیان کے ساتھ ان کے اعمال ان کے گوش گزار کرو۔

تفسیر

طاغوت کے فیصلے کا نتیجہ

طاغوت اور ظالم و جابر فیصلہ کرنے والوں کی طرف جانے سے منع کرنے کے بعد میں کا ذکر گزشتہ آیت میں آچکا ہے اب ان  
تین آیتوں میں اسی طرح کے فیصلوں کے نتیجے اور وہ یہ ہیں کہ منافق سہارا دیتے تھے، ان پر تحقیق اور بحث کی گئی ہے چنانچہ خداوند  
عالم پہلی آیت میں فرماتا ہے، اسی قسم کے مسلمان خدا کو دھوکہ دہرے کرنا اپنا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کے پاس جاتے ہیں جبکہ  
جب انہیں یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ حکم خدا کی طرف پلٹ آؤ اور پیغمبر کا فیصلہ قبول کرو تو وہ پیغمبر کی دعوت سے ڈٹ کر روگردانی  
کرتے ہیں اور اسی کام کو کرنے کے لیے اصرار کرتے ہیں۔

قرآن کہتا ہے کہ حقیقت میں ان کا طاغوت کی طرف لوٹنا وقتی اور جنگی نہیں تھا کہ اس کی یاد دہانی سے اصلاح ہو جاتی بلکہ ان



کا مخالفت کرنا اور اس کام میں ناکام بنانا میں۔ اور نفاق کی کارفرمائی اور ایمان کی کمزوری پر روشنی ڈالتا ہے۔ ورنہ وہ پیغمبر کی دعوت سے بیدار ہو جاتے اور اپنی غلطی مان لیتے۔ **فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ مُخْلِصًا لَهُ دَعْوَاكَ**۔ مگر مصلحتوں اور منافقین کی بددعاؤں سے بچ کر اپنا رخ صرف اللہ کی طرف کر۔ اس کے بعد کی آیت میں اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ یہی منافق افراد جب اپنے اعمال کے نتیجے میں کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور بچاؤ کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تو پھر بدلہ مانخواست آپ کے پاس آتے ہیں **فَلْيَكْفُرْ أَصَابَهُ الْمَصِيبَةُ**۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ بددعاؤں سے بچنے میں ناکام ہو جاتے۔

پھر اس موقع پر قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارے دوسروں کے پاس مقدمہ سے جانے سے مقصد نیکی کے سوا اور دعویٰ کرنے والوں کے درمیان موافقت اور صلح کروانے کے کچھ نہیں تھا **وَالَّذِينَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ اِنْ رَدُّواْ اِلَيْكُمْ فَمَا لَكُمْ**۔ یہاں دو ٹکٹوں کی طرف توجہ رکھنا چاہیے۔

پہلا یہ کہ اس مصیبت سے کیا مراد ہے جو انہیں دامن گیر تھی۔ کچھ بعید نہیں کہ اس سے مراد پریشانیوں، بدبختیوں اور عام مصیبتیں ہوں جو طاغوت سے فیصلہ کرانے کے نتیجے میں انہیں پیش رفتی تھیں کیونکہ اس میں شک نہیں کہ اگر کربے اور ظالم لوگوں کے فیصلے کوئی غریب فائدہ نہیں دیتا تو زیادہ دیر نہیں گزرتی کہ اس قسم کے فیصلوں کی بغاوت اور فساد پھیلنے کا سبب بن جاتی ہے اور اس وجہ سے معاشرے کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ غرض اس سے لوگ بہت جلد اپنے کاموں کے نتیجوں کو دیکھ لیتے ہیں اور اپنے کیے پر پھٹتے ہیں۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ نصیبت سے مراد لوگوں میں منافقوں کی سوائی اور ذلت ہے یا وہ عذاب ہیں جو خدا کے حکم سے آتے ہیں **فَلْيَكْفُرْ**۔ مگر اس کی وضاحت توقع نقصانات۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ کیا اسان اور نیکی کرنے سے منافقین کا مقصد عرفین دعویٰ کے ساتھ نیکی اور اسان ہے یا پیغمبر اکرم کے ساتھ حسن سلوک بلکہ ہے کہ ان کی مراد یہ دونوں باتیں ہوں۔

انہوں نے فیروں کے پاس مقدمہ سے جانے کے منکر فیروں جانے بنا رکھے تھے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ پیغمبر کے پاس مقدمہ سے جاننا، حضرت کی شان کے خلاف ہے کیونکہ اگر عرفین دعویٰ شروع کر دیتے ہیں اور یہ چیز مقام پیغمبر کے برابر خلاف ہے۔ علاوہ ازیں فیصلہ جیسا کہ ایک طرف کے نقصان پر ہوتا ہے اور یہ ظری طور پر لوگوں کو دشمن بنانے کے مترادف ہے گویا وہ یہ میلہ بہانے کر کے اپنی پائیش صاف کرنا چاہتے تھے کہ ہمارا مقصد تو صرف دوسرے پیغمبر اکرم کی اور عرفین دعویٰ کی خدمت تھی یا یہ کہ اصول طور پر ہمارا نظریہ تھا دوست نہ تھا بلکہ ہماری نظر تو عرفین نزاع میں صلح و صفائی پر تھی۔

لیکن خدا کی آیت میں ان کے چہروں سے نقاب اٹھا دیتا ہے اور اس قسم کے بھوٹے بہانوں کو باطل قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے دل کے حصیہ وال کو خدا خوب جانتا ہے **اَوَلَيْسَ لِلّٰهِ اَعْيُنٌ يَّرٰى سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ**۔ اسی کے باوجود پیغمبر اکرم کو منکر دیتا ہے کہ انہیں سزا دینے سے پشیم پوشی فرمائیے **اَفَاَنْتُمْ عَسَا فَرِحْتُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ**۔ اے اللہ علیہ وآلہ وسلم منافقین کے اپنے آپ کا کسلان ظاہر کرنے پر جہاں تک ممکن تھا تازی فرماتے تھے کیونکہ آپ ظاہر پر مامور تھے اور انہیں غیر معمولی جرم کے سوا سزا نہیں دیتے تھے کیونکہ وہ ظاہری طور پر مسلمانوں کی صفوں میں دکھائی دیتے تھے اور ممکن تھا





کہ ان کو سزا ایک قسم کا انتقام بھی جائے۔ اس کے بعد حکم دیتا ہے کہ انہیں وعظ و نصیحت کیجئے اور عمدہ بیان سے ان کے دل پر اثر ڈالیے اور ان کے اچھے اعمال کے خوشگوار نتائج ان کو بتائیے اور عظیمہ و قدیمہ فی الفضلہ قولاً بلیغاً۔

۶۴۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝

ترجمہ

۶۴۔ ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ حکم خدا سے اس کی اطاعت کی جائے اگر یہ مخالفت کرنے والے جو آپ پر ظلم کرتے ہیں (خدا کے حکم کو پاؤں سے روندتے ہیں) آپ کے پاس آتے اور خدا سے مغفرت مانگتے اور پیغمبر بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو وہ خداوند عالم کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔

تفسیر

قرآن نے گذشتہ آیات میں ظالموں کی طرف جانے کی مذمت کی ہے۔ اس آیت میں تاکید کے طور پر فرمایا ہے کہ میں پیغمبروں کو ہم سمیٹے ہیں وہ سب کے سب اس لیے ہیں تاکہ حکم خدا سے ان کی اطاعت کی جائے اور ان کی کسی قسم کی مخالفت نہ ہونے پائے ۱۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ یہ کہو کہ وہ خدا کے بھیجے ہوئے تھے اور حکومت الہیہ کے رئیس بھی تھے اس لیے لوگوں کا فرض تھا کہ وہ خدا کے احکام کے بیان اور ان کی تعمیل میں ان کی پیروی کریں اور صرف ایمان کا دعویٰ کرنے پر قناعت نہ کریں بلکہ خود بخود معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبروں کو بھیجے گا مقصد یہ ہے کہ سب لوگ ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں۔ اگر بعض لوگوں نے اپنی آزادی سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے اطاعت نہیں کی تو یہ ان کی اپنی کوتاہی ہے۔

بنابرین مندرجہ بالا آیت جبر لوں کے اس عقیدے کی نفی کرتی ہے کہ کچھ لوگ شروع سے ہی اطاعت پر اور بعض میں تا فرمانی پر مامور تھے۔

فصلی طور پر باذن اللہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ خدا کے پیغمبروں کے پاس تھا وہ خداوند عالم کی طرف سے تھا یعنی ان کی اطاعت کا وجوب بالذات نہیں ہے بلکہ وہ خداوند عالم کے فرمان سے اور ان کی طرف سے ہے۔ اس کے بعد آیت کے آخر میں گنہگاروں اور ان لوگوں کے لیے جو طاغوت کی طرف آتے جاتے ہیں یا اور کسی صورت میں گناہ کر چکے ہیں، واپسی کی راہ کھلتا ہوئے فرماتا ہے: جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا اگر وہ آپ کے پاس آجالتے اور خدا سے بخشش طلب کرتے اور پیغمبر بھی ان



کے لیے طلب مغفرت کرتے تو خداوند عالم کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔ **وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا۔**

یہ امر توبہ طلب ہے کہ بجائے اس کے کہ قرآن کہتے کہ انہوں نے خدا کی نافرمانی کی ہے اور ظالم ماکوں کی طرف گئے ہیں فرماتا ہے: **إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ۔** یعنی مجب انہوں نے اپنے پر ظلم کیا۔ مقصد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے حکم اور پیغمبر کی اطاعت میں تہیہ اپنا ہی فائدہ ہے اور ان کی مخالفت اپنے آپ پر ہی ظلم ہے کیونکہ یہ تہیہ مادی زندگی کو تباہ کر دیتا ہے اور حقیقت میں مہتری ہو پر تہیہ کی پس ماندگی کا سبب ہے۔

یہ آیت ان لوگوں کے لیے بھی واضح جواب ہے جو پیغمبر اور امام کے وسیلے کو ایک قسم کا شرک جانتے ہیں کیونکہ یہ آیت رحمت کے ساتھ اعلان کرتی ہے کہ بارگاہ پیغمبر میں آنا اور انہیں بارگاہ رب العزت میں شفع قرار دینا اور ان کے وسیلہ اور ان کی جانب سے دعا سے مغفرت توبہ کی قبولیت اور رحمت الہی کا ذریعہ ہیں۔ اگر پیغمبر کا واسطہ دعا، استغفار اور شفاعت شرک سمجھتے تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ خدا ان بگاردوں کو اس طرح کا حکم دیتا۔ اہل گناہ بگاردوں کو چاہیے کہ وہ پہلے توبہ کریں اور گناہوں کو ترک کر دیں اس کے بعد اپنی توبہ کی قبولیت کے لیے رسول اکرم سے فیض حاصل کریں۔

واضح ہے کہ پیغمبر خود گناہ معاف نہیں کرتے بلکہ وہ صرف خدا سے مغفرت طلب فرماتے ہیں اور یہ آیت ان لوگوں کے اعتراض کا دندان شکن جواب ہے جو اس قسم کی وساطت اور وسیلے کا انکار کرتے ہیں، غور فرمائیے گا یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ قرآن یہ نہیں فرماتا کہ تم ان کے لیے طلب مغفرت کرو بلکہ کہتا ہے کہ سوال ان کے لیے استغفار کریں۔ گویا یہ اس طرف اشارہ ہے کہ رسول اکرم اپنے مقام اور مرتبہ سے انہیں فائدہ پہنچائیں اور توبہ کرنے والے گناہگاروں کے لیے طلب مغفرت فرمائیں۔ یہ سنی ایسی پیغمبر کی طلب مغفرت کا مومنین کے لیے کارگر ہونا، قرآن مجید کی دوسری آیتوں میں بھی آیا ہے مثلاً سورہ محمد کی آیت ۱۹، سورہ منافقین کی آیت ۱ اور سورہ توبہ کی آیت ۱۱۔

حضرت ابراہیمؑ کے اپنے چچا کے لیے استغفار کرنے کے متعلق اور دیگر آیات جو مشرکوں کے لیے استغفار سے منع کرتی ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ مومنین کے لیے استغفار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

نیز بعض آیتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بعض گناہگار مومنین کے لیے فرشتے بھی بارگاہ رب العزت میں طلب مغفرت کرتے ہیں مثلاً سورہ قاف آیت ۵ اور سورہ شوریٰ آیت ۵۔

غرضیکہ قرآن مجید کی بہت سی آیتیں اس مفہوم و معانی کا تذکرہ کرتی ہیں کہ پیغمبر فرشتے یا پاکدل مومنین بعض گناہگاروں کے لیے استغفار کرتے ہیں اور ان کی دعا بارگاہ خدا میں اثر رکھتی ہے۔ یہ بات پیغمبر علیہ السلام اور پاک دل مومنین کی طرف سے گناہگاروں کی شفاعت کا معنی بھی دیتی ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم کہ چکے ہیں ایسی شفاعت کے لیے خطا کاروں میں خود بھی قابلیت اور استعداد ہونا چاہیے۔

تعب کی بات یہ ہے کہ کچھ مفسرین کے بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ آیت مندرجہ بالا میں پیغمبر اکرم کے استغفار کو آپ کی ذات تک محدود رکھیں۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ انہوں نے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظلم و ستم کیا تھا اس لیے ضروری تھا کہ ان کی رضا مندی حاصل کریں۔ تاکہ خدا تعالیٰ ان کے گناہ معاف کر دے۔ لیکن واضح ہے کہ پیغمبر کے غیر سے فیض کو دانا

صرف پیغمبر پر ظلم نہیں ہے بلکہ اس کے خاص منصب کی مخالفت بھی ہے یا دوسرے لفظوں میں خدا کے فرمان کی مخالفت ہے مگر یہ فرض کر لیں کہ یہ ذات پیغمبر پر ظلم تھا تب بھی قرآن نے اس کا سہارا نہیں لیا بلکہ قرآن نے تو یہ کہا ہے کہ ان کا طرز عمل فرمانِ خدا کے خلاف تھا۔

علاوہ ازیں اگر ہم کسی پر ظلم کریں تو اس کا رخصت ہو جانا کافی ہے اور بارگاہِ خداوندی میں استغفار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ان سب باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ہاضم اور اکریت کی یہ تفسیر کریں تو باقی ان سب آیتوں کے بارے میں جو غیباں فرشتوں اور متوسلین کے استغفار کو گناہگاروں کے حق میں موثر قرار دیتی ہیں کیا کہیں گے کیا وہاں بھی شخصی حقوق تھے۔

۶۵۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ  
ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا  
تَسْلِيمًا ۝

ترجمہ

۶۵ تیرے پروردگار کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتے مگر یہ کہ وہ اپنے اختلافات میں آپ کو حکم اور فیصلہ کرنے والا مانیں اور پھر آپ کے فیصلہ پر اپنے دل میں کوئی ناراضگی محسوس نہ کریں بلکہ اسے مکمل طور پر تسلیم کر لیں۔

شانِ نزول

زبیر بن عوام جو ہاجرین میں سے تھے ان کا ایک انصاری کے ساتھ (جو مدینہ کے مسلمانوں میں سے تھا) ان باغیوں کے سیلاب کرنے کے متعلق جو ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے تھے اختلاف ہو گیا۔ دونوں حضرات اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے پیغمبر اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ زبیر کا باغ نہر کے بلند حصہ کی طرف تھا اور انصاری کا باغ نشیب میں تھا۔ اس لیے حضرت رسول اکرمؐ نے زبیر کو حکم دیا کہ پہلے تم اپنے باغ کو پانی دے دو اور اس کے بعد یہ انصاری مسلمان پانی دے دے (یہ اس واقعہ کے مطابق تھا جو ایک دوسرے کے قریب باغیوں کے بارے میں تھا) لیکن وہ انصاری جو بظاہر مسلمان تھا پیغمبر اکرمؐ کے عادلانہ فیصلے سے ناراض ہو کر کہنے لگا اکیا آپ نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ زبیر آپ کی چوپچی کا بیٹا ہے؟ حضورؐ کو اس کی اس گفتگو سے تکلیف پہنچی یہاں تک کہ آپؐ کے چہرے کا رنگ دگرگوں ہو گیا۔ اس موقع پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی اور اس میں ایسے مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی بعض دوسری اسلامی تفسیروں میں اس کے علاوہ اور شانِ نزول کا بھی ذکر ہے۔ جو بیان کی گئی شانِ نزول سے تھوڑے بہت ملتے جلتے ہیں ۱۱



اگر ایک گروہ خدا کی عبادت کرنے نماز پڑھے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور حج کرے لیکن ان کاموں کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیے ہیں بڑا بچے یا یوں کہے کہ اگر غلام کو م زکی ہوتا تو بہتر تھا۔  
در اصل حقیقی مومن نہیں ہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

تم پر لازم ہے کہ خدا اور حق کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔

آیت مندرجہ بالا سے فہنی طور پر دو اہم مطلب معلوم ہوتے ہیں:

۱۔ یہ آیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصوم ہمنے کی دلیل ہے۔ کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام احکامات کی گفت و گو کردار میں مطلق اور کامل طور پر پندیرائی یہاں تک کہ ادلی طور پر ان کے آگے جھکنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آپ کو احکام خداوندی اور اپنے فیصلوں میں نہ کوئی اشتباہ ہوتا ہے اور نہ آپ جان بوجھ کر خلاف حق کہتے یا کرتے ہیں۔ لہذا آپ خطا سے بھی محفوظ ہیں اور گناہ سے بھی۔

۲۔ آیت مندرجہ بالا نص پیغمبر کے مقابلہ میں اجتہاد اور ایسے مسامحی میں جن کے بارے میں خدا و رسول کی طرف سے حکم صریح ہو انہما در اسے اور انہما عقیدہ کی نفی کرتی ہے۔ لہذا اگر تاریخ اسلام میں یہ بتائے کہ بعض لوگ خدا و پیغمبر کے حکم کے مقابلے میں اجتہاد انہما در اسے اور انہما عقیدہ کیا کرتے تھے مثلاً یہ کہتے تھے کہ پیغمبر نے اس طرح کہا ہے اور میں یہ کہتے ہوں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ ان کا عمل مندرجہ بالا آیت کی صراحت کے بالکل خلاف ہے۔

۶۶۔ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ وَكُلُوا لَلَّهِمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ

بَلْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيثًا ۝

۶۷۔ وَإِذَا لَا تِنَّهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ۝

۶۸۔ وَلَهْدِيْنَهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝

ترجمہ

۶۶۔ (ہم نے کوئی مشکل فرض ان کے کا نہ حوں پر نہیں ڈالا) اگر (بعض گزشتہ امتوں کی طرح) انہیں بھی ہم حکم دیتے کہ ایک دوسرے کو قتل کریں یا اپنے وطن سے نکل جائیں تو بہت تھوڑے لوگ اس پر عمل کرتے اور اگر وہ ان نصیحتوں پر چلتے تو ان کے فائدہ میں تھا کیونکہ ایسا کرنا ان کے ایمان کی تقویت کا سبب بنتا۔



۶۷ اور اس صورت میں ہم انہیں اپنی طرف سے بہت بڑی جزا اور ثواب عطا فرماتے۔

۶۸ اور انہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت کرتے۔

تفسیر

یہاں گذشتہ سورت کی تکمیل کی گئی ہے جو ان لوگوں کے متعلق تھی جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عادلانہ فیصلوں پر ہمیں پرہیز جہتے تھے۔ گذشتہ آیتوں کے تکلیف دہ اور سخت احکام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: ہم نے کوئی شکل فرض ان کے کندھوں پر نہیں رکھا۔ اگر ہم گذشتہ آیتوں کی طرح مشابہ بودی کر نہیں ان کی بت پرستی اور گمراہی پرستی کے بعد یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اسی عظیم گناہ کے کفار میں ایک دوسرے کو قتل کریں یا اپنے عزیز وطن کو چھوڑ کر کہیں باہر چلے جائیں، انہیں بھی ہی قسم کا سنت حکم دیتے تو اس کو کس طرح بھاڑتے یہ تو ایک باغ کی آبیاری کے بارے میں بھی پیغمبر کے سامنے تسلیم نہیں کرتے تو پھر دوسری آزمائشوں پر کس طرح پورا اتر سکتے ہیں سقم ہے اگر انہیں اس قسم کا حکم دیتے کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں یا وطن چھوڑ دیں تو بہت کم لوگ اس پر عمل کرتے۔ **وَلَوْ كُنْتُمْ عَلِيمِينَ** ان اقلوا انفسکم واورجو امن دیا کہ ما فعلوہ الا قلیل منہم۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قتل کے لیے آمادگی اور وطن سے نکلنے کی تیاری کئی ساعت سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں کیونکہ بدن انسانی روع کا وطن ہے اور ایک اہمیت کا حامل ہے۔ اس طرح وہ ملک جس میں ہم رہتے ہیں جو انسانی کے لیے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس لیے خیم کے وطن کو چھوڑنا انسان کے لیے بہت مشکل ہے کیونکہ وہ انسان کی پیدائش اور رہنے کی جگہ ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے: اگر وہ خدا و رسول کے پند و نصائح قبول کر لیں تو اس میں خود ان کا بھی فائدہ ہے اور ان کے ایمان کی تقویت کا سبب بھی ہے۔ **وَلَوْ اَنفَعُ فَعَلُوا مَا يَوْعظون بہ لكان خیرا و اشد تثبیتا۔**

یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہاں خداوند عالم کے احکام کو وہ خدا و نصیحت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ احکام ایسے نہیں ہیں جن سے حکم لینے والے (خداوند عالم) کو ذرہ بھر فائدہ پہنچے۔ بلکہ حقیقت میں وہ ایسی نصیحتیں ہیں جو خود تمہارے نفع میں ہیں اس لیے بلا فائدہ فرماتا ہے: ان کی اطاعت بھی تمہارے لیے منفعت بخش ہے اور تمہارے ایمان کی تقویت کا موجب بھی ہے۔ اس نکتے کی طرف توجہ رہے کہ آیت کا آخری حصہ بتاتا ہے کہ جس قدر انسان خدا کے حکم کی اطاعت کی راہ میں قدم در جائے اس قدر اس میں اثبات اور استقامت پیدا ہوتی ہے۔ حقیقت میں خدا کے فرمان کی اطاعت ایک روحانی ورزش ہے جس کا نکتہ عمل یہاں ورزش کی طرح روز بروز قوت، قدرت، ثبات اور استحکام میں اضافہ کرتا رہتا ہے اس طرح آہستہ آہستہ انسان ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ کوئی طاقت اس کے ایمان کی قوت پر غور حاصل نہیں کر سکتی اور نہ اسے دھوکا دے سکتی ہے۔

اس کے بعد والی آیت میں خدا کے سامنے تسلیم و اطاعت کا تیسرا فائدہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: اس وقت اعلان اس کے جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے، انہیں عظیم اجر و ثواب بھی دیں گے۔ **وَ اِذَا لَا تَتَّبِعُہُمْ مِنْ لَدُنَّا اجزا ح ظلیعاً۔** زیرِ نظر آیات میں سے آخری آیت میں جو تھے فائدے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ہم انہیں سیدھی راہ کی ہدایت



کریں گے (الہدینا ہر صراطا مستقیما)۔

واضح ہے کہ اس ہدایت سے مراد اصل دین و آئین کی ہدایت نہیں ہے بلکہ نئے اطافِ الہی میں جو خداوند عالم کی طرف سے ہدایت ثنائی کی صورت میں اور اجرو ثواب کے طور پر ایسے الہی افراد کو دیئے جائیں گے یہ اس طرح ہے جیسے سورۃ حمد کی آیت، میں اشارہ کیا گیا ہے:

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى

جو ہدایت کی راہ میں قدم بڑھاتے ہیں خداوند عالم ان کی زیادہ ہدایت کرتا ہے۔

ایک لطافت میں ہے کہ جب آیت وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَیْهِمْ مِّنْ قَتْلُوا النَّفْسَ تَاٰیِلَ ہوتی تو ایک مومن نے کہا: خدا کی قسم اگر اس قسم کے سخت حکم ہیں دیتے جاتے تو ہم یقیناً ان کی قتل کر دیتے لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس قسم کے احکام سے اس نے معاف رکھا۔ بہرہ گنگر پینبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ان من امتی لرجالا الایمان اشدت فی قلوبہم من الجبال الرواسی“

میری امت کے بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کے دلوں میں ایمان کے مضبوط پہاڑوں سے زیادہ راسخ ہے۔

۶۹۔ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝

۷۰۔ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا ۝

ترجمہ ۶۹۔ جس شخص خدا اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ (قیامت کے دن) ایسے لوگوں کا ساتھی ہوگا جن پر خدا نے اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صلحاء میں سے ہیں اور وہ بہترین رفیق ہیں۔

۷۰۔ یہ خداوند عالم کا فضل و کرم ہے اور یہ بات کافی ہے کہ وہ (بندوں کے حالات، نیتوں اور اعمال سے) آگاہ ہے۔

شان نزول

ثوبان رسول اللہ کا ایک صحابی تھا وہ حضورؐ سے بہت الفت و محبت رکھتا تھا۔ ایک دن نہایت پریشانی کے عالم میں آپؐ





کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسی سے پریشانی کا سبب دریافت فرمایا تو اس نے عرض کیا کہ جب میں آپ سے ہوا ہوتا ہوں اور آپ کو نہیں دیکھتا تو پریشان ہو جاتا ہوں۔ آج میں اس فکر میں غوطہ زن تھا کہ کل قیامت کے دن اگر میں اہل بہشت میں سے ہوا تو یہ مسلم ہے کہ میں آپ کے درجے میں تو نہیں ہوں گا اس وجہ سے آپ کو تو کبھی نہ دیکھ سکوں گا اور اگر اہل جنت میں سے نہ ہوا تو پھر بھی زیادت سے محروم رہوں گا بنا بریں ہر دو صورت میں آپ کی حضور کی شرف سے محروم نہ ہو سکوں گا۔ پھر ان حالات میں میں کیسے پریشان نہ ہوں۔ اس وقت مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی اور ایسے لوگوں کو بشارت دی گئی کہ جنت اور فرمانبردار افراد جنت میں بھی انبیاء اور بزرگان دین کے ساتھی ہوں گے۔ اسی کے بعد حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ خدا کی قسم کسی مسلمان کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک وہ مجھے اپنی ذات، مال باپ اور تمام رشتہ داروں سے زیادہ دوست نہ رکھے اور میری بات کے سامنے تسلیم نہ کرے۔

تفسیر

جنت کے ساتھی

اس آیت میں ان لوگوں کا ایک اور افتخار و اعزاز بیان کیا گیا ہے جو خداوند عالم اور اس کے رسول کے مطیع و فرمانبردار ہیں اور حقیقت میں ان خصوصیات و امتیازات کی تکمیل کرتا ہے جن کا ذکر گذشتہ آیتوں میں ہو چکا ہے۔

(ومن يطع الله والرسول فأولئك مع الذين انعم الله عليهم .....)

بہا کہ سورۃ الحمد کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ جو لوگ اس نعمت کے حامل ہیں وہ ہمیشہ صراطِ مستقیم پر گامزن رہتے ہیں اور کم سے کم گمراہی اور روگردانی بھی نہیں کرتے۔ اس کے بعد خداوند عالم نے اس بزرگی و مہارت اور ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے ان پر اس نے اپنی نعمت کی تکمیل فرمائی ہے۔ چار قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو حقیقتاً اس موضوع کے چار رکن ہیں۔

۱۔ خدا کے مخصوص بھیجے ہوئے انبیاء جو لوگوں کی ہدایت اور رہبری کے لیے صراطِ مستقیم کی طرف سب سے پہلے اپنا قدم بڑھا رہے ہیں (من التبیین)۔

۲۔ پیچ جوئے والے۔ وہ لوگ جو بات کے پیچہ ہوتے ہیں اور اپنے عمل اور کردار سے اپنی بات کی سچائی کو ثابت بھی کرتے ہیں اور اس امر کا ثبوت دیتے ہیں کہ وہ ایمان کے دعویٰ دار ہی نہیں ہیں بلکہ واقعی خدا کے احکام پر ایمان بھی رکھتے ہیں (والصدیقین)۔ اس تفسیر سے واضح ہوتا ہے کہ مقامِ نبوت کے بعد صدق و راست گوئی سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں ہے صرف گفتار کی سچائی نہیں بلکہ عمل و کردار کی پاکیزگی بھی جس میں امانت و اخلاص بھی شامل ہیں کیونکہ امانت دراصل عمل میں صداقت کا دوسرا نام ہے جیسا کہ راست گوئی گفتار میں امانت ہے اسی طرح کوئی برائی گفرتے بعد بھڑٹ، انفاق اور سخی و عمل میں خیانت سے بدتر نہیں ہے۔ یاد رکھیے کہ صدیق مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں سزا پر راستی اور درستی۔ بعض روایتوں میں صدیق سے حضرت امیر المومنین اور ائمہ اہل بیتؑ مراد لیے گئے ہیں جیسا کہ ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ اس قسم کی تفسیر آیات کے روشن اور عالی مصادیق







رکاوٹوں کے جو نیک کام کرنے والوں کے راستہ میں مائل ہوا کرتی ہیں، خاص لطفِ الہی سے تفسیر نمونہ کی تیسری جلد بائیں  
حصہ اس مقام اختتام کو پہنچ گئی ہے۔

ذلک الفضل من اللہ و کفی باللہ علیہما۔

فدایا بطفیل محمد و آل محمد ہماری نیتوں کو پاک اور ہمارے اعمال کو پر خلوص بنادے۔

تفسیر نمونہ جلد سوم ختم ہوئی

## اصول و عقائد

### مبدأ

### توحید

|        |  |           |  |
|--------|--|-----------|--|
| ۲۰۶    | ساجان ایمان جنت میں                              | ۳۸۲ تا ۳۶ | جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ اُس کا شاہدِ حال ہے                  |
| ۲۳۰    | جنت کے ساتھی انبیاء، رسول، شہداء اور صدیقین      | ۶۵        | بیشک اللہ دلوں کے اسرار سے واقف ہے                           |
| ۹۰     | سعادت کی راہ میں ایک دوسرے پر سبقت               | ۱۶۱ و ۱۶۱ | خدا شناسی کا روشنی تر راستہ                                  |
| ۸۱     | کیا جنت و دوزخ اس وقت موجود ہیں                  | ۱۶۱       | وعدتِ خدا کی نشانیاں   |
| ۸۲     | جنت و دوزخ کہاں ہیں؟                             | ۱۶۲ و ۱۶۱ | موجودات میں غور و فکر تربیت و تکامل کا ذریعہ ہے              |
|        | نورانی اور تاریک چہرے۔ ایمان لانے کے بعد کفر     | ۱۶۲       | اہل عقل فرد پرستی سے بیزار ہیں                               |
|        | کیوں اختیار کیا۔ (مزید دیکھیے متفرق موضوعات) میں | ۲۴۳       | اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کا شریک نہ بناؤ                       |
| ۵۳، ۵۲ | آیہان -  |           | دعوتِ توحید روح کو پاک، نیت کو خالص اور ارادہ کو قوی کرتی ہے |

## احکام

### نماز

### عدل

|     |  |     |  |
|-----|--|-----|--|
|     | نماز تہجد میں سورہ آل عمران کی پانچ آیات ۱۹۰ تا ۱۹۴ کی تلاوت کا روایات اہل بیت میں حکم دیا گیا | ۲۸۰ | اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اگر نیک کام ہو تو اسے کئی گنا کر دیتا ہے اور اس کے بدلے اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے |
| ۱۵۹ | اسے ایمان والو! جب تم نشہ میں ہو تو نماز کے پاس نہ جاؤ   | ۲۸۱ | اسلام میں عدل کی اہمیت   |

### نبوت

|     |                             |  |   |
|-----|-----------------------------|--|---|
| ۲۸۵ | حالت جنابت میں نماز باطل ہے |  | • اُن تغفل کی تفسیر۔ ممکن ہی نہیں کہ کوئی نبی خیانت کرے |
|-----|-----------------------------|--|---|

### تیمم

۱۱۸

|     |                                       |           |  |
|-----|---------------------------------------|-----------|--|
| ۲۸۶ | تیمم اور تیمم کا طریقہ                | ۱۲۳ و ۱۲۲ | بعثتِ رسول خدا کی ایک بڑی نعمت ہے              |
| ۲۸۸ | تیمم کا فلسفہ، مٹی کی جراثیم کش تاثیر | ۱۳۶       | ہر نبی کے لیے انسانی اور جناتی شیطانوں سے دشمن |

### حج

### ایمانت

|    |                               |            |  |
|----|-------------------------------|------------|--|
| ۳۰ | لوگوں کے لیے اللہ کا پہلا گھر | ۳۱۲        | اطاعتِ خدا کے بعد اطاعتِ رسول و اولی الامر |
| ۳۱ | بکھڑے سے کیا مراد ہے          | ۳۱۲ تا ۳۱۴ | اولی الامر کون ہیں؟                        |



|            |  |          |   |
|------------|--|----------|---|
| ۲۳۸        | نکاح موقت پر کیے گئے اعتراضات کا جواب                | ۲۳۸      | مسجد الحرام کی توسیع اور امام صادق علیہ السلام کا استدلال |
| ۲۳۹        | عقلا و مشاہیر نکاح موقت کے محترفات                   | ۲۳۹      | مہدی عباسی کے دور میں امام موسیٰ کاظمؑ کا استدلال         |
| ۲۵۰        | نکاح موقت میں توسیع                                  | ۲۵۰      | خانہ کعبہ کی خصوصیات                                      |
| ۲۵۳ و ۲۵۴  | کنیزوں سے نکاح کی کیفیات، شرائط اور طریقہ کار        | ۲۵۳      | حج کی اہمیت   |
| ۲۶۲ تا ۲۶۵ | مردوں میں ایک دوسرے پر نفیست                         | ۲۶۲      | جہاد  |
|            | گھریلو نظام میں سرپرستی، مرد عورتوں کے سرپرست        |          | جہاد میں شرکت نہ کرنے والے اور ان کی خدمت                 |
| ۲۶۸        | اور خدمت گزار ہیں                                    | ۲۶۸      | نکاح  |
| ۲۶۹، ۲۷۰   | نافران عورتیں  | ۲۶۹      | اگر حقوق زوجیت ادا نہ کر سکو تو یتیم لڑکیوں سے شادی       |
|            | خاندانی مصالحتی عدالت اور ان سے استفادہ              |          | نہ کر دبلکہ دوسری عورتوں سے دو، تین چار تک نکاح           |
| ۲۷۱، ۲۷۲   | کی خصوصیات   | ۲۷۱      | کر د، اگر ان کے درمیان انصاف نہ کر سکو تو ایک             |
|            | وراثت  |          | ہی کافی ہے  |
| ۲۷۸        | میراث ایک فطری حق ہے                                 | ۲۷۸      | بیویوں سے عدالت کا مفہوم                                  |
| ۲۷۹        | میراث گزشتہ اقوام عالم میں                           | ۲۷۹      | تعدد ازواج ایک اجتماعی ضرورت                              |
|            | اسلام میں میراث کا سرچشمہ تین چیزیں ہیں نسب،         |          | حق مہر عورت کے لیے ایک معاشرتی سہارا ہے                   |
| ۲۸۰        | سبب، دلا   | ۲۸۰      | حق مہر کے مفادات کی تفصیل                                 |
| ۲۸۱        | مرد کی میراث عورت سے دگنی کیوں؟                      | ۲۸۱      | حقوق نسواں کا دوبارہ دفاع                                 |
| ۲۸۲        | ماں باپ کی میراث                                     | ۲۸۲، ۲۸۳ | اپنی تسخیل ماؤں سے نکاح نہ کرو، یہ بے حیائی،              |
| ۲۸۳        | میراث - وصیت اور اولیٰ قرض کے بعد ہے                 | ۲۸۳      | گناہ اور قابل نفرت ہے                                     |
| ۲۸۴        | میراث میں میاں بیوی کا ایک دوسرے سے حصہ              | ۲۸۴      | حرام عورتوں کی تفصیل                                      |
| ۲۸۵        | بھائی اور بہنوں کی میراث                             | ۲۸۵      | محرم رضائی کی حرمت کا فلسفہ                               |
| ۲۸۶        | اسلامی قانون میراث کی خصوصیات                        | ۲۸۶      | بیوی کی مائیں اور بیٹیاں، بیٹوں کی بیویاں اور ایک         |
| ۲۸۷        | حول اور تعصیب کے کہتے ہیں                            | ۲۸۷      | وقت میں دو سنگ بنیں حرام ہیں                              |
| ۲۸۸        | ہم نے ہر شخص کیلئے وارث قرار دیئے ہیں                | ۲۸۸      | محسنات (شوہر دار عورتیں) حرام ہیں                         |
| ۲۸۹        | حمد و پیمان کی بناء پر وراثت                         | ۲۸۹      | اسلام میں نکاح موقت جائز ہے                               |
|            | دعویٰ  |          | یہاں نکاح موقت کا حکم منسوخ ہو گیا ہے؟                    |
| ۲۹۰        | ایسی پانچ آئین جو رہتا ہے شروع ہوتی ہیں ان کی تبادلت | ۲۹۰      | نکاح موقت ایک اجتماعی ضرورت ہے                            |
| ۲۹۱        | بعد دعا کرنے سے دعا قبول ہوتی ہے (امام صادق)         | ۲۹۱      |   |

اہل خود کے اعمال کا نتیجہ بخش گناہوں، قبولیت دعا  
رحمت خداوندی کا سایہ (دیکھیے متفرق موضوعات)  
میں "توبہ"

۱۹۵

## اخلاقیات

### اخلاق حسنہ

آیات قرآنی کا مسلمانوں کے دلوں پر اثر ابو طلحہ انصاری  
نے اپنا بہترین باغ تقسیم کر دیا۔ ابوذر غفاری نے مہمان  
کے لیے اونٹ خریدا۔ زبیدہ نے قرآن کریم میں لکھے  
ہوئے جواہرات کی قیمت سے بادیہ نشینوں پہلے  
پانی میا کیا۔

۲۶، ۲۹

اگر تقسیم وراثت کے وقت خاندان کے بیٹائی و سائیں  
شریک محفل ہوں تو انہیں بھی کچھ دے دو

۲۰۳

صاحبان ایمان جنت میں

۲۰۴

امانت کی ادائیگی

۳۱۱

اخلاق و ذیلہ

بخل

بخل کی گردن میں قید و بند کا بھاری طوق

۱۴۳، ۱۴۴

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا نتیجہ

۱۴۳

انفاق میں دکھلاوا اور رضا النہی

۲۴۹، ۲۵۰

حسد

حسدانہ جرائم۔ دوسروں کی دولت اور نعمت کو

۳۰۳

برباد کرنا

حسد دنیا کے بہت بڑے فسادات کی جڑ ہے

۳۰۴

حسد ایمان کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے لکڑیوں کو آگ

۳۰۵

(امیر المؤمنین)

خیانت

ہر قسم کی خیانت ممنوع ہے  
مال غنیمت میں خیانت نہ کرنے کا ایک واقعہ  
(دیکھیے متفرق خیانت)

۱۱۷

۱۱۹

### سرکشی

جو لوگ طغیان، سرکشی اور نافرمانی میں غرق ہو جائیں خدا

انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے (دیکھیے متفرق)

۱۲۹

### نفاق

منافقین کا رسول پاک کو چھوڑ کر طاقت (ہیو یوں) سے

فیصلے کروانا اور اس کی مذمت

۳۲۰

طاقت کے فیصلے کا نتیجہ

۳۲۱

منافقین جب کسی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں پھر آپ

کے پاس آتے ہیں اور معذرت کرتے ہیں

۳۲۲

اللہ ان کے دلوں کے عجیدہ مانتا ہے

۳۲۳، ۳۲۴

جنگ احد کے نتیجے میں نفاق واضح ہو گیا۔ مسلمانوں

کی تعمیر (دیکھیے جنگ احد متفرق)

۱۴۱

منافقین کی بے بنیاد باتیں (دیکھیے متفرق - طعنات نفاق)

۱۴۹، ۱۵۰

## اقوام گزشتہ

### یہود

یہود کی اسلام کے خلاف سازش۔ شامی بن قیس کا

بنی ادس و خزرج کے درمیان دشمنی کے شعلوں کو بھڑکانا۔

رسول اللہ کا باخبر ہو کر آتش عداوت کو سرد کرنا (دیکھیے شخصیات)

نفاق ڈالنے والے

۳۸

یہودیوں کی عبرت ناک داستان۔ دوسروں کے حقوق پر

اتحاد ڈالنے کا انجام

۵۸

گزشتہ لوگوں کی تاریخ کا مطالعہ

۸۰

(دیکھیے متفرق موضوعات)



|     |  |           |  |
|-----|--|-----------|--|
| ۲۹  | حضرت ابراہیم مشرکین میں سے نہ تھے  | ۱۲۵       | حضور پاکؐ نے بنی قینحاع کے یہودیوں کو خط کے ذریعہ ناز، ذکوۃ اور خدا کو قرض دینے کی ہدایت کی        |
| ۲۰۰ | ایک مادہ پرست امام صادقؑ کا مہصر   | ۱۲۸       | یہودیوں کی بہانہ تراشی   |
| ۲۳۹ | ابوقیس انصاری  | ۱۵۳       | قرآن نے یہود کے ایک اور بُرے کام - کتمان حق - کو آشکار کیا   |
|     | ابوقیس کے لڑکے نے اپنی سوتیل ماں سے عقد کرنا چاہا                                  | ۱۵۴       | کتاب خدا کو پس پشت ڈال دیا   |
|     | ارقطہ  | ۱۵۴، ۱۵۶  | یہود کی خود پسندی  |
| ۲۰۲ | اوس کا چچا زاد بھائی جس نے اوس بن ثابت کا ورثہ حاصل کر لیا اور اسکے بچے قیم وہ گئے |           | بعض یہودی تورات کے فقرہوں کو بدل کر - ہم نے سنا اور مخالفت کی - کہتے ہیں                           |
|     | ام سلمہ و ام عطیہ  | ۲۹۰       | جو کچھ ہم نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے اس پر ایمان لے آؤ، اس سے پہلے کہ ہم چہرہوں کو مسخ کر دیں     |
| ۹۰  | جنگ اُحد میں رسول پاکؐ نے ان دونوں کو حشر علیٰ کے زخموں کا علاج کرنے کا حکم دیا    | ۲۹۲       | ہٹ دھرم افراد کی سرفروخت   |
|     | اوس بن ثابت انصاری   | ۲۹۳ - ۲۹۴ | اصحاب بہت کا مختصر واقعہ   |
|     | اوس کے مرنے پر اس کے چھوٹے بچے دراشت سے عروم کر دیئے گئے                           | ۲۹۳       | یہود کے ایک گروہ کا تذکرہ جو ایک طرح سے مشرک تھا   |
| ۲۰۲ | جباب بن منذر   | ۲۹۵       | یہود و نصاریٰ خود ستانی کے رسیا  |
|     | آپؐ نے جباب کے شور سے پر جنگ بدر کے لیے پانی کے قریب پڑاؤ ڈالا                     | ۲۹۶       | سازشی لوگ کعب بن اشرف وغیرہ (دیہی شخصیات)  |
| ۱۱۲ | حمزہ سید الشہداء   | ۳۰۰       | وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں خدا نے اپنی رحمت سے دور کر دیا   |
|     | جنگ اُحد کی فتح شکست میں بدل گئی اور آپؐ شہید ہو گئے                               | ۳۰۱       | ملائی ذمہ داری - اگرچہ ذکر ملن یہود کا ہے - لیکن ہر قوم کے علماء کی ذمہ داری ہے کہ حق کو بیان کریں |
| ۰۰  | خالد   | ۱۵۴       | (دیہی تفرقہ - ملاز)  |

## شخصیات

|     |  |     |  |
|-----|--|-----|--|
| ۲۰۲ | اوس کو عروم کر کے ورثہ حاصل کر لیا       |     | آدم علیہ السلام                              |
|     | زبیر بن العوام (آپؐ کے بھوپتی زاد بھائی) |     | اس خدا سے ڈرو جس نے تمہیں ایک انسان پیدا کیا |
|     | زہیر اور ایک انصاری کے بانوں کی سیرالی   | ۱۸۱ | حضرت آدمؑ کے بچوں کی شادیاں کس طرح ہوئیں؟    |
| ۲۲۵ | کافضیلہ                                  | ۱۸۳ |  |



زینب بنت علی علیہ السلام

شیر دل خاتون کا دربارِ یزید میں خطبہ

شامی بن قیس (یہودی سردار)

اس آؤس و خزوج قبیلوں کو جمع کیا۔ رسولِ پاکؐ نے

آتشِ حسد کو سرد کیا (دیکھئے اقوامِ گزشتہ)

صادقؑ امامِ ہشتم

آپؑ نے فرمایا جو شخص محسن پر ظلم کرے گا خدا اس پر کس

خاتم کو مسلط کر دے گا جو اس پر اور اس کی اولاد

پر ظلم کرے۔ (دیکھئے متفرق ظلم)

عثمان بن طلحہ

خانہ کعبہ کا چابی بردار

عمرو بن قیس حارثی

جنگِ اُحد میں اس دشمنِ اسلام نے پتھر مارا جس سے

رسولِ پاکؐ زخمی ہوئے

عبد اللہ بن سلام

عبد اللہ بن سلام یہودی کا مسلمان ہونا اور یہودیوں

کی شرارت

عطاء بن ابی رباح

حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آپؐ نے رسولِ پاکؐ میں

زیادہ عجیب شے کیا دیکھی

علی ابن ابی طالب علیہ السلام

احترامِ شہداء، شہیدوں کا اجر (بوسیدہ امامِ رضاؑ)

فرمانِ جنابِ امیر

فتحا حص

ایک یہودی عالم۔ جسے رسولِ پاکؐ کا خط دیا گیا۔

خط پڑھ کر اس نے کہا: ان اللہ فقیر و

منحن اغنیاء

کعب بن اشرف شاعر

مسلمانوں اور حضورِ پاکؐ کی بھوکھٹا تھا۔

مسلمان عورتوں اور لڑکیوں سے نزالِ سرائی و عشق بازی

بیان کرتا تھا

جنگِ اُحد کے بعد کعب مکہ میں ابو سفیان سے ملا کہ

وہ مسلمانوں سے اپنا معاہدہ ترک کر کے مشرکین مکہ کی

مدد کرے گا

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپؐ نے ارشاد فرمایا: است موشی ۱، است صینی ۲،

اور میری است ۳، فرقوں میں بٹ جائے گی

محمد صرف خدا کے رسول ہیں جیسے پہلے رسول تھے۔

اگر وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم دین سے

پھر جاؤ گے؟

عمرو بن قیس حارثی نے ایک پتھر مارا جس سے آپؐ

زخمی ہو گئے

علاء اللہ بن مسعود بن حیر نے حملوں کو روکا اور خود

شہید ہو گئے۔ وہ رسولِ پاکؐ سے مشابہت رکھتے

تھے لہذا شور مچا کہ محمد قتل ہو گئے

شہداء جنگِ اُحد میں سے رسولِ پاکؐ ہر ایک شہید

کی لاش مبارک کے پاس بیٹھے گریہ فرمایا اور دعا منفرات

کی، بعد ازاں دامنِ اُحد میں دفنایا

آپؐ نے غبارِ غبار کی غائبانہ نماز جنازہ قبرستانِ بیقین

میں پڑھائی

اور آپؐ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے

آپؐ کی عصمت کی دلیل۔ اللہ تعالیٰ کا آپؐ کے یکے

ہوئے فیصلوں کو دل سے قبول کرنے کا حکم

آپؐ کی فیصلوں کو دل سے تسلیم نہ کرنے پر اللہ کی تعقید

۱۳۹

۳۸۰-۳۷۰

۲۰۵

۲۰۹

۹۵

۹۰-۵۹

۱۵۸

۱۳۱

۱۳۵

۱۵۲

۲۹۹-۳۰۰

۵۱

۹۲

۹۵

۹۵

۹۸

۱۷۱

۲۸۲

۲۲۷

۳۲۹، ۳۲۸





- ۳۲۰ آپ کی حقیقی محبت کے بغیر ایمان مکمل نہ ہوگا  
اسے پیغمبرِ ارادہ کفر میں ایک گروہ دوسرے پر سبقت  
ماں گھنے کے درپے ہے۔ اس سے غلین نہ ہونا  
یہی کافی ہے کہ خدا تمہارا رہبر ہوں اور ناموس  
بدکار ہے  
۲۹۰، ۲۹۹ محمد عابدہ  
۹۳ مصر کا ایک عظیم مفتی  
معبد خزاہی مشرک  
معبد نے رسول اللہ کی افواج کو دیکھا پھر ابوسفیان کو  
مسلمانوں کے محلے سے مطلع کیا  
۱۳۲ مصعب بن عمیر علمدار لشکر  
جنگ امد میں علمدار لشکر مصعب بن عمیر نے رسول اللہ  
سے دشمنوں کو ہٹایا خود شہید ہو گئے  
۹۵ فوت بکالی  
محبابی امیر المؤمنین کی بیان کردہ ایک روایت ۱۵۹، ۱۶۰

## علماء و دانشور

- ابوبکر بن مومن شیرازی  
جنگ تبوک کے موقع پر حضرت علی کی ولیمہ کی قائل ۳۱۸، ۳۱۹  
ابوحیان اندلسی  
مشہور اسلامی مفسر  
۳۱۹ ابیوردی شیخ  
تخت جمشید کے سامنے کہا ہوا اس کا قصیدہ  
۸۸ برٹریسڈرسل انگریز دانشور  
نکاح موقت کا معترف  
۲۴۹ تومال کارل  
خداوند عالم نے اسلام کے ذریعہ عربوں کو تاریکی سے

## کتب سماوی

- انجیل مسی ۱۹۹  
توراة سفر اعداد ۲۱۱

## کتب میں تاریخ و تفاسیر

- ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸ احتیاج طبری



|                              |  |                         |  |                      |
|------------------------------|--|-------------------------|--|----------------------|
| ۱۶۶                          | ۳۱۸                                    | حقوق زن در اسلام        | ۳۱۸                                    | احقاق الحق           |
| ۲۲۵                          | ۱۷۱                                    | دار قطنی                | ۱۷۱                                    | اسباب النزول واحدی   |
| ۲۵۰، ۲۲۹                     | ۱۵۶، ۱۳۵                               | زنا شونی و احسلاق       | ۱۵۶، ۱۳۵                               | اسباب النزول واقدی   |
| ۳۱۱                          | ۲۶۱                                    | سفینۃ البحار            | ۲۶۱                                    | اصول کافی            |
| ۲۳۴                          | ۲۲۶                                    | سنن کبریٰ بیہقی         | ۲۲۶                                    | بداية المجتہد        |
| ۶۹                           | ۲۴۶، ۲۴۳                               | سیرت حبیبی              | ۲۴۶، ۲۴۳                               | الفسدیر              |
| ۲۳۵                          | ۱۱۹                                    | شرح لمعہ ج              | ۱۱۹                                    | تاریخ طبری           |
| ۲۸۶، ۲۶                      | ۱۵۹، ۱۵۵، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱                | صحیح بخاری              | ۱۵۹، ۱۵۵، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱                | تفسیر ابو الفتح رازی |
| ۳۱۱                          | ۲۶۲، ۲۴۶، ۱۸۸، ۱۵۶، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱      | صحیح ترمذی              | ۲۶۲، ۲۴۶، ۱۸۸، ۱۵۶، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱      | تفسیر المنار         |
| ۲۶                           | ۳۲۵، ۳۱۹، ۳۱۱، ۳۰۱، ۲۷۵                | صحیح مسلم               | ۳۲۵، ۳۱۹، ۳۱۱، ۳۰۱، ۲۷۵                |                      |
| ۱۶۶                          | ۲۸۲، ۲۴۳، ۲۰۹، ۲۰۶، ۱۹۸                | غدر تفسیر پریش گاہ محمد | ۲۸۲، ۲۴۳، ۲۰۹، ۲۰۶، ۱۹۸                | تفسیر برہان          |
| ۸۵                           | ۳۱۹، ۳۰۲                               | کتاب امالی صدوق         | ۳۱۹، ۳۰۲                               |                      |
| ۱۰۲                          | ۳۲۵، ۳۰۱                               | کتاب خصال               | ۳۲۵، ۳۰۱                               | تفسیر تمیان          |
| ۱۶۶                          | ۱۳۵                                    | کتاب درد سترک مارک      | ۱۳۵                                    | تفسیر روح البیان     |
| ۳۰۸                          | ۳۰۲، ۳۰۱، ۲۶۲                          | مجالس الشیخ             | ۳۰۲، ۳۰۱، ۲۶۲                          | تفسیر روح المعانی    |
| ۲۶۱                          | ۲۳۴، ۳۶                                | محجۃ البیضاء جلد ۷      | ۲۳۴، ۳۶                                | تفسیر صافی           |
| ۳۰۵                          | ۲۴۴                                    | مستدرک الوسائل          | ۲۴۴                                    | تفسیر طبری           |
| ۲۱۳                          | ۸۵                                     | معانی الاخبار           | ۸۵                                     | تفسیر عیاشی          |
| ۳۶                           | ۳۲۹، ۲۶۲                               | من لای یحضرہ الفقیہ     | ۳۲۹، ۲۶۲                               | تفسیر فی ظلال        |
| ۳۱۱                          | ۲۸۶، ۲۷۵، ۲۴۵، ۲۴۴                     | نسائی                   | ۲۸۶، ۲۷۵، ۲۴۵، ۲۴۴                     | تفسیر قرطبی          |
| ۴۳                           | ۳۱۵                                    | نگاہی بتاریخ جہاں جلد ۱ | ۳۱۵                                    | تفسیر کبیر           |
| ۳۰۵، ۲۶۱، ۱۵۵، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱ | ۲۴۶، ۲۴۴، ۲۴۳                          | نیج البسلاخ             | ۲۴۶، ۲۴۴، ۲۴۳                          | تفسیر کنز العرفان    |
| ۲۸۶، ۲۸                      | ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۲۰، ۱۰۶، ۴۹، ۲۷، ۲۶، ۲۵     | وسائل                   | ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۲۰، ۱۰۶، ۴۹، ۲۷، ۲۶، ۲۵     | تفسیر مجمع البیان    |
| ۳۱۸                          | ۲۸۳، ۲۵۸، ۲۴۳، ۲۳۲، ۲۱۹، ۱۵۹، ۱۵۶، ۱۳۵ | ینایع المودۃ            | ۲۸۳، ۲۵۸، ۲۴۳، ۲۳۲، ۲۱۹، ۱۵۹، ۱۵۶، ۱۳۵ |                      |
|                              | ۳۱۹، ۳۱۱، ۲۹۳                          |                         | ۳۱۹، ۳۱۱، ۲۹۳                          |                      |
|                              | ۱۲۳، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۵۹، ۱۳۴، ۱۲۰، ۷۵       |                         | ۱۲۳، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۵۹، ۱۳۴، ۱۲۰، ۷۵       | تفسیر نور الثقلین    |
|                              | ۳۱۱، ۲۸۹، ۲۸۲، ۲۷۵، ۲۶۰، ۲۵۸، ۲۴۴، ۲۴۳ |                         | ۳۱۱، ۲۸۹، ۲۸۲، ۲۷۵، ۲۶۰، ۲۵۸، ۲۴۴، ۲۴۳ |                      |

## لغات قرآن

۱ آثار دراصل اناربروزن وفاق کی جمع ہے

۳۱۱، ۲۸۹، ۲۸۲، ۲۷۵، ۲۶۰، ۲۵۸، ۲۴۴، ۲۴۳



|       |  |     |  |
|-------|--|-----|--|
| ۶۳    | کہتے ہیں۔ سکہ دھرم کا درمیانی علاقہ              | ۶۰  | معنی اوقات                                   |
| ۲۵    | بہت وسعت کا جم معنی۔ اسی لیے صحرا کو بڑا اور ہر  | ۲۰۰ | آئینہ مادہ۔ ایناس۔ آنکھ کی پتلی              |
| ۶۴    | نیک کام کو بڑے کہتے ہیں                          |     | اخذان غزن کی جمع معنی دوست۔ بستحق            |
|       | بطانت لغوی معنی بخل۔ بکس یہاں راز دہاں سے        | ۲۵۲ | پھس یاری لگانا                               |
| ۶۴    | کناہ ہے  |     | اخریکم زیر بحث آیت میں وراثت کو کے           |
|       | بکہ بک۔ بروزن بک۔ معنی اڑھام۔ اجتماع۔            | ۱۰۵ | معنی میں ہے معنی تمہارے پیچھے                |
|       | پس مرکزی حیثیت اور اجتماع کی وجہ سے بکہ          |     | اذا یہاں بطور حرف شرط نہیں۔ معین اور         |
| ۲۲۰۲۱ | کہتے ہیں   | ۱۰۳ | وقت کے معنی میں ہے                           |
|       | تحوونہم مادہ۔ حس۔ معنی حواس ختم کر دینا          | ۲۲۵ | استبدال تبدیل چاہنا                          |
| ۱۰۳   | ۱۰۳ قتل کر دینا۔                                 | ۱۳۰ | انتشار بشارت پانا۔ بشارت دینا نہیں ہے        |
| ۲۳۱   | توبہ میں تاخیر کرنا                              |     | افتراء مادہ فری سے ہے۔ بروزن فسرد            |
|       | تصدون مادہ۔ تصاد۔ معنی اوپر کی طرف               |     | قطع کرنا۔ کاٹ دینا۔ بڑے کام شرک اور عبوت     |
| ۱۰۵   | چڑھنا۔ سطح زمین پر چلنا                          | ۲۹۵ | کو بھی افتراء کہتے ہیں                       |
|       | تصیب حصہ (بروزن کب) وراثتی حصہ پر                |     | افسار وہ رسی جو کدے سے یا گھوڑے کے سر اور    |
| ۲۲۳   | اضافہ کرنا                                       | ۱۹۷ | گردن میں باندھی جاتی ہے                      |
| ۱۲۱   | تغلیب ادبی اصطلاح میں ایک طرز بیان               |     | افضا۔ مادہ فضا۔ معنی وسعت کشادگی ربط         |
|       | تمحص مادہ تمحیص کسی شے کو ہر قسم کے نقص          | ۲۲۵ | نضبط میل جمل                                 |
| ۹۲    | سے پاک کرنا                                      |     | امت مادہ اتم۔ ہر وہ چیز جس کا دوسری چیزیں    |
|       | تغفوا مادہ تغف۔ ثقافت کے معنی کسی چیز            |     | ضمیمہ ہوں۔ اس لیے امت ایسا گروہ جس میں       |
| ۵۷    | کو صدارت کے ساتھ پالینا                          | ۲۶  | وحدت کا پہلو ہو                              |
| ۳۱    | جبت اسم جامد۔ جادو۔ جادوگر۔ شیطان                | ۱۰۶ | امنة امن وامان                               |
|       | جبل اللہ اللہ کی رسی۔ مراد اسلام، قرآن           |     | اولوالالباب صاحبان عقل کی طرف طبع            |
| ۴۲    | پیغمبر اور ادبی بیت                              | ۱۶۰ | اشارہ۔ لب۔ ہر چیز کے خالص جوہر کو کہتے ہیں۔  |
| ۲۲۰   | حدود حد کی جمع معنی روکنا                        |     | ایام یوم کی جمع لوگوں کی کامیابی کے زمانے کو |
|       | حطیم خانہ کعبہ کے دروازہ اور حجر اسود کی درمیانی | ۹۱  | بھی ایام کہتے ہیں                            |
| ۳۲    | جگہ کا نام ہے                                    | ۵۸  | ہاوا رجوع کرنا۔ سکونت کرنا                   |
|       | حلائل علیہ کی جمع مادہ عل۔ وہ عورت جو            |     | بدر۔ یعنی پُرکال۔ اسی لیے پورے چاند کو بدر   |



|  |     |  |     |
|--|-----|--|-----|
| انسان پر حلال ہو                             | ۲۴۰ | دوسروں کے صبر کے مقابلہ میں صبر و استقامت          |     |
| خ خیال۔ کسی چیز کا نیست و نابود ہونا         | ۶۴  | دکھانا   | ۱۷۳ |
| د درک۔ بروزن۔ مرگ۔ نیچے کی طرف جانے والی     |     | صبر۔ استقامت                                       | ۹۹  |
| سیڑھیاں                                      | ۱۲۰ | صدقہ۔ صدقہ۔ صدقہ کی جمع۔ صدقہ معنی فخر             | ۱۹۴ |
| ذ ذرہ۔ جسم کا بہت ہی چھوٹا حصہ۔ اٹیم۔ سالمہ  | ۲۹۱ | صبر۔ نیراک شدت و سختی۔ خواہ نیراک گرم ہو یا سرد    | ۶۲  |
| ر رابطہ۔ مادہ۔ رباط۔ کسی چیز کو کسی مکان میں |     | صلی (بروزن سرد)۔ جھٹنا۔ جٹنا                       | ۲۵۸ |
| باندھنا۔ اسی لیے سرائے کو رباط کہتے ہیں      | ۱۷۴ | طاعوت۔ ثبت۔ جابر و سنگبر ماکم                      | ۳۰۱ |
| راعنا۔ مادہ۔ رمی۔ ہم سے مراعات کیجئے۔ مادہ   |     | طمس۔ کسی چیز کے آثار کو مٹا دینا۔ مٹا دینا کو مٹیل |     |
| روغنت۔ ہمیں بے وقوف بنائیے                   | ۲۹۱ | میدان بنادینا۔ کنایہ ایسی چیز جس کا اثر و قیامت    |     |
| رہیون۔ رہی (بروزن ملی) کی جمع ہے اور         |     | ختم ہو جائے  | ۲۹۲ |
| رہی اس شخص کو کہتے ہیں جس کا خدا سے مضبوط    |     | طول۔ توانائی۔ رسائی۔ مال و سائل (بروزن نوح)        | ۲۵۱ |
| اتصال ہو                                     | ۹۸  | قلیل۔ مادہ نخل معنی سایہ                           | ۳۰۷ |
| رقیب۔ بلند جگہ سے حالات کا جائزہ لینے        |     | ظہارہ۔ اوپر کا لباس۔ لباس ظاہری                    | ۶۳  |
| والا۔ محافظ و نگہبان                         | ۱۸۴ | عرق النساء۔ ایک اخصالی بیماری جس میں               |     |
| ز زنا شوقی۔ ازدواج                           | ۲۵۰ | گمراہ پاؤں کی تکلیف کے باعث چلتے پھرنے             |     |
| س سارعوا۔ سارعت سے ہے مقصد تک پہنچنے         |     | میں دشواری ہوتی ہے                                 | ۲۸  |
| کے لیے ایک دوسرے پر سبقت کرنا                | ۸۰  | عزم۔ پختہ ارادہ۔ ہر حکم و مضبوط چیز کو بھی عزم     |     |
| سعی۔ بھڑکتی ہوئی آگ                          | ۲۰۷ | کہتے ہیں   | ۱۵۲ |
| سفید۔ سفہ (بروزن تہ) بدن کا ہلکا ہونا۔       |     | عفت۔ (بروزن سند) ٹوٹی ہوئی ٹہنی کے جوڑ             |     |
| توازن برقرار نہ رہنا                         | ۱۹۷ | کا پھر سے ٹوٹنا۔ مراد عفت تکلیف و اذیت             | ۲۵۳ |
| سیصلی۔ مادہ۔ صلی۔ (بروزن درد) آگ میں         |     | غول۔ زیادتی اور جبری۔ دراشتی جتنے بڑھ جانے         |     |
| داخل ہونا۔ جٹنا                              | ۲۰۷ | کی صورت میں صحتوں میں کمی کرنا                     | ۲۲۳ |
| ش شجر۔ درخت                                  | ۲۲۶ | فاحشہ۔ فحش یا فحشاء سے ہے بہت ہی بُرا عمل          | ۸۵  |
| شہد۔ سے مراد گواہ بھی ہے                     | ۹۲  | فتیل۔ مادہ۔ نقل۔ بہت ہی باریک دھاگہ جو             |     |
| شہید۔ معنی گواہ۔ کہیں زبان سے شہادت دینا     |     | کج روکی گھٹل میں دکھائی دینا ہے                    | ۲۹۷ |
| سہ اور کہیں جان دے کر حق کی گواہی دینا ہے۔   | ۳۲۱ | فخوہ۔ مادہ۔ فز۔ معنی غرور و گھٹنہ                  | ۲۷۷ |
| ص صابروا۔ مصابرہ معاملہ کے باب سے ہے۔        |     | فہور۔ دھبہ کا ابال۔ تیزی سے انجام پانے والا        |     |



|     |   |           |   |
|-----|---|-----------|---|
| ۲۴۲ | جھاڑنا۔ زنا   | ۷۲        | کام اسی تشبیہ سے فور کھلاتا ہے  |
| ۵۸  | مسکنت۔ سخت۔ بچاؤ کی جس سے چٹکارا ممکن نہ ہو                                       | ق         | قصرح۔ یعنی ایسا زخم جو بدن پر کسی خارجی عمل کی وجہ سے پیدا ہو   |
| ۴۷  | معروف۔ اصل۔ سرف۔ یعنی پہچانے ہوئے   | ۹۱        | ک کاظمین الغیض۔ کظم۔ لغوی معنی پانی سے  |
| ۲۳۶ | مقیّت۔ قابل نفرت اولاد  |           | بھری ہوئی مشک کے دہانہ کو باندھنا۔ مراد غیض و غضب سے بھرے ہونے کے باوجود                                      |
| ۱۲۲ | منت۔ مادہ۔ من۔ وہ پھر جن سے چیزوں کو تولد جاتا ہے                                 |           | اسے استعمال نہ کرنا   |
| ۴۷  | منکر۔ معنی نہ پہچانے ہوئے   | ۸۴        | کائن۔ کتنے زیادہ  |
|     | موالی۔ مولا کی جمع مادہ۔ ولایت۔ معنی ارتباط و اتصال                               | ۹۸        | کفر۔ چھپانا۔ دینی اصطلاح میں حق سے ہرج کی مخالفت  |
| ۴۷  | موت۔ کے معنی فنا اور نابودی نہیں۔ دوسری زندگی کی گزرگاہ ہے۔ (دیکھیے تفریق موت)    | ۳۶        | کلالہ۔ کلال۔ قوت و طاقت کا ختم ہو جانا۔ ایسے شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے کہ نہ                                 |
| ۱۱۰ | مخذ۔ لغت میں قرض کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اور بخشش و عطیہ میں بھی           | ۲۱۷       | اس کے والدین ہوں نہ اولاد   |
| ۱۹۴ | مداولہا۔ مادہ معادلہ۔ ایک چیز کو مختلف لوگوں کے درمیان گردش دینا                  | ۹۰        | لا تموتوا۔ مادہ۔ دین۔ ہر قسم کی سستی جسمانی بھی ایمانی بھی  |
| ۹۱  | نزل۔ ایسی چیز جو مہمان کی ضیافت کے لیے پیش کی جاتے                                | ۱۷۹       | لعلکم۔ لعل کا استعمال شرط کے ساتھ ہے ۱۷۹  |
| ۱۷۰ | نشوز۔ نشز بروزن نذر اونچی زمین مراد سرکشی   |           | لحم۔ (بروزن قسم) چھوٹے اور کم اہمیت والے کام  |
| ۲۶۹ | غنیان   | ۲۵۹       | متعہ۔ ازدواج موقت   |
| ۳۰۶ | نصیہم۔ مادہ۔ نسل۔ آگ میں جلنا   | ۲۴۳       | مشقال۔ مادہ۔ ثقل۔ بھاری پن۔ مشقال ذرہ سے مراد جسم کا چھوٹا حصہ سالم   |
| ۳۰۶ | نضجت۔ مادہ نضج جھن جانا   | ۲۸۱       | محصنہ۔ مادہ۔ حصن۔ قلعہ۔ مراد شوہر دار   |
| ۱۰۶ | نحاس۔ ہلکی نیند یا اونگھ  |           | (سہاگن) عورت  |
|     | نقییر۔ مادہ۔ نقر۔ بروزن فخر کسی چیز کو اتنا کاٹنا کہ اس میں گڑھا یا سوراخ ہو جائے | ۲۴۱ و ۲۴۳ | مختال۔ مادہ۔ خیال۔ کوئی شخص کسی خیال سے اپنے کو بڑا سمجھے۔ گھوڑے کو خیال اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ چال شکرانہ ہے |
| ۳۰۳ | نملی۔ مدد کرنا کسی جگہ ملت دینا بھی مراد ہے                                       | ۲۷۷       | مہافحین۔ مادہ۔ سفاح۔ پانی انڈین، مستی   |
| ۱۳۸ | یزکون۔ مادہ۔ تزکیہ۔ معنی پاک سمجھنا   |           |   |
| ۲۹۷ | یخل۔ یہ لفظ غفل سے خیانت کے معنی میں یا   |           |   |



گیا ہے

۱۱۸

توبہ

یسحق . مادہ حق . کسی چیز کا آہستہ آہستہ کم ہونا .

اہل خرد کے اعمال کا نتیجہ بخشش گناہاں . قبولیت دعا .

اسی وجہ سے مہینے کی آخری رات کو محقق

کہتے ہیں

۹۲

دست خداوندی کا سایہ (دیکھیے احکام)

مرد عورت کی روحانی قدر و قیمت . مرد ہو یا عورت

## متفرق موضوعات

آزمائش و امتحان

۱۳۹

نیک کام کی جزا ضرور ملے گی

قبولیت توبہ کے لیے شرطیں

گناہوں کی بخشش کے اسباب . توبہ . امور نیک . ثناء

شیر دل خاتون کا دربار یزد میں خطبہ (دیکھیے شخصیات)

مقابلے اور پامردی سے تھک نہ جاؤ

اتحاد

اتحاد کی دعوت اور تفرقہ کی ممانعت

قوموں کی بقا کے لیے اتحاد کی اہمیت

اقتصادیات

مسلمانوں کی مفلسی اور یہود و مشرکین کی دولت مندی

مسلمانوں میں احساس محرومی اور اس کا جواب

قوت اور ضیعت کے پہلو

معاشرے کی سلامتی کا دار و مدار اقتصادی سلامتی

پر ہے

انتخاب بزمیہ عقل و فکر

ایک نثر طریقہ تربیت

ایمان

آیات قرآنی کا مسلمانوں کے دلوں پر اثر

ایمان لانے کے بعد کفر کیوں اختیار کی . نورانی اور

تاریک چہرے (دیکھیے معاد)

مسلمانوں کے لیے تنبیہ دشمنوں (غیر مسلموں) کو اپنا عزیز

سمجھو ان پر راز ظاہر نہ کرو

لے ایمان والو . ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹

۲۵۸ ، ۲۵۹



## خیانت

- ہر قسم کی خیانت ممنوع ہے (دیکھیے اخلاقِ رذیلہ) ۱۱۷  
مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرنے کا ایک واقعہ  
(دیکھیے اخلاقِ رذیلہ) ۱۱۹

## زمانے مٹھنہ

- چار گواہوں کی شہادت ۲۲۶  
اسلام کے تعزیری قوانین کا سہل اور مستقیم طریقہ ۲۲۶، ۲۲۷  
سرکشی

جو لوگ طغیان، سرکشی اور نافرمانی میں غرق ہو جائیں  
خدا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے (دیکھیے  
اخلاقِ رذیلہ) ۱۲۹  
سود

اسے ایسا نذارو! بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ۔ خدا سے  
ڈرو تاکہ فلاح پاؤ

- سود خوری کی حرمت کے چند مراحل ۷۷  
شخصیت پرستی کی مخالفت ۷۸  
جنگِ اُحد میں پیغمبر کی شہادت یا طبیعتِ موت سے  
اسلام کا خاتمہ نہ ہوتا ۹۵  
شہداءِ راہِ خدا

شہید زندہ جاوید ہے ۱۲۹  
شہید - روح کی بقا کا شاہد ۱۳۱

شہیدوں کا اجر بربابانِ حضرت علی (دیکھیے شخصیاتِ علی) ۱۳۱  
طبقاتی تفاوت

طبقاتی تقسیم اور گروہ بندی کے خلاف جہاد - اس سے  
ڈرو جس نے تمہیں ایک ہی انسان سے پیدا کیا ۱۸۱

## ظلم

جو شخص کسی پر ظلم کرے گا خدا اس پر کسی ظالم کو مسلط

کر دے گا کہ وہ اس پر اور اس کی اولاد پر ظلم کرے

- (امام صادق) دیکھیے شخصیات ۲۰۵  
جو لوگ ظلم و ستم سے یتیم کا مال کھاتے ہیں وہ آگ کھا  
رہے ہیں اور مستحقِ جہنم ہیں ۲۰۶  
یتیموں پر ظلم نہ کرو ان پر مہربانی کرو کہ ان کے باطنی دکھ  
دور ہو جائیں اور دل کے زخم بھر جائیں ۲۰۵  
یتیم لڑکیوں پر ظلم کرنے سے بچو ۱۸۸  
علماء

## علماء کی ذمہ داری

- اگرچہ ذکرِ علماء یہود کا ہے لیکن ہر قوم کے علماء کی ذمہ داری  
ہے کہ وہ حق کو بیان کریں (دیکھیے اقوامِ گزشتہ) ۱۵۲  
غزوات

غزوہٴ اُحد - لشکرِ گاہ کا انتخاب ۶۷  
اسبابِ جنگ ۶۸

جنابِ عباسؓ کا بروقت پیغام ۶۸  
مسلمانوں کی دفاعی تیاریاں عبداللہ ابنِ جبریرؓ پچاس  
مجاہدین سمیت کوہِ عینین پر متعین ہوئے ۷۰  
آغازِ جنگ میں مسلمانوں نے کفار کو پسپا کر دیا ۷۰

عبداللہ بنِ جبریر کے ساتھی بھی مالِ غنیمت لوٹنے کو دوڑے ۷۰  
عبداللہ بنِ جبریر اپنے دس ساتھیوں سمیت خالد بنِ ولید  
کے حملہ میں شہید ہو گئے ۷۰

ذوالفقار حضرت علیؓ کی تلواریں ٹوٹ گئی۔ رسولِ پاکؐ  
نے ذوالفقارِ عطا کی ۷۱

کون پکارا محمدؐ قتل ہو گئے ۷۱  
ہیکوڑے واپس آکر معذرت خواہ ہوئے ۷۱

جنگِ بدر کی طرف اشارہ ۷۳  
جنگِ اُحد کی نتائج - مایوسی، کاہلی اور کمزوری میں





### گزشتہ تاریخ

- ۸۷ گزشتہ لوگوں کی تاریخ کا مطالعہ (دیکھیے اقوام گزشتہ)
- ۹۲ جہاں گردی۔ بابل کے برج کسریٰ کے محل۔ قوم سب کے
- ۹۲ آثارِ مقدس۔ زبانِ حال سے تاریخ بیان کرتے ہیں
- گناہ کبیرہ و صغیرہ
- اگر تم بڑے گناہوں کو ترک کر دو گے تو ہم چھوٹے گناہ
- معاف کر دیں گے ۹ ۲۹۰
- گناہانِ صغیرہ کس طرح کبیرہ میں بدل جاتے ہیں ۲۹۱
- مشورہ
- اسلام میں مشورہ کی اہمیت ۱۱۲ ۱۱۳
- مشیر کی ذمہ داری ۱۱۳ ۱۱۵
- حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ ۱۱۵
- آخری فیصلہ کا مرحلہ ۱۱۵
- موت
- موت کا اہل قانون - کل نفس ذائقۃ الموت - ۵۰
- موت کے معنی فنا اور نابودی نہیں بلکہ دوسری زندگی
- کا دریچہ ہے (دیکھیے لغات قرآن) ۱۱۰
- یمنانے
- قیمت کا مال اُسے واپس کر دو۔ اس کے اچھے مال کو اپنے
- بُڑے مال سے نہ بدلو۔ اُس کا مال اپنے مال کے ساتھ
- ٹلا کر نہ کھاؤ ۱۸۵ ۱۸۶
- اگر حقوقِ زوجیت ادا نہ کر سکو تو قیمت (دیکھو) سے شادی
- نہ کر دو۔ ظلم سے بچنے کے لیے دوسری عورتوں سے شادی کر دو ۱۸۸
- یتیموں کے حقوق ادا کر دو ۲۷۴
- یتیموں پر ظلم نہ کر دو۔ بلکہ ان سے شفقت آمیز سلوک
- کر دو کہ ان کے باطنی دکھ دور ہو جائیں اور دل کے
- زخم بھر جائیں ۲۰۵

- ۹۱ مبتلا نہ ہوں
- اس قسم کی شکست جماعت کی کمزوری اور عیوب کو
- داخل کرتی ہے ۹۲
- جنگِ اُحد میں شکست کے اسباب کا مختصر جائزہ ۹۳
- کامیابی کے بعد شکست۔ درہ کے محافل کی طبع نے
- شکست سے دوچار کر دیا ۱۰۴
- زمانہ جاہلیت کے دسویں ۱۰۵
- مسلمان دو تین گروہوں میں بٹ گئے ۱۰۶
- کمزور ایمان والے اپنی گفتگو میں کہتے کہ شاید پیغمبر کے
- وعدے غلط ہی ہوں ۱۰۶
- ایک گناہ دوسرے گناہ کا سرچشمہ ۱۰۷ ۱۰۸
- منافقین کی مفاد پرستی ۱۰۹
- عام معافی کا حکم ۱۱۱
- جنگِ اُحد کے سپاہیوں کی بعض بے بسیاں
- عذر تراشیوں کا جواب ۱۱۷ ۱۱۸
- جہاد میں شرکت نہ کرنے والے ۱۲۰
- جنگِ اُحد پر ایک اور نظر ۱۲۴
- غزوہ حراء الاعداء ۱۲۴ ۱۲۵
- تربیتِ الہی کی فوری تاثیر ۱۲۵
- کامیابی کا ایک راستہ
- دشمن کا خوفزدہ ہونا ۱۰۱
- کفر
- جو لوگ کفر کی طرف پلٹ جائیں وہ اپنا نقصان
- کرتے ہیں ۹۶
- بار بار خطرے سے آگاہی۔ اے ایمان والو! اگر
- کافروں کی اطاعت کر دو گے تو وہ تمہیں پیچھے دھکیل دیں
- گے۔ تم خود اپنا نقصان کر دو گے ۱۰۰



## مقامات

أحمد

کوہ احمد کا دامن جہاں آپ کے زمانہ کی مشہور جنگ

أحمد لڑی گئی

اد طاکس

ایک مقام جہاں ایک اسلامی جنگ (جنگ طاکس)

لڑی گئی

بکہ

بکہ اور مکہ - ایک ہی لفظ اور معنی ہے

جبرائیل

شمال مغرب میں ایک مقام قوس کی شکل میں

جبرائیل ہے

صمر الاسد

جہاں سلم فوجیں جنگ احمد کے بعد شکر قریش کے

مقابلہ کو پھر سے جمع ہوئیں

روحہ

وہ مقام جہاں سے ابوسفیان نے مدینہ پر چڑھائی

کے لیے پھر سے ارادہ کیا

اور قبیلہ عبد القیس کے ذریعے ابوسفیان نے مسلمانوں

کو مرعوب کرنا چاہا

کعبہ

مکہ میں لوگوں کے لیے پہلا بابرکت گھر

کعبہ پہلے حضرت آدمؑ نے تعمیر کیا

خاندان کعبہ کی خصوصیت - بابرکت ہونا

مسجد الحرام کی توسیع

سرچشمہ رشد و ہدایت - خدا پرستی، توحید، روحانیت و

معنویت کی واضح نشانیاں

مقام ابراہیم کو جاستے امن قرار دیا گیا

حجر اسود

حج کی اہمیت

## مقربین - بارگاہ خدا

نیک لوگ تو وہ ہیں جو اللہ، آخرت، ملائکہ، مکتب اور

انبیاء پر ایمان لائے اور اپنا مال یتیموں، یتیموں اور

سزیدوں میں خرچ کیا اور زکوٰۃ ادا کی

پرہیزگاروں کی نشانیاں

وہ نیک کرنے کی وجہ سے اللہ کو محبوب ہیں

مومنین کو خدا پر ہی توکل کرنا چاہیئے

وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں

وہ آیات الہی کو کہیں کم قیمت پر نہیں بیچتے

جنت کے ساتھی

انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین

ثوبان صحابی رسول کی گفتگو

پیش

ایک خاص سورتہ الفبا کے تمام حرف میں

|        |      |      |      |       |      |      |      |      |       |       |       |        |       |       |       |       |       |       |       |        |       |       |       |       |       |       |       |        |       |       |       |       |       |       |       |        |       |       |       |       |       |       |       |        |       |       |       |       |       |       |       |        |       |       |       |       |       |       |       |        |       |       |       |       |       |       |       |        |       |       |       |       |       |       |       |        |       |       |       |       |       |       |       |        |       |       |       |       |       |       |       |        |       |       |       |       |       |       |        |
|--------|------|------|------|-------|------|------|------|------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|
| ۱) الف | ۲) ب | ۳) ج | ۴) د | ۵) هـ | ۶) و | ۷) ز | ۸) ح | ۹) ط | ۱۰) ث | ۱۱) ج | ۱۲) د | ۱۳) هـ | ۱۴) و | ۱۵) ز | ۱۶) ح | ۱۷) ط | ۱۸) ث | ۱۹) ج | ۲۰) د | ۲۱) هـ | ۲۲) و | ۲۳) ز | ۲۴) ح | ۲۵) ط | ۲۶) ث | ۲۷) ج | ۲۸) د | ۲۹) هـ | ۳۰) و | ۳۱) ز | ۳۲) ح | ۳۳) ط | ۳۴) ث | ۳۵) ج | ۳۶) د | ۳۷) هـ | ۳۸) و | ۳۹) ز | ۴۰) ح | ۴۱) ط | ۴۲) ث | ۴۳) ج | ۴۴) د | ۴۵) هـ | ۴۶) و | ۴۷) ز | ۴۸) ح | ۴۹) ط | ۵۰) ث | ۵۱) ج | ۵۲) د | ۵۳) هـ | ۵۴) و | ۵۵) ز | ۵۶) ح | ۵۷) ط | ۵۸) ث | ۵۹) ج | ۶۰) د | ۶۱) هـ | ۶۲) و | ۶۳) ز | ۶۴) ح | ۶۵) ط | ۶۶) ث | ۶۷) ج | ۶۸) د | ۶۹) هـ | ۷۰) و | ۷۱) ز | ۷۲) ح | ۷۳) ط | ۷۴) ث | ۷۵) ج | ۷۶) د | ۷۷) هـ | ۷۸) و | ۷۹) ز | ۸۰) ح | ۸۱) ط | ۸۲) ث | ۸۳) ج | ۸۴) د | ۸۵) هـ | ۸۶) و | ۸۷) ز | ۸۸) ح | ۸۹) ط | ۹۰) ث | ۹۱) ج | ۹۲) د | ۹۳) هـ | ۹۴) و | ۹۵) ز | ۹۶) ح | ۹۷) ط | ۹۸) ث | ۹۹) ج | ۱۰۰) د |
|--------|------|------|------|-------|------|------|------|------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|-------|-------|-------|-------|-------|-------|--------|